امی مرحومہ

سکینہ خاتون

کے نام

خوابوں کے اُس پار

مجھے

ڈر لگتا ہے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فہرست

دو بھیگے ہوئے لفظ

اصل واقعہ کی زیروکس کاپی

باپ اور بیٹا

دادا اور پوتا

انکیوبیٹر

لینڈ اسکیپ کے گھوڑے

فزکس، کیمسٹری، الجبرا

فریج میں عورت

بارش میں ایک لڑکی سے بات چیت

کاتیائن بہنیں

مرد

صدی کو الوداع کہتے ہوئے

مادام ایلیا کو جاننا ضروری نہیں ہے

دو بھیگے ہوئے لفظ

بہت تیز آندھی تھی ۔ چھتیں اُڑ رہی تھیں ۔ درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہ تھے ۔ بھیانک منظر تھا۔ کچی دیواروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی کٹیا تھی ۔ دو بوڑھے، بوڑھی تھے ۔ باہر میدان میں اونچے اونچے پیڑوں کی دیکھ بھال کے لئے —— جیسے درخت نہیں ہوں ، بچے ہوں اُن کے ......

'دیکھو...... وہ درخت بھی ...... آہ ......' بوڑھی عورت چیخی ۔ تم کچھ کرتے کیوں نہیں ۔

'بھیانک طوفان —— کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو......'

'ہاں، دیکھ رہی ہوں مگر......'

بوڑھی عورت، اپنے بوڑھے شوہر کا ہاتھ پکڑے اس خوفناک طوفان میں، اُسے لے کر باہر آ گئی —— اور ایک جوان درخت کے پاس ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی ——

'میں نہیں جانتی ۔ لیکن تمہیں اسے بچانا ہو گا......'

'دیکھو ۔ کیسے ہل رہا ہے ...... یہ درخت بھی گر جائے گا——'

'تمہیں بچانا ہو گا ——' بوڑھی عورت زور سے گرجی ——

دونوں نے موٹی رسیاں تیار کیں ۔ درخت کو دونوں طرف سے لپیٹا —— اور اس زوروں کے طوفان میں، دونوں نے اپنے ہلتے لڑکھڑاتے وجود کے باوجود اُس درخت کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے ساری قوت لگا دی ——'

عرصہ پہلے یہ کہانی پڑھی تھی ۔ خدا معلوم، کہانیوں کے دونوں بوڑھے کردار اُس درخت کو ٹوٹنے سے بچا پانے میں کامیاب ہوئے یا نہیں —— یا، اتنے سارے

درختوں میں اُن کی ساری محنت صرف اسی درخت کے حصے میں کیوں آئی تھی ـــــ؟ شاید، انسانی کمزوری اور محبت کے بہت سارے گوشے ایسے ہیں جسے علم نفسیات ابھی تک سمجھنے میں ناکام رہا ہے ـــــ

پتہ نہیں کیوں، کہانیوں کے انتخاب کی بات آئی تو اچانک کھلے چور دروازے سے اس کہانی نے دستک دی ـــــ 'انتخاب کا مطلب جانتے ہو؟'

'ہاں؟'

'کن کہانیوں کو بچاؤ گے؟'

'مطلب؟'

'دیکھا نہیں وہ بوڑھے بوڑھی اتنے سارے درختوں میں، اُس ایک پیڑ کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے......'

'ہاں، لگاؤ ہوگا'

'ادب میں لگاؤ سے بات نہیں بنتی ـ'

کیسی سچی بات ہے ـــــ آپ کا خوبصورت، سب سے پیارا بچہ زندگی کے امتحان میں، ہار جاتا ہے ـــــ اُس کا بدصورت بھائی بازی مار جاتا ہے ـــــ پریم چند کو کہانی 'کفن' کچھ زیادہ پسند نہیں تھی ـ اب 'کفن' کے بغیر اردو کہانی کی گفتگو آگے نہیں بڑھتی ـ ممکن ہے میرے بعد اگر کوئی دوسرا میری 300-350 کہانیوں میں سے 25 کہانیوں کے انتخاب کی ذمہ داری قبول کرے تو صورت بالکل دوسری ہو ـــــ

اس لئے 'کس کو بچانا' ہے کس کو نہیں ـــــ

کس کو رکھنا ہے اور کس کو نہیں ـــــ؟

میں نہیں جانتا، اس انتخاب میں مجھے کتنی کامیابی ملی ـ مگر اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ

اس انتخاب کے لئے مسلسل سوچتے اور غور کرتے ہوئے مجھے دو سال لگ گئے——

شاید ان کہانیوں کے انتخاب کا خیال ہی میرے ذہن میں نہیں آتا اگر میرے بھائی اور میرے مخلص دوست آصف فرخی نے یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی ہوتی۔ یہ اُن کا بڑپن ہے اور محبت بھی——

اور اس محبت کے لئے میں انہیں سلام کرتا ہوں۔

ذوقی

☆

اس پُر ہیبت حقیقت کے مقابل، جسے تمام انسانی زمانوں میں ایک یوٹو پیا کی حیثیت حاصل رہی ہوگی، ہم، کہانیوں کے موجد، جن کے نزدیک ہر بات قابلِ یقین ہے، اس بات پر یقین کرنے کے بھی پوری طرح حق دار ہیں کہ ایک بالکل دوسری قسم کے یوٹو پیا کی تخلیق میں خود کو منہمک کر دینے کا وقت ابھی ہاتھ سے نہیں گیا۔ زندگی کا ایک نیا اور ہمہ گیر یوٹو پیا، جہاں کسی کو دوسروں کی موت کے حالات کا تعین کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، جہاں محبت سچی، اور خوشی ممکن ہوگی اور جہاں سو سال کی تنہائی کی سزا بھگتنے والی قوموں کو، آخر کار اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اس زمین پر ایک اور موقع دیا جائے گا۔

—— گابرئیل گارسیا مارکیز

اصل واقعہ کی زیراکس کاپی

''وہ جو،
ہر طرح کے ظلم، قتل عام اور بربریت /
کے پیچھے ہیں /،
تلاش کرو /
اور ختم کردو /
اس لئے کہ وہ اس نئی تہذیب کی داغ بیل /
ڈالنے والے ہیں /
جو تمہاری جانگھوں یا ناف کے نیچے سے ہو کر گزرے گی۔''

گرمی کی ایک چلچلاتی دوپہر کا واقعہ

سپریم کورٹ کے وسیع و عریض صحن سے گزرتے ہوئے اچانک وہ ٹھہر گیا۔ سامنے والا کمرہ جیوری کے معزز حکام کا کمرہ تھا۔ اس نے اپنی نکٹائی درست کی۔ خوبصورت سلیٹی کلر کے قیمتی بریف کیس کو، جسے اس نے سوئزرلینڈ کے 25 سالہ ورک شاپ سے خریدا تھا، داہنے ہاتھ میں تھام لیا اور اس جانب دیکھنے لگا جدھر سے پولیس کے دو سپاہی ایک منحنی سے آدمی کو ہتھکڑی پہنائے لئے جا رہے تھے۔

سموئل یہ بھی آدمی ہے...... وہ بے اختیار ہو کر ہنسا ـــــــ جیسے اس دبلے پتلے سے آدمی کو ہتھکڑیوں میں دیکھتے ہوئے ہنسنے کے علاوہ دوسرا کوئی کام نہیں کیا جا سکتا۔

''آدمی...... تم کیا سمجھتے ہو سموئل، اس نے کوئی جرم کیا ہوگا۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ یہ آدمی ایک مکھی بھی نہیں مار سکتا۔

''آپ کا دعویٰ صحیح ہے یور آنر، سموئل نے قدرے کھل کر اس کی طرف دیکھا ـــــــ''

''یہ مکھی بھی نہیں مار سکتا۔ مگر پچھلے دنوں آپ نے وہ چرچا سنا ہوگا۔ ایک شخص نے

اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ......اپنی سگی دو بیٹیوں کے ساتھ......"

"کیا یہ شخص......"

سموئل نے سر کو جنبش دی۔ "یور آنز، یہ وہی شخص ہے۔"

○○

منحنی سا دبلا پتلا آدمی ۔ چہرہ عام چہرے جیسا ـــــ آگے کے بال ذرا سا اُڑے ہوئے ـــــ بالوں پر سفیدی نمایاں ہو چکی تھی ۔ سانولا رنگ، کرتا پائجامہ پہنے ۔ ایک ہاتھ سے اپنے چہرے کو بہت ساری چبھنے والی نگاہوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سپاہی اسے لے کر کورٹ روم میں داخل ہو گئے ۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ "بینک تو بارہ بجے بند ہوتا ہے نا......

"یس یور آنز"

"مجھے یور آنز مت کہا کرو۔ میں ہوں نا، ایک بہت عام سا آدمی ۔ معمولی آدمی، کہتے کہتے وہ ٹھہرا ـــــ تم نے کبھی اس طرح کا کوئی مقدمہ دیکھا ہے سموئل؟

"نہیں میں نے نہیں دیکھا۔"

'آہ۔ میں نے بھی نہیں دیکھا۔'

میں سمجھ سکتا ہوں سر، ......سموئل جھک جھک کر سر ہلا رہا تھا......

○○

اب وہ کورٹ روم میں تھے ۔ جیوری کے ممبر موٹی موٹی کتابوں، فائلوں کے ساتھ اپنی جگہ لے چکے تھے ۔ بیچ بیچ میں کوئی وکیل اٹھ کھڑا ہوتا ۔ جج درمیان میں بات روک کر گمبھیر آواز میں کچھ کہتا۔ جیوری کے ممبر نظر اٹھا کر اس منحنی سے شخص کو دیکھ کر کچھ اشارہ کرنے لگتے ۔

پھر بہت ساری نظریں کٹہرے میں کھڑے ہوئے ملزم کی جانب اٹھ جاتیں ۔ وہ

آدمی، وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ چہرے سے عیاش اور 'پاجی' بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چہرے سے اس قماش کا قطعی نہیں لگ رہا تھا۔ چہ میگوئیوں، شور کرتی آوازوں کے بیچ دو لڑکیاں اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ایک کی عمر کوئی سترہ سال کی ہوگی۔ دوسری کی پندرہ سال ـــــ دونوں کے چہرے پر ایک خطرناک طرح کا تیور تھا جیسے کسی زمانے میں افریقی نسل کے سیاہ فام 'چمپانا' نام کے بندر کے چہرے پر پایا جاتا تھا۔

اسے وحشت سی ہوئی ـــــ چلو سموئل۔ باہر چلتے ہیں......

'مگر یور آنر' ...... سموئل کے چہرے پر ہلکی سی ناراضگی پل بھر کو پیدا ہوئی ـــــ جسے حسب عادت اپنی مسکراہٹ کے ساتھ وہ پی گیا...... 'جیسی آپ کی مرضی یور آنر۔'

○○

دونوں سڑک پر آ گئے۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی اور حیرانی کا دریا بہہ رہا تھا۔

''تم وہاں رکنا چاہتے تھے سموئل۔ کیوں؟ میں سمجھ سکتا ہوں اس نے سر کو جنبش دی، مگر بتاؤ، آخر کو وہ آدمی ـــــ کیوں تمہارے ہی جیسا تھا، نا......؟''

''سموئل گڑبڑا گیا ـــــ پھر فوراً سنبھل کر بولا۔'' ہاں بالکل سر، ہمارے آپ کے جیسا...... آدمی ـــــ جیسے سبھی آدمی ہوتے ہیں......''

''چہرے پر ملال ہوگا۔ ہونا چاہئے...... ہوگا ہی...... تم نے دیکھا نا، سموئل، وہ کٹہرے میں کیسا نظریں بچائے کھڑا تھا۔''

''لیس یور آنر......''

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی سموئل ـــــ آخر خود پر لگائے گئے الزامات کی وہ کیا صفائی بیان کر رہا ہوگا۔ وہ کہہ رہا ہوگا کہ''...... اس کے چہرے کے تیور بدل رہے تھے ـــــ آدمی کو ایک زندگی میں ایک ہی کام کرنا چاہئے۔ یا تو بس اپنے کام سے جنون کی حد تک پیار ہو یا پھر شادی کر کے گھر بسا لینا چاہئے۔ دونوں میں سے

ایک کام —— یہ کیا..... کہ شادی ہوئی اور ماں کی گود سے کود کر بچی دندناتی ہوئی تاڑ جتنی لمبی ہو گئی —— اور لوگوں کی نگاہوں میں ٹینس بال کی طرح پھسلنے لگی ۔

ادھر..... کبھی ادھر......

سموئل ہنسا، وہ دیکھئے سر!

سامنے سے دو کانونٹ کی پراڈکٹ ٹھہا کہ لگاتی ہوئی گزر گئیں۔ ایک پل کو اس کی نگاہیں چار ہوئیں ۔ جسم میں ایک تیز ابی ہلچل ہوئی ۔ بجلی کوندی —— گرجی اور خاموش ہو گئی۔

''ایسی لڑکیاں..... ہم آپ کسی نظر سے دیکھیں مگر میرا دعویٰ ہے..... ان کا ایک باپ ہو گا۔ گھر میں چائے پیتا ہوا۔ اخباروں پر جھکا۔ بیوی سے کسی نامناسب بحث میں الجھا ہوا —— اور بیٹیوں کو دیکھ کر اشارتاً کوئی بے معنی سا سوال پوچھتا ہوا۔

یا..... بریک فاسٹ لنچ، ڈنر یا چائے بنا دینے کی بے چارگی بھری فرمائش کرتا ہوا۔ ایک عام باپ..... جیسا کہ وہ تھا..... جیسا کہ اسے ہونا چاہئے..... اور جیسا کہ سب ہوتے ہیں.....''

سموئل نے داڑھی کھجائی —— پھر یوں چپ ہو گیا جیسے ابھی غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے جو بھی بول پھوٹے ہیں وہ اس کے لئے شرمسار ہو..... اس نے بھی دھیرے سے گردن ہلائی جیسے گہرے صدمے سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا ہو۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ گردن ہلائی اور جیسے، آنکھوں کے آگے بہت کچھ روشن ہو گیا۔ ماں کے 'حمل' سے کود کر، آن میں کودتی پھاندتی تاڑ جتنی بڑی ہو جانے والی لڑکی.....

یہ لزا بار بار آنکھوں کے آگے کیوں منڈلاتی ہے اور وہ..... ایک لاچار باپ..... چھپ کیوں نہیں سکتا۔ نہیں دیکھے اسے ۔ ایک بار بھی —— بچپن میں اُچک کر

کندھوں پر سوار ہو جانے والی لزا ـــــ اچانک ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہوئی، کتنی ڈھیر ساری بہاروں کے ساتھ ہوا کے رتھ پر سوار ہوگئی تھی ـــــ نہیں لزا، یہاں نہیں ۔ یہاں مت بیٹھو...... یہاں میں ہوں نا...... جاؤ اپنا ہوم ورک کرو ۔ اپنے کمرے میں جا کر اسٹڈی کرو لزا۔ یہاں سے...... یہاں سے جاؤ، پلیز......عمر کے پاؤں پاؤں چلتی ہوئی لڑکی کے بڑے ہوتے ہی باپ اچانک نظریں کیوں چرانے لگتا ہے...... ہوٹل، کلب، ریستوران کے ڈھیر سارے جانے انجانے لمس کے بیچ یہ رشتے کی نازک پتنگ اسے پریشان کیوں کر دیتی ہے ۔ کیوں کر دیتی ہے...... کہ ایک باپ ہونے کے ناطے اسے سمجھانا پڑتا ہے خود کو...... ایک اچھا لڑکا......ایک عمدہ آدمی......''

''یہ عمدہ آدمی کہاں بستا ہے......کہاں ملتا ہے ـــــ کیوں سموئل!''

سموئل نے کوئی جواب نہیں دیا ـــــ وہ کسی اور سوچ میں گم تھا ـــــ عمدہ آدمی...... بہتر آدمی، بے لوث، بے غرض، مخلص، ہمدرد اور عمدہ آدمی ـــــ روانڈا کی سڑکوں پر بھی ایسے کسی آدمی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ۔ لندن، پیرس، برلن کی گلیوں میں بھی اسے سے ایسا کوئی آدمی نہیں ٹکرایا ۔ افریقہ کی سڑکوں پر بھی نہیں ـــــ جہاں دھوپ سے جھلسے سیاہ فام چہروں پر اس نے 'بھیک' کی نظم لکھی دیکھی تھی......

''اس دھرتی پر......
ہم اپنے سفید دانتوں سے ہنستے ہیں ۔
اس وقت بھی......
جب ہمارا دل لہولہان ہو رہا ہوتا ہے ۔''

کمپالا (یوگانڈا) کے ہوٹل میں سیاہ فام نگونگی نے اس کے بدن سے کھیلتے ہوئے

اچانک پوچھا تھا۔ سر، ایک لمحے کو سوچئے اگر میں آپ کی سگی بیٹی ہوتی تو...... وہ بستر سے چھلانگ لگا کر اتر گیا تھا۔ ننگ دھڑنگ...... وہ کانپ رہا تھا۔ نگونگی ایک بے شرم سفاک مسکراہٹ کے ساتھ اس کے بوکھلائے چہرے کو دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی......

''سموئل، ہم یہ کمینہ پن کیوں کرتے ہیں؟''

''ہم...... تھک جاتے ہیں سر...... تھک جاتے ہیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے پرے ہو جاتے ہیں۔''

اس نے گہرا سانس کھینچا...... ''ٹھیک کہتے ہو...... ہم تھک جاتے ہیں...... اس جسم میں کتنی طرح کی لذتیں دفن ہیں سموئل؟ ہاں دفن ہیں...... اس نے پھر سانس کھینچا...... کتنی طرح کی لذتیں...... کتنے ملکوں کی...... نرم...... گرم اور...... ہم کچھ بھی نہیں دیکھتے...... یہ کہ چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے اور ہم ایک غیر جسم سے چپکے ہوئے ہیں۔ کھیل رہے ہیں —— جب ہم اپنے گلاس میں اسکاچ انڈیلتے ہیں...... کاکروچ مارتے ہیں...... لوگ مر رہے ہیں...... ہر لمحہ...... ہندوستان میں...... پاکستان میں...... کوئی سا بھی ملک —— باقی نہیں ہے۔ جب ہم اپنی ٹائی درست کرتے ہیں...... لوگ مر رہے ہیں...... امریکہ، روس، جاپان، ویتنام...... ایٹم بم اور میزائلس سے باہر نکلو تو وہی ایک جسم آجاتا ہے...... لوگ مر رہے ہیں...... اور لوگ اپنی سگی بیٹیوں کے ساتھ......''

''یور آنر، بینک آگیا ہے۔''

مہنگے ہوٹل کی ایک رات اور ٹرائل

''اچھا، وہ کیا جرح کر رہا ہوگا سموئل! ذرا سوچو، اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لئے کیا رہ جاتا ہے۔ اچھا ایک منٹ کے لئے مان لو...... وہ آدمی میں

ہوں......تم وکیل ہو جج ہو یا کچھ بھی مان لو...... ماننے کو تو کچھ بھی مانا جا سکتا ہے سموئل...... یوں پاگلوں کی طرح مجھے مت گھور کر دیکھو...... مان لو...... اور سمجھ لو، ٹرائل شروع ہوتا ہے......اگر شروع ہوتا ہے تو کیسے......؟''

''یور آنر۔سموئل نے کچھ کہنے کے لئے حامی بھری، اس نے روک دیا۔——

''نہیں، یہاں یور آنر تم ہو سموئل......اور سمجھو مقدمہ شروع ہو چکا ہے۔جیوری کے ممبر بیٹھ چکے ہیں۔کٹہرے میں، میں کھڑا ہوں—— ایک لاچار اپاہج باپ جس نے اپنی سگی بیٹیوں سے......نہیں مجھے یہ جملہ ادا کرنے میں دشواری ہو رہی ہے سموئل......تاہم......میں......کہنا یہ چاہتا ہوں کہ......''

اس نے آنکھیں بند کیں۔جیسے اپنے تمام تاثرات چہرے پر لا کر جمع کر رہا ہو۔

''ہاں تو میں......ایک لاچار کمینہ باپ......کسی ایک جبر و کشمکش کے لمحے کے ٹوٹ جانے کے دوران......نہیں...... مجھے اعتراف ہے کہ —— وہ حوا کی کوکھ سے نہیں، میرے خون سے نکلی تھی ۔ جنی تھی ـ ـ ـ مجھے اعتراف ہے کہ —— نہیں، مجھے کہنے نہیں، آرہا...... اور کیسے آسکتا ہے......آپ سب مجھے ایسے گھور رہے ہیں......سب کی نگاہیں—— عیاشی کی اس سے بھدی مثال اور کمینگی کی اس سے زیادہ انتہا اور کیا ہو سکتی ہے۔مجھے سب اعتراف ہے۔مگر......میں کیسے سمجھاؤں......بس ایک جبر و کشمکش کے ٹوٹ جانے والے لمحے کے دوران......''

''آرڈر......آرڈر......ملزم جذباتی ہو رہا ہے—— ملزم کو چاہئے کہ اپنے جذبات پر قابو رکھے۔''

سموئل کے چہرے پر کٹھورتا تھی۔

''مور کھتا۔ملزم جب وہاں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پایا تو یہاں—— خیر، میں کہہ رہا تھا—— میں پچھلے دنوں ویتنام گیا تھا۔سیاحت میرا شوق ہے......تو میں

کہہ رہا تھا کہ میں ویتنام ......‘‘

’’اس پورے معاملے کا ملزم کے ویتنام جانے اور سیاحت سے کوئی تعلق نہیں ہے......‘‘

’’میں مانتا ہوں می لارڈ......مگر جو واقعہ یا حادثہ ایک لمحے میں ہو گیا۔ ایک بے حد کمزور لمحے میں ـــــــ اس کے لئے مجھے ویتنام تو کیا، فلسطین، ایران، عراق، امریکہ، روس، روانڈا سب جگہوں پر جانے دیجئے ـــــــ میں گیا اور میں نے دیکھا...... سب طرف لوگ مر رہے ہیں...... مر رہے ہیں...... ہر لمحے میں...... جب ہم ہنستے ہیں روتے ہیں ـــــــ باتیں کرتے ہیں، قہوہ یا چائے پیتے ہیں ـــــــ قتل عام ہو رہے ہیں...... لوگ مر رہے ہیں...... مارے جا رہے ہیں......

سموئل نے ناگواری سے دیکھا ـــــــ بیوقوفی بھری باتیں۔ کوری جذباتیت ـــــــ اس کیس میں ایک ریپ ہوا ہے...... رپیسٹ ایک...... باپ ہے۔ جس نے اپنی...... کہیں تم گے (GAY)، لیسبن (Lesbian) یا فری کلچر کے حق میں تو نہیں ہو......؟

’’نہیں۔ آہ تم غلط سمجھے سموئل، اس نے گردن ترچھی کی ـــــــ شاید میں سمجھا نہیں پا رہا ہوں...... ابھی تم نے جن کلچرز کا ذکر چھیڑا، وہ سب دکھ کی پیداوار ہیں...... دکھ...... جو ہم جھیلتے ہیں ـــــــ یا جھیلتے رہتے ہیں ـــــــ مہاتما بدھ کے مہان بھشکر من سے لے کر بھگوان کی آستھاؤں اور نئے خداؤں کی تلاش تک ـــــــ پھر ہم کسی روحانی نظام کی طرف بھاگتے ہیں ـــــــ کبھی اوشو کی شرن میں آتے ہیں...... کبھی گے (GAY) بن جاتے ہیں تو کبھی لیسبین۔ قتل عام ہو رہے ہیں...... اور بھاگتے بھاگتے اچانک ہم شدبد کھو کر کنڈوم کلچر میں کھو جاتے ہیں ـــــــ ہم مر رہے ہیں سموئل اور جو نہیں مر رہے ہیں وہ جانے انجانے ایچ آئی وی پازیٹیو (H.I.V.

(POSITIVE) کی تلاش میں بھاگ رہے ہیں......''

''ہمارا ملزم اپنا دفاع نہیں کر پا رہا ہے۔اس لئے مقدمہ خارج۔''

وہ غصّے سے سموئل کی طرف مڑا۔۔۔۔ ایک باپ پشیمانی کی انتہا پر کھڑا ہے اور تم اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع بھی ہیں دینا چاہتے۔ویدک ساہتیہ کو لو۔دھرم کے بعد کام کا ہی استھان ہے۔موکش کا نمبر اس کے بعد کا ہے۔گیتا میں کہا گیا ہے،شری کرشن سب جگہ ہیں...... انسانوں کے اندر وہ کامیکھا کے روپ میں موجود ہیں۔۔۔۔ کھجوراہو کے مندروں میں سمبھوگ کے چتر اس بات کے ثبوت ہیں کہ سمبھوگ پاپ نہیں ہے۔۔۔۔ اگر پاپ ہوتا، اپوتر ہوتا تو اسے مندروں میں جگہ کیوں کر ملتی سموئل۔۔۔۔؟

''بھیانک......بہت بھیانک......''

''مان لو کوئی کہتا ہے......فلاں چیز میری ہے......میں جو چاہوں کروں......تم اس بارے میں کیا جواب دو گے سموئل......مثلاً کوئی کہتا ہے کہ بیوی میری ہے......فرج میری ہے......میں جو چاہوں کروں......''

''بھیانک......بہت بھیانک......سموئل کے چہرے کے رنگ بدل رہے تھے۔

''اور مان لو سموئل دنیا ختم ہو جاتی ہے بس ایک ایٹم بم یا اس سے بھی کوئی بھیانک ہتھیار...... ویتنام کے شعلے توسیگون ندی سے اٹھ کر آسمان چھو گئے تھے۔مان لو، صرف دو ہی شخص بچتے ہیں اور دنیا کا سفر جاری رہتا ہے۔ایک باپ ہے اور دوسری ......''

بہت بھیانک......سموئل چیخا۔۔۔۔بس کرو......میں اور تاب نہیں لا سکتا......''

وہ جبر، کشمکش کا ٹوٹ جانے والا لمحہ اس سے بھی کہیں زیادہ بھیانک ہو سکتا ہے سموئل۔۔۔۔ ایک بچی۔۔۔۔ 'چھوٹی ہے......باپ اسے دلار کر رہا ہے۔۔۔۔ پیار

کررہا ہے، بڑی ہوتی ہے ـــ اسکول جاتی ہے...... بیل کی طرح بڑھتی ہے ـــ کونپل کی طرح پھوٹتی ہے ـــ گاہے بہ گاہے باپ کی نظریں اس پر پڑتی ہیں ـــ وہ اس سے بچنا چاہتا ہے...... بچنے کے لئے وہ شادی کی بات چھیڑتا ہے ـــ وہ کئی کئی طرح سے اسے رخصت کرنے کی بات سوچتا ہے ـــ اور بس چھپنا چاہتا ہے...... بچنا چاہتا ہے ـــ پھر ڈرنے لگتا ہے اپنے آپ سے...... جیسے ایک نئی صبح شروع کرنے والے اخبار اور اخبار کی خون اگلتی سرخیوں سے......''

''تم ایک گناہ کی وکالت کررہے ہو ـــ'' سموئل پھر چیخا۔

''نہیں، اس نے جھرجھری بھری ـــ'' جنگ ہمیں تباہ کررہی ہے سموئل...... اور کنڈوم ہمیں اپنی طرف کھینچ رہے ہیں......''

وہ جیسے ہی چپ ہوا، کچھ دیر کے لئے دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

اختتام

معزز قارئین! اگر آپ اسے سچ مچ کہانی مان رہے ہیں تو اس کہانی کا اختتام بہت بھیانک ہے...... بہتر ہے آپ اسے نہ پڑھیں اور صفحہ پلٹ دیں۔

مقدمہ ختم ہوا تو دونوں اپنے معمول میں لوٹ آئے......

اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... بدلی بدلی سی مسکراہٹ...... ''سموئل، ہر مقدمے کا ایک فیصلہ بھی ہوتا ہے...... میں سمجھتا ہوں، تمہیں فیصلہ ابھی اسی وقت سنانا چاہئے......''

''یس یور آنر...... سموئل بے دردی سے ہنسا۔ ذرا توقف کے بعد اس نے ایک بوتل کھول لی۔ اس کی طرف دیکھ کر بولا...... ''دو پیگ بناؤں یور آنر......

''فیصلہ کا کیا ہوا......؟'' اس کی آنکھوں میں مدہوشی چھا رہی تھی......

سموئل نے دو پیگ تیار کرلئے۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چیز نکالی۔ وہ

اسے دکھا کر مسکرایا۔ یہ امریکن کمپنی کا بنا ہوا کنڈوم کا پیکٹ تھا۔ وہ مسکرایا..... تو یہ ہے فیصلہ یور آنر..... وہ آچکی ہے..... آواز لگاؤں.....''

''تم ایسے ہر معاملے میں، بہت دیر کرتے ہو سموئل..... کہاں ہے وہ.....؟''

اس نے گلاس ٹکرائے..... سموئل نے دروازہ کی طرف دیکھا۔ منہ سے سیٹی بجانے کی آواز نکالی۔ اسی کے ساتھ دروازے سے ایک لڑکی برآمد ہوئی.....

معزز قارئین! ذرا ٹھہر جائیے۔ اس انجام کے لئے میرا دل سو سو آنسو رو رہا ہے مگر..... اس لڑکی کو آپ بھی پہچانتے ہیں.....!

باپ اور بیٹا

(۱)

باہر گہرا کہرا گر رہا تھا □ ــــــ کافی ٹھنڈی لہر تھی۔ میز پر رکھی چائے برف بن چکی تھی۔ کافی دیر کے بعد باپ کے لب تھرتھرائے تھے...... ’میرا ایک گھر ہے‘ اور جواب میں ایک شرارت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔ ’اور میں ایک جسم ہوں ــــــ اپنے آپ سے صلح کر لو گے تب بھی ایک جنگ تو تمہارے اندر چلتی ہی رہے گی۔ ذہن کی سطح پر، ایک آگ کے دریا سے تو تمہیں گزرنا ہی پڑے گا۔ اپنے آپ سے لڑنا نہیں جانتے۔ گھر...... بچے...... ایک عمر نکل جاتی ہے......‘

باپ اس دن جلدی گھر لوٹ آئے تھے۔ شاید، ایک طرح کے احساس جرم سے متاثر، یہ ٹھیک نہیں...... وہ بہت دیر تک اندھیرے کمرے میں اپنی ہی پرچھائیوں سے لڑتے رہے۔ کمرے میں اندھیرا اور سکون ہو تو اچھا خاصا میدان جنگ بن جاتا ہے۔ خود سے لڑتے رہو...... میز انگلیں چھوتی ہیں ــــــ تو چین چلتی ہیں ــــــ اور کبھی کبھی اپنا آپ اتنا لہولہان ہو جاتا ہے کہ...... تنہائیوں سے ڈر لگنے لگتا ہے...... مگر تھکے ہوئے پریشان ذہن کو کبھی کبھی انہیں تنہائیوں پر پیار آتا ہے۔ یہ تنہائیاں قصے ’’جنتی‘‘ بھی ہیں اور قصے سنتی بھی ہیں ــــــ

کمرے میں اتری ہوئی یہ پرچھائیاں دیر تک باپ سے لڑتی رہی تھیں...... پاگل ہو...... تم ایک باپ ہو...... ایک شوہر ہو...... باپ گہری سوچ میں گم تھے۔ جسم کی مانگ کچھ اور تھی شاید۔ مگر نہیں...... شاید یہ جسم کی مانگ نہیں تھی۔ جسم کو تو برسوں پہلے اداس کر دیا تھا انہوں نے □ ــــــ بس ایک کھردری تجویز □ ــــــ جیسے بوڑھے

ہونے کے احساس سے خود کو بچائے رکھنے کی ایک ضروری کارروائی بس ـــــ زندگی نے شاید اداسی کے آگے کا، کوئی خوبصورت سپنا دیکھنا بند کر دیا تھا ـــــ

اور ایک دن جیسے باپ نے زندگی کی دور تک پھیلی گپھا میں اپنے مستقبل کا اختتامیہ پڑھ لیا تھا...... 'بس...... یہی بچے...... انہی میں سمائی زندگی اور...... یہی اختتام ہے...... فل اسٹاپ؟'

وہ اندر تک لرز گئے تھے۔

باپ اس کے بعد بھی کئی دنوں تک لرزتے رہے تھے۔ دراصل باپ کو یہ روٹین لائف والا جانور بننا کچھ زیادہ پسند نہیں تھا۔ مگر شادی کے بعد سے، جیسے روایت کی اس گانٹھ سے بندھے رہ گئے تھے۔ بس یہیں تک۔ پھر بچے ہوئے اور اندر کا وہ رومانی آدمی، زندگی کی ان گنت شاہراہوں کے بیچ کہیں کھو گیا، باپ کو اس کا پتہ بھی نہیں چلا۔

(۲)

باپ کے اس بدلاؤ کا بیٹے کو احساس تھا۔ ہو سکتا ہے، گھر کے دوسرے لوگ بھی باپ کی خاموشی کو الگ الگ طرح سے پڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں، مگر باپ اندر ہی اندر کون سی جنگ لڑ رہے ہیں، یہ بیٹے سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ نفسیات کی کوئی ایسی بہت باریک تہہ بھی نہیں تھی، جسے جاننے یا سمجھنے کے لئے اسے کافی محنت کرنی پڑی ہو۔ باپ کی اندرونی کشمکش کو اس نے ذرا سے تجزیے کے بعد ہی سمجھ لیا تھا......

باپ میں ایک مرد لوٹ رہا ہے؟

شاید باپ جیسی عمر کے سب باپوں کے اندر، اس طرح سوئے ہوئے مرد لوٹ آتے ہوں؟

باقی بات تو وہ نہیں جانتا مگر باپ اس 'مرد' کو لے کر الجھ گئے ہیں ـــــ ذرا سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ تو کیا باپ بغاوت کر سکتے ہیں۔؟

بیٹے کو احساس تو تھا کہ باپ کے اندر کا مرد لوٹ آیا ہے مگر وہ اس بات سے نا آشنا تھا کہ باپ گھر والوں کو اس مردانگی کا احساس کیسے کرائیں گے؟ باپ کو، گھر والوں کو اس مردانگی کا احساس کرانا بھی چاہئے یا نہیں ـــــ ؟

ہو سکتا ہے آپ یہ پوچھیں کہ بیٹے کو اس بات کا پتہ کیسے چلا کہ باپ کے اندر کا 'مرد' لوٹ آیا ہے؟...... تاہم یہ بھی صحیح ہے کہ باپ میں آنے والی اس تبدیلی کو گھر والے طرح طرح کے معنی دے رہے تھے۔ جیسے شاید ماں یہ سوچتی ہو کہ پنکی اب بڑی ہو گئی ہے، اس لئے باپ ذرا سنجیدہ ہو گئے ہیں۔

لیکن بیٹے کو اس منطق سے اتفاق نہیں اور اس کی وجہ بہت صاف ہے۔ باپ کی حیثیت بیٹے کو پتہ ہے ـــــ دس پنکیوں کی شادی بھی باپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، باپ کے پاس کیا نہیں ہے، کار، بنگلہ اور ایک کامیاب آدمی کی شناخت ـــــ لیکن بیٹے کو پتہ ہے اس شناخت کے بیچ، اچانک کسی تنہا گوشے میں کوئی دردار آیا ہے۔

باپ کے اندر آئی ہوئی تبدیلیوں کا احساس بیٹے کو بار بار ہوتا رہا...... جیسے اس دن...... باپ اچانک رومانٹک ہو گئے تھے۔

●●

"تمہیں پتہ ہے، باتھ روم میں یہ کون گا رہا ہے؟" اس نے ماں سے پوچھا تھا، ایک بے حد روایتی قسم کی ماں۔

ماں کے چہرے پر سلوٹیں تھیں۔

"میں نے پاپا کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا، کیوں ماں؟"

ماں کے چہرے پر بل تھے......

’’وہ ٹھیک تو ہیں نا؟‘‘ ماں کے لہجے میں ڈر تھا۔

’’کیوں؟‘‘

’’نہیں کبھی اس طرح گاتے ہوئے......‘‘

بیٹے کو ہنسی آ گئی۔ ’’کمال کرتی ہو تم بھی ماں ـــــ یعنی باپ کو کیسا ہونا چاہئے۔ ہر وقت ایک فکرمند چہرے والا، جلا دُھنا...... غصیلا، آدرش وادی‘‘...... بیٹا مسکراتے ہوئے بولا...... ’’باپ میں بھی تو جذبات ہو سکتے ہیں‘‘ بیٹے نے پروا نہیں کی۔ ماں اس کے آخری جملے پر دکھی ہو گئی تھی...... شاید ماں کو اس کے آخری جملے سے شبہ ہوا تھا ۔پورے بیس سال بعد۔ باپ کے تئیں...... کہیں باپ میں......

ماں نے فوراً ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی تسلی کا سامان کیا تھا...... ’کوئی زور دار رشوت ملی ہوگی۔‘ ماں کو پتہ تھا کہ کسی سرکاری افسر کو بھی اتنا سب کچھ آرام سے نہیں مل جاتا، جتنا کہ اس کے شوہر نے حاصل کیا ہوا تھا۔

باپ اس دن رومانٹک ہو گئے تھے۔ پھر بعد میں کافی سنجیدہ نظر آئے □ــــ جیسے تپتی ہوئی زمین پر بارش کی کچھ بوندیں برس جائیں۔ بیٹا دل ہی دل میں مسکرایا تھا...... ہو نہ ہو یہ مینہ برس جانے کے بعد کا منظر تھا۔ باپ کی زندگی میں کوئی آ گیا ہے۔ پہلے باپ کو اچھا لگا ہوگا اس لئے باپ تھوڑے سے رومانی ہو گئے ہوں گے۔ پھر باپ کو احساس کے آکٹوپس نے جکڑ لیا ہوگا...... بیٹے کو اب باپ کی ساری کارروائیوں میں مزہ آ رہا تھا۔

(۳)

باپ کو یہاں تک، یعنی اس منزل تک پہنچنے میں کافی محنت کرنی پڑی تھی ـــــ جدوجہد کے کافی اوبڑ کھابڑ راستوں سے گزرنا پڑا تھا۔ بیٹے کو پتہ تھا کہ باپ شروع سے ہی رومانی رہا ہے □ــــ جذباتی □ــــ آنکھوں کے سامنے دور تک

پھیلا ہوا چمکتا آسمان ۔ بچپن میں چھوٹی چھوٹی نظمیں بھی لکھی ہوں گی ۔ ان نظموں میں اس وقت رچنے بسنے والے چہرے بھی رہے ہوں گے ۔ تب گھر کے اداس چھپروں پر خاموشی کے کوے بیٹھے ہوتے تھے ۔ باپ کو جلد ہی اس بات کا احساس ہوگیا کہ خوشبوؤں کے درختوں پر رہنے والی رومانی تتلیوں کی تلاش میں اسے ذرا سا پریکٹیکل بننا ہوگا ۔ باپ ہوشیار تھا ۔ اس نے پتھریلے راستے چنے □ —— نظموں کی نرم و نازک دنیا سے الگ کا راستہ ۔ ایک اچھی نوکری اور گھر والوں کی مرضی کی بیوی کے ساتھ زندگی کے جزیرے پر آ گیا ۔ مگر وہ رومانی لہریں کہاں گئیں یا وہ کہیں نہیں تھیں...... یا اس عمر میں سب کے اندر ہوتی ہیں □ —— باپ کی طرح ۔ اور سب ہی انہیں اندر چھوڑ کر بھول جاتے ہیں ۔ روزمرہ کی زندگی میں کبھی کوئی سیلاب نہیں آتا تھا ۔ مگر باپ کی آنکھوں میں سیلاب آچکا تھا، اور وہ بھی اچانک □ —— اور وہ بھی ایسے وقت جب پنکی جوان ہو چکی تھی اور بیٹے کی آنکھوں میں رومانی لہروں کی ہلچل تیز ہوگئی تھی ۔ ٹھیک بیس سال پہلے کے باپ کی طرح ۔ لیکن بیس سال بعد کا یہ وقت اور تھا، باپ والا نہیں ۔

بیٹے کے ساتھ باپ جیسی اداس چھپر کی داستان نہیں تھی ۔ بیٹے کے پاس باپ کا بنگلہ تھا ۔ ایک کار تھی ۔ کار میں ساتھ گھومنے والی یوں تو کئی لڑکیاں تھیں، مگر سمندر کی بہت ساری لہروں میں سے ایک لہر اسے سب سے زیادہ پسند تھی ۔ بیٹے کو سب سے زیادہ گدگداتی تھی...... اور بے شک بیٹا اس کے لئے، اس کے نام پر رومانی شاعری بھی کرسکتا تھا ۔

بیٹے کے سامنے مشاہدہ، منطق اور تسلیوں کے سب دروازے کھلے تھے ۔ بیٹا، انٹرنیٹ، کلون اور کمپیوٹر پر گھنٹوں باتیں کرسکتا تھا، اسے اپنے وقت کی ترقی کا اندازہ تھا ۔ بہت ترقی یافتہ **ملک** کا شہری نہ ہونے کے باوجود، خود کو ترقی یافتہ سمجھنے کی بہت سی مثالیں وہ گھڑ سکتا تھا ۔

ہاں، یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی وہ پھسل بھی جاتا تھا۔ جیسے، اس دن...... اس خشک شام...... کافی شاپ میں بیٹے کی نظر اچانک اس طرف چلی گئی۔ اس طرف ـــــــ

مگر جو وہ دیکھ رہا تھا وہ صدفی صد سچ تھا۔ اس نے دانتوں سے انگلیوں کو دبایا۔ نہیں جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا، وہ قطعی طور پر نظروں کا دھوکہ نہیں تھا □ ـــــــ اس کے ٹیبل کے بائیں طرف والی ٹیبل، ٹیبل پر رینگتا ہوا ایک مردانہ ہاتھ...... کافی کی پیالیوں کے بیچ تھرتھراتا ہوا ایک زنانہ ہاتھ...... سخت کھردری انگلیاں، دھیرے سے ملائم انگلیوں سے ٹکرائیں۔

''چھپکلی!'' بیٹے کے اندر کا ترقی یافتہ آدمی سامنے تھا۔

''کیا؟'' لڑکی اچھل پڑی تھی۔

''نہیں......''

''تم نے ابھی تو کہا......''

''نہیں...... کچھ نہیں بس یہاں سے چلو''

بیٹا سیٹ چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ لڑکی حیران تھی ـــــــ

''کیوں چلوں، ابھی ابھی تو ہم آئے ہیں۔''

لڑکی کی آنکھوں میں شرارت تھی □ ـــــــ ''کوئی اور ہے کیا؟''

اٹھتے اٹھتے، پلٹ کر لڑکی نے اس سمت دیکھ لیا تھا، جہاں......

دونوں باہر آ گئے۔ باہر آ کر لڑکی کے لہجے میں تلخی تھی ـــــــ

''کون تھا وہ؟''

''کوئی نہیں''

''پھر باہر کیوں آ گئے؟''

''بس یوں ہی......''

All rights reserved. ©2002-2006

''یوں ہی نہیں ۔سنو'' ـــــ لڑکی اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی مسکرا رہی تھی......

''کوئی تمہاری جان پہچان کا تھا؟''

وہ چپ رہا......

لڑکی کی آنکھوں میں ایک پل کو کرسی پر بیٹھے اس شخص کا چہرہ گھوم گیا ـــــ

''سنو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا''

''تم ناحق شک کر رہی ہو''

''سنو، وہ تم تو نہیں تھے؟''لڑکی ہنس دی۔

''پاگل!''لڑکے کا بدن تھرتھرایا۔

''اچھا، اب میں جان گئی کہ اس کا چہرہ جانا پہچانا کیوں لگا''لڑکی زور زور سے ہنس پڑی......اور میں نے یہ کیوں کہ کہا کہ......وہ تم تو نہیں تھے''

''پھر......''لڑکے کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک اٹھیں ـــــ

''کیوں کہ وہ تمہارے......تمہارے ڈیڈ تھے، تھے نا؟ اب جھوٹ مت بولو مگر ایک بات سمجھ نہیں سکی ۔تم بھاگ کیوں آئے......؟''

لڑکی حیران تھی......''تمہاری طرح تمہارے ڈیڈ کو، یا ہمارے پیرینٹس کو یہ سب کرنے کا حق کیوں نہیں؟''

بیٹے کو اب دھیرے دھیرے ہوش آنے لگا تھا۔''آؤ کہیں اور بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

(۴)

باپ ان دنوں عجیب حالات سے دو چار تھا۔باپ جانتا تھا کہ ان دنوں جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہو رہا ہے، اس کے پیچھے ایک لڑکی ہے ۔لڑکی جو پنکی کی عمر کی ہے تاہم

باپ جیسا اسٹیٹس (Status) رکھنے والوں کے لئے اس طرح کی باتیں کوئی خبر نہیں بنتی ہیں، مگر باپ کی بات دوسری تھی۔ باپ اس معاشرے سے تھا، جہاں ایک بیوی اور ایک خوشگوار گھریلو زندگی کا ہی سکہ چلتا ہے۔ یعنی جہاں ہر بات کسی نہ کسی سطح پر خاندانی پن سے جڑ جاتی ہے۔ زندگی کے اس الجھے ہوئے پل سے گزرتے ہوئے باپ کو اس بات کا احساس ضرور تھا کہ وہ لڑکی یونہی نہیں چلی آئی تھی۔ دھیرے دھیرے ایک ویکیوم یا خالی پن اس میں ضرور سما گیا تھا جس کی خانہ پری کے لئے کسی چور دروازے سے وہ لڑکی، اس کے اندر داخل ہو کر اس کے ہوش و حواس پر چھا گئی تھی۔ کہیں ایک عمر نکل جانے کے بعد بھی ایک عمر رہ جاتی ہے، جو زندگی کے تپتے ریگستان میں کسی امرت یا کسی ٹھنڈے پانی کے جھرنے کی آرزو رکھتی ہے۔ باپ نے سب کچھ تو حاصل کر لیا تھا، مگر اسے لگتا تھا، سب کچھ پا لینے کے باوجود وہ کسی مشینی انسان یا روبوٹ سے الگ نہیں ہے —— اور یہ زندگی صرف اتنی سی نہیں ہے

۔ وہ ایسے بہت سے لوگوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے خلاف تھا، جن کے پاس جینے کے نام پر کوئی بڑا مقصد نہیں ہوتا۔ یا جو اپنی تمناؤں اور آرزوؤں اور زندگی کے تئیں سبھی طرح کے رومان کو سلا کر اداس ہو جاتے ہیں —— باپ کے نزدیک ایسے لوگوں کو بس یہی کہا جا سکتا تھا۔ ایک ناکام آدمی! لیکن اچانک باپ کو لگنے لگا تھا...... کیا وہ بھی ایک ناکام آدمی ہے؟

دراصل باپ کے اندر 'تبدیلی' لانے میں اس سپنے کا بھی ہاتھ رہا تھا...... کہنا چاہئے وہ ایک بھیانک سپنا تھا اور باپ کے لئے کسی ذہنی حادثے سے کم نہیں۔ کیا ایسے سپنے دوسروں کو بھی آتے ہیں یا آ سکتے ہیں؟ دنیا سے اگر اچھائی برائی، گناہ و ثواب جیسی چیزیں ایک دم سے کھو جائیں تو؟ اس سے زیادہ ذلیل سپنا۔ نہیں، کہنا چاہئے باپ ڈر گیا تھا، وہ ایک عام سپنا تھا —— جیسے سپنے عنفوان شباب میں عام طور پر آتے رہتے ہیں۔ سپنے میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی، بلکہ بہت ہی معمولی سا سپنا

۔ جو بہت سے ماہرین نفسیات جیوی ریڈلس، پیٹر ہاوز اور فرائڈ کے مطابق ۔ نا آسودہ خواہشات والے بوڑھے شخص کے لئے یہ کوئی غیر معمولی حادثہ نہیں □ــــ یعنی سپنے میں کسی سے زنا بالجبر ــــ باپ سے سپنے میں ایسے ہی جرم کا ارتکاب ہوا تھا □ــــ لڑکی خوف زدہ حالت میں پیچھے ہٹتی گئی تھی ۔ باپ پر پاگل پن سوار تھا...... چر...... ر...... سے آواز ہوئی، خوف زدہ لڑکی کا گداز جسم اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ تپتے ریگستان میں جیسے ٹھنڈے پانی کی ایک بوند ۔ بوند...... ٹپ سے گری......

سقراط اور ارسطو سے لے کر سگمنڈ فرائڈ تک، سبھی کا یہ ماننا ہے کہ...... سپنوں میں کہیں نہ کہیں دبی خواہشات اور جنسی افعال رہتے ہیں...... تو کیا جو کچھ سپنے میں ہوا...... وہ......

تو کیا یہ باپ کی کوئی دبی خواہش تھی؟ نا آسودہ خواہشات فقط جنسی ہیجانات ہی ہوتے ہیں، باپ کو پتہ تھا۔

سپنوں کے بارے میں باپ کا کوئی گہرا مطالعہ تو نہیں تھا پھر بھی اپنی دلچسپی کے لحاظ سے باپ ایسی باتوں سے آشنا تھا۔ کلیئروائینٹ، ٹیلی پیتھی، پریکاگنیشن، ریٹروکاگنیشن سے لے کر سپنوں میں ہونے والی جنسی خواہش وغیرہ کے بارے میں اسے مکمل جانکاری تھی، باپ کو لگا، عصمت دری کا مرتکب شخص وہ نہیں، کوئی پریت آتما ہے؟ (ایسی پریت آتماؤں کو پیرانفسیاتی زبان میں انکیوبی اور سکیوبی نام دیئے گئے ہیں ۔ یہ شیطانی روحیں عورت اور مرد میں سوئی روحوں کے ساتھ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتی ہیں...... تو کیا وہ سچ مچ باپ نہیں تھا...... وہ کوئی بدروح تھی؟)

لیکن یہ تسلی کچھ زیادہ جاندار نہیں تھی ۔ اس نے نفسیات اور پیرانفسیات کے سارے چیتھڑے بکھیر دیئے تھے ۔ باپ کے لئے یہ سب کچھ نا قابل برداشت تھا۔ اس لئے کہ سپنے میں جس لڑکی کے ساتھ باپ نے زنا بالجبر کیا تھا، وہ لڑکی چنکی

تھی......

دیر تک باپ کا بدن کسی سوکھے پیڑ کی مانند تیز ہوا سے ہلتا رہا تھا۔ انسان کے ذہنی حرکات وسکنات کو قابو کرنے والے جذبے کا نام ہے LIBIDO ——یہ مرد، عورت کے ملن سے ہی ممکن ہے۔ اپنے من چاہے ساتھی کے ساتھ جنہیں اس خواہش کی تکمیل میسر ہوتی ہے وہ ذہنی اعتبار سے صحت مند ہو جاتے ہیں—— اپنی پسند کی تسکین حاصل نہ ہو تو ذہن میں دبی خواہش ڈراونے خوابوں کو جنم دیتی ہے۔ تو کیا باپ ناآسودہ تھا؟ بہت دنوں تک عورت کے بدن کی شبیہیں جیسے اوکھلی، دوات، کمرا، کنواں وغیرہ اس کے سپنوں میں ابھرتے رہے اور ان سپنوں کا خاتمہ کہاں ہوا تھا......وہ بھی ایک ایسے ''زانی'' کے ساتھ۔ اس نے پوری ننگی عورت کے ساتھ مباشرت کی تھی——

باپ گہرے سناٹے میں تھا۔ ایسے گہرے سناٹے میں، جہاں اس طرح کے تجزیے بھی غیر ضروری معلوم ہونے لگتے ہیں کہ......وہ ابھی تک صحت مند ہے؟ جوانی ابھی اس میں باقی ہے......ابھی تک اس میں پت جھڑ نہیں آیا۔ بیوی کی طرح......وہ کسی ٹھنڈے سوکھے کنویں میں نہیں بدلا۔ جانگھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جسم میں، خون کی تمام لہروں پر اس کی نظر رہتی ہے۔ ایک گرم جسم شاید اس کے جوان بیٹے سے بھی زیادہ گرم، بیوی نے برسوں پہلے جیسے یہاں، سکھ کے اس مرکز پر دیوار اٹھا دی تھی۔ اس کے پاس سب سے زیادہ باتیں تھیں پنکی کے بارے میں، پنکی کے لئے اچھا سا شوہر ڈھونڈنے کے سپنے کے بارے میں شاید بیوی کے پاس مستقبل کے نام پر کچھ اور بھی بوڑھے سپنے رہے ہوں، مگر......

اس دن پنکی شاور سے نکلی تھی، نہا کر۔ شاید باپ کسی ایسے ہی کمزور لمحے میں، وقت سے پہلے اپنی بیٹی کی شادی کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ باپ نے نظر نیچی کر لی تھی پنکی کے جسم

سے میز ائکلیں چھوٹ رہی تھیں ۔اس نے شلوار اور ڈھیلے گلے کا جمپر پہن رکھا تھا۔وہ سر جھکائے تولیے سے بال سکھا رہی تھی ۔پہلی ہی نظر میں اس نے آنکھ جھکالی تھی، آہ! کسی بھی باپ کے لئے ایسے لمحے کتنے خطرناک اور چیلنج سے بھرپور ہوتے ہیں……

تو کیا اس اَن چاہے سپنے کے لئے یہ منظر ذمہ دار تھا، یا…… اس کے اندر دبی خواہش نے اسے ظالم حکمراں میں بدل دیا تھا……

خالی دماغ شیطان کا گھر —— باپ خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنا چاہتا تھا۔ گزرے ہوئے بہت سارے خوبصورت لمحوں یا بچھڑی ہوئی اس رومانی دنیا میں ایک بار پھر اپنی واپسی چاہتا تھا۔اپنی حدوں کو پہچاننے کے باوجود……شاید اسی لئے لڑکی کی طرف سے ملنے والی لگاتار دعوتوں کو ٹھکرانے کے بعد، اس دن، اس نے، اسے پہلی بار منظوری دی تھی……

(۵)

''چلو! کہیں باہر چائے پینے چلتے ہیں۔''

بیٹا کچھ دیر تک خاموش رہا۔

لڑکی کے لئے تجسس کا موضوع دوسرا تھا۔اس نے پوچھا۔''تمہیں پہلی بار کیسا لگا اپنے باپ کو دیکھ کر۔''وہ تھوڑا مسکرائی تھی۔''عشق فرماتے ہوئے دیکھ کر؟''

''باپ ہمیں دیکھ لیتے تو، کیسا لگتا انہیں''۔

لڑکی کو یہ جواب کچھ زیادہ پسند نہیں آیا——

لڑکا کچھ اور سوچ رہا تھا۔''اچھا مان لو، وہ باپ کی گرل فرینڈ نہ ہو۔وہ بس باپ کے دفتر میں کام کرنے والی ایک عورت ہو……''

''عورت نہیں ۔ایک کمسن، جوان اور خوبصورت لڑکی، جیسی میں ہوں''——

لڑکی ہنسی۔''میری عمر کی……؟''

''کیا اس عمر کی لڑکیاں دفتروں میں کام نہیں کرتیں؟''

''کرتی کیوں نہیں۔ باپ جیسے لوگ ان کے ساتھ چائے پینے بھی آتے ہوں گے، مگر وہ...... میرا دعویٰ ہے، جس طرح تمہارے پاپا نے...... اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا، میرا یقین ہے، وہ تمہارے پاپا کی گرل فرینڈ ہی ہوگی۔''

''اچھا بتاؤ، مجھے کیسا لگنا چاہئے تھا؟''

''مجھے نہیں پتہ......''

''اچھا بتاؤ۔ اگر وہ تمہارے پاپا ہوتے تو......؟''

لڑکی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میرے پاپا ممی میں طلاق ہو چکی ہے۔ میں ممی کے ساتھ رہتی ہوں، اس لئے کہ پاپا کی زندگی میں کوئی اور آ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے ساتھ ایسے ہی گھومتے ہوں جیسے......''

''اس حادثے کے بعد تمہارے ممی نے کسی کو نہیں چاہا؟''

''نہیں، لیکن یہ ممی کی غلطی تھی جو یہ سوچتی ہیں کہ جوان ہوتی لڑکی کی موجودگی میں کسی کو چاہنا گناہ ہے۔ کبھی کبھی مجھے ممی پر غصہ آتا ہے۔ صرف میرے لئے ایک پوری زندگی انہیں دیوداسی کی طرح گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے لئے، میرے ساتھ رہنے والی زندگی کا خاتمہ اس طرح ہو جائے، یہ مجھے گوارا نہیں۔''

''مان لو اگر تمہاری ممی کا کوئی رومانس شروع ہو جاتا تو......؟''

''ایک سدیش انکل تھے...... ممی کا خیال رکھتے تھے مگر ممی نے سخت لفظوں میں انہیں آنے سے منع کر دیا......''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ ممی کے اندر، تمہاری طرح ایک جوان عورت بھی ہوگی؟''

''مجھے یقین ہے کہ ممی سدیش انکل کو بھولی نہیں ہوں گی اور یہ کہ...... ان کے اندر کوئی نہ کوئی بھوک ضرور دبی ہوگی۔ میں جانتی ہوں، ممی اس بھوک کو لئے ہوئے ہی مر جائیں گی۔''

بیٹے کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار تھے۔ تو کیا باپ بھی اسی طرح برسوں سے اپنی بھوک دبائے ہوئے ہوں گے؟

''تمہاری ممی کیسی ہیں؟''

''ہمارے لئے بہت اچھی۔ ہاں! پاپا کے لئے نہیں..... لگتا ہے۔ ممی اس عمر میں صرف ہمارے لئے رہ گئی ہیں۔ وہ پاپا کے لئے نہیں ہیں۔''

لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''پاپا کی زندگی میں 'کئی' آ جائیں تو بھیانک بات نہیں۔ ایسے بہت سے مرد ہمارے سماج میں ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ بہت سی گھر والیاں بھی یہ سب جانتے ہوئے چپ رہ جاتی ہیں۔ اس سے گھر نہیں ٹوٹتا۔ باپ کی زندگی میں کوئی دوسرا آ جائے، تب خطرے کی بات ہے۔ اس دوسرے کے آنے سے گھر ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ جیسا، میرے باپ کے ساتھ ہوا.....''

''پتہ نہیں، باپ کیا کریں گے.....'' لڑکے کو فکر تھی۔ ''لیکن ایک بات کہوں یہ دہرے پن کا زمانہ ہے، دہرے پن کا۔''

لڑکی ہنسی —— سیدھی سچی بات کہوں تو ''دوغلا بن کر ہی جی سکتے ہو تم۔ آرام سے —— زندگی میں بیلنس کے لئے دوہرے پن کا کردار ضروری ہے یعنی آپ ایک وقت میں دو جگہ ہو سکتے ہیں۔ الگ الگ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے۔ سیدھے سیدھے کہوں تو، اگر آپ بیوی ہیں تو آپ کو بھولنا ہوگا کہ گھر سے باہر آپ کا شوہر کیا کرتا ہے اور اگر شوہر ہیں تو بھول جائیے کہ باقی وقت آپ کی بیوی کیا کرتی ہے۔ اس مارکیٹنگ ایج میں اگر آپ اخلاقی اقدار یا روایات کی بات کریں گے تو خسارہ آپ کا ہی ہوگا۔''

لڑکا بولا۔ ''شاید اتنا کچھ قبول کرنا سب کے لئے آسان نہ ہو.....''

''تمہارے باپ کی زندگی میں ایک لڑکی آ چکی ہے، یہ قبول کرتے ہوئے تمہیں کیسا لگے گا؟''

لڑکے نے بہت سوچنے کے بعد کہا—— ''ابھی اس میز پر بیٹھ کر میں اس کا جواب صحیح طور پر نہیں دے پاؤں گا۔''

○○

باپ کے لئے یہ ایک غیر متوقع سمجھوتہ تھا۔ یعنی اس سپنے سے اس لڑکی تک کا سفر۔ لڑکی کا ساتھ پاکر جیسے اس کا پورا جسم گنگنا اٹھا تھا۔ نہیں، اس سے بھی زیادہ۔ باپ کا جسم جیسے اچانک وائلن میں بدل گیا ہو اور وائلن کے تار جھنجھنا کر مستی بھری دھنیں پیدا کر رہے ہوں۔

لڑکی کم عمر تھی، باپ نے پوچھا——

''تم نے اپنی عمر دیکھی ہے؟''

''ہاں۔'' لڑکی ڈھٹائی سے مسکرائی۔ ''اور تم نے؟''

''ہاں''

''تمہاری جیسی عمر کو میری ہی عمر کی ضرورت ہے''

''اور تمہاری عمر کو......؟'' باپ اس فلسفے پر حیران تھا۔

لڑکی مدہوش تھی۔ ''نئے لڑکے ناتجربہ کار ہوتے ہیں——مورتی کی تراش خراش سے واقف نہیں ہوتے۔ اس عمر کو ایک تجربہ کار مرد کو ہی سوچنا چاہئے۔ جیسے تم۔'' لڑکی ہنسی تھی۔

گھر آکر بھی باپ کو لڑکی کی ہنسی یاد رہی۔ اس دن لڑکی کے صرف ہاتھوں کے لمس اور خوشبو نے، گھر میں طرح طرح سے اس کی موجودگی درج کرا دی تھی۔ جیسے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھاتے ہوئے دفعتاً غیر شعوری طور پر اس کے ہاتھ 'طبلہ' بن گئے تھے۔ جیسے باتھ روم میں وہ یونہی گنگنانے لگا تھا۔ جیسے...... اور بھی بہت کچھ ہوا تھا۔

مگر شاید اب وہ یاد کرنے کی حالت میں نہیں تھا...... کیونکہ اب اس لمس یا خوشبو سے گزرتے ہوئے وہ ساری رات اپنی 'اگنی پریکشا' دینے پر مجبور تھا۔ پتہ نہیں، بیوی کو اس بدلاؤ پر حیران ہونا چاہیے تھا یا نہیں؟ مگر بیوی ڈر چکی تھی یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا شوہر کسی سخت ذہنی الجھن میں گرفتار ہے۔ وہ اپنے باپ کے گھر کی روایت کو نبھانے یا بیوی کا دھرم نبھانے پر مجبور تھی ـــــ اور وہ بار بار شوہر کے آگے پیچھے گھوم کر کچھ ایسی مضحکہ خیز صورت حال پیدا کر رہی تھی جیسے کسی چھوٹے بچے پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہو اور ماں اپنی مکمل ممتا بچے پر انڈیل دینا چاہتی ہو۔ شوہر کے بدلاؤ پر اس کا ذہن کہیں اور جانے کی حالت میں نہیں تھا۔

''پنکی کے لئے پریشان ہو؟''

باپ کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئیں۔ ابھی ابھی تو وہ یک ڈراؤنے سپنے کے سفر سے واپس لوٹا تھا۔

''مت سوچو زیادہ''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں''

''قرض چڑھ گیا ہے؟''

''نہیں''

''نوکری پر...... کوئی......''

''کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' باپ کا لہجہ ذرا سا اکھڑا ہوا تھا۔

''لاؤ سر میں تیل ڈال دوں۔''

باپ نے گھور کر دیکھا۔ بیوی کے چہرے کی جھریاں کچھ زیادہ ہی پھیل گئی تھیں۔ سر پر تیل بھی چپڑا ہوا تھا۔ تیل ڈالنے سے سر کے بال اور بھی چپک گئے تھے ـــــ

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں ہے، اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

دوسرے دن بھی ماں پریشان رہی۔

بیٹے نے ماں کو دیکھ کر چٹکی لی...... ''تم نے کچھ محسوس کیا؟''

''نہیں۔''

''تم محسوس کر بھی نہیں سکتی ہو!''

''کیوں؟'' ماں کے لہجے میں حیرانی تھی۔

''کیونکہ تمہارے مقابلے میں، باپ ابھی تک جوان ہے۔''

ماں کو خوفزدہ چھوڑ کر بیٹا آگے بڑھ گیا......

اسی دن شام کے وقت بیٹے نے اپنی محبوبہ سے کہا۔

''سب کچھ خیال کے مطابق ہی چل رہا ہے''

''کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟''

''کہہ نہیں سکتا، مگر لگتا ہے، کشش کے لئے ہر عمر ایک جیسی ہے......''

''یا ہر عمر کی کشش ایک جیسی ہوتی ہے''

''شاید...... مگر شاید میں اتنے تذبذب میں نہ ہوتا باپ کی عمر میں پہنچ کر''

''ہر عمر ایک جیسی ہوتی ہے۔ حادثات اپنا چہرہ بدلتے رہتے ہیں'' بدلتے صرف حادثات ہیں لڑکی بولی۔ ''خیر اس دن میں نے تم سے پوچھا تھا...... تمہارے باپ کی زندگی میں ایک لڑکی آچکی ہے یہ قبول کرتے ہوئے تمہیں کیسا لگے گا؟''

''ابھی تک کچھ سوچ پانے کی حالت میں نہیں ہوں''

لڑکی پھر ڈھٹائی سے ہنس دی...... ''اور شاید آگے بھی نہ ہو اس لئے کہ باپ پر غور فکر کرتے ہوئے تم صرف باپ پر غور نہیں کر رہے ہو بلکہ باپ کے ساتھ اپنے، پنکی، ماں اور صورت حال پر بھی غور کر رہے ہو۔ ان سب کو ہٹا کر صرف باپ کے بارے میں سوچو۔''

''لیکن ایسا کیسے ممکن ہے......؟''

لڑکی نے پتہ نہیں کس سوچ کے تحت کہا۔ ''اسے ممکن بناؤ ورنہ ایک بار پھر یہ دنیا جڑنے کے بجائے ٹوٹ جائے گی۔''

(۶)

باپ کو کوئی فیصلہ نہیں لینا تھا۔ بلکہ اندر بیٹھے بوجھل آدمی کو ذرا سا خوش کرنا تھا۔ کسی کا ذرا سا ساتھ اور بدلے میں بہت سی خوشیاں یا بے رنگ کاغذ پر نقاشی کرنی تھی۔ ایک کامیاب آدمی کے اندر چھپے ناکام اور ڈرپوک آدمی کو ٹھنڈے اور خوشگوار ہوا کے جھونکے کی تلاش تھی اور یہ کوئی ایسی بے ایمانی بھی نہیں تھی۔ اس میں کوئی مکروفریب بھی نہیں تھا۔ ریگستان کی تپتی زمین پر جیسے کسی امرت بوند کی تلاش۔ شاید اسی نا آسودہ جنسی خواہش نے اس اذیت ناک سپنے کو جنم دیا تھا۔ باپ اس نئی رفاقت کو کامیابی کی کنجی بھی مان سکتا تھا کہ تسکین میں ہی کامیابی چھپی ہے۔ تسکین ذہنی طور پر اسے غیر صحتمند نہیں رہنے دیتی۔ وہ آرام سے پنکی کی شادی کرتا۔ بیوی سے دو چار اچھی بری باتیں، بیٹے کے ساتھ تھوڑا ہنسی مذاق اور زندگی آرام سے گزرنے والی سیڑھیاں پہچان لیتی۔

مگر باپ کی آزمائش بھی یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ وہ بھیانک اذیت سے گزر رہا تھا۔ صرف ایک لمس یا خوشبو سے وہ خود اپنی نظروں سے کتنی بار ننگا ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اس کی عمر، کی تفصیل اس کے اصول، اس کا خاندانی پن۔ باپ کئی راتیں نہیں سویا، اس کے بعد باپ کئی دنوں تک اس لڑکی سے نہیں ملا۔

ظاہر ہے، آزمائش میں باپ ہار گیا تھا۔ مکمل شکست، باپ کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔ باپ کو پھر سے گھر والوں کی نظر میں پہلے جیسا بننا تھا۔ باپ کو اس 'غیر انسانی زاویے، سے باہر نکلنا تھا۔

اور باپ دھیرے دھیرے باہر نکلنے بھی لگا تھا اور کہنا چاہئے......

(۷)

''باپ نارمل ہو چکا ہے۔''

بیٹے نے اس کہانی کا کلائمکس لکھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''لڑکی چونک گئی تھی۔

''ہاں، اس میں توازن لوٹ آیا ہے۔وہ برابر برابر ہنستا ہے یعنی جتنا ہنسنا چاہئے، وہ برابر برابر.....یعنی اتنا ہی مسکراتا ہے، جتنا مسکرانا چاہئے اور کبھی کبھی، کسی ضروری بات پر اتنا ہی سنجیدہ ہو جاتا ہے، جتنا......''

''یعنی وہ لڑکی اس کی زندگی سے دور جا چکی ہے؟''

''یا اسے باپ نے دور کر دیا؟''

لڑکی کی آنکھوں میں جیسے گھنگور اندھیرا چھا گیا ہو۔وہ ایک لمحے کے لئے کانپ گئی تھی۔شاید ایک قطرہ آنسو اس کی آنکھوں میں لرزاں تھا ــــــ

''کیا ہوا تمہیں؟''

''کچھ نہیں۔ماں کا خیال آ گیا''

''اچانک۔مگر کیوں......؟''

لڑکی نے موضوع بدل دیا۔''اب سوچتی ہوں میری ماں مکمل کیوں نہیں ہو سکی۔ میری ماں بدنصیب ہے۔''

OOO

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

دادا اور پوتا

(اپنے پانچ سالہ بیٹے عکاشہ کے لئے جس کی خوبصورت اور خطرناک شرارتوں سے اس کہانی کا جنم ہوا)

(۱)

کچھ دنوں سے بڈھے اور پوتے میں جنگ چل رہی تھی۔ بڈھا چلاتا رہتا تھا اور پوتا اس کی ہر بات نظر انداز کر جاتا تھا......

'سنو، میرے پاس وقت ہیں۔'

'کیوں وقت نہیں ہے؟'

'بس کہہ دیا نا، وقت نہیں ہے۔'

'ایک ہمارا بھی زمانہ تھا......'

بڈھا کہتا کہتا ٹھہر جاتا۔ بھلا جوان پوتے کے پاس اتنا سب کچھ سننے کے لئے وقت ہی کہاں تھا۔ بڈھا اس وقت پیدا ہوا تھا جب لوگوں کے پاس وقت ہی وقت تھا اور پوتے نے اس وقت آنکھیں کھولی تھیں جب دنیا تیزی سے بدلنے لگی تھی......

○○

بڈھے کو پوتے پر رشک آتا تھا اور بیٹے سے اسی قدر اکتاہٹ محسوس ہوتی تھی...... اس کی امید کے برخلاف بیٹا ذرا سا بھی موقع پاتے ہی اس کے آگے پیچھے گھومتا ہوا فرمانبرداری ثابت کرنے میں جٹ جاتا......

'ابا، آپ کو چائے ملی؟'

'مل گئی......'

'کھانا ہو گیا'

'ہاں'

'کچھ چاہئے تو نہیں آپ کو؟'

'نہیں'

'طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟'

'میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ، اپنا کام کرو۔'

OO

بڈھے کو بیٹے کی بات سے کوفت محسوس ہوتی۔ اسے لگتا، بیٹا درمیان کی اڑان میں کہیں پھنسا رہ گیا ہے ـــــ اور پوتا، اس کی اڑان کا تو نہ کوئی اُور ہے نہ چھور ـــــ بیٹا ایک محدود زمین میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہے۔ پوتے کے سامنے ایک کھلا آسمان ہے...... بیٹا، اپنی، اس کی (یعنی بڈھے کی) نسل اور ان دو نسلوں کی اخلاقیات کے بیچ کہیں الجھ کر رہ گیا ہے...... اور پوتا، اس کی نظروں میں ایسا شاطر پرندہ، جو ایسی تمام بندشوں کے پر کترنا جانتا ہو۔ بڈھے کو بیٹے پر رحم آتا تھا اور پوتے کے لئے اس کے اندر ایک خاص طرح کا جذبہ رقابت تھا، جو اب جوش مارنے لگا تھا۔

OO

بڈھے کو احساس تھا، وہ غلط وقت میں پیدا ہوا ہے۔ تب کتنی معمولی معمولی چیزیں اس کے لئے خوشی بن جایا کرتی تھیں۔ وہ ایک مدت تک دھوپ، ہوا، آنگن اور آنگن کے پیڑ کو ہی دنیا سمجھتا آیا تھا۔ باہر کی سب چیزیں ایک لمبی مدت تک، یعنی اس کے کافی بڑا ہو جانے کے بعد تک جادوگر کا بند ڈبہ ہی رہیں۔ یعنی جس کے بارے میں وہ سوچ سکتا تھا۔ خوش ہو سکتا تھا، چونک سکتا تھا اور مچل سکتا تھا ـــــ اماں، ابا، بھائی بہنوں کی فوج، اس کی کل کائنات بس اتنی تھی...... اور کیا چاہئے......

بڈھا اسی دنیا میں گم رہا کہ اس وقت کے سارے بچے اسی دنیا میں گم تھے...... وہ اسی کائنات میں غوطہ کھاتا رہا کہ اس وقت کے سارے بچے......

دھوپ، ہوا، آنگن اور پیڑ...... ایک دن گھر کی دیوار اونچی اٹھ گئی ـــــ دھوپ رخصت ہو گئی ـــــ ہوا کا آنا بند ہو گیا۔ آنگن پاٹ دیا گیا اور پیڑ کاٹ ڈالا گیا ـــــ

بڈھے نے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اب وہاں ایک پختہ کار مرد تھا اور دنیا دھیرے دھیرے بدلنے لگی تھی......

لیکن شاید نہیں۔ یہ بڈھے کا وہم تھا۔ دنیا اسی طرح اپنے محور پر ٹکی ہوئی تھی، جیسے پہلے تھی...... جیسے بڈھے کے باپ کے وقت میں تھی۔

○○

تو بڈھا 'ان' بہت سارے لوگوں میں سے ایک تھا جو بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں پر خوش ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر اس نے یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ورثہ میں اپنے بیٹے کے حوالے کر دیں۔ بیٹے کے زمانے میں وقت صرف اس قدر بدلا تھا کہ زمین زیادہ پتھریلی ہو گئی تھی۔ بڈھے باپ کی طرح اسے سب کچھ آسانی سے نہیں مل گیا تھا...... اسے باپ سے زیادہ مشقت کرنی پڑی۔ کچھ زیادہ جدوجہد کرنی پڑی...... تب اس کے چھوٹے سے شہر میں تھوڑی تھوڑی تبدیلیاں آنے لگی تھیں...... خاندان کے بڑھنے پر بٹوارہ اور گھر کا چھوٹا ہونا لازمی تھی۔ یہی وہ چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جسے بڈھا ـــــ دنیا کے ایک دم بدل جانے کے طور پر دیکھ رہا تھا۔

لیکن دراصل دنیا تب بدلی تھی جب......

○○

بیٹا اپنی آدھی زندگی کی ناؤ کھے چکا تھا۔ بڈھا اب اکیلا تھا۔ بیوی گزر چکی تھی۔ بیٹے کو مشقت اور جدوجہد کے بدلے میں ایک اچھی زندگی ملی تھی ـــــ مگر نیا شہر ملا

تھا۔ نئے شہر میں کالونیاں تھیں۔ ان میں کہیں ایک گھر بیٹے کا بھی تھا۔

اس گھر میں آنگن نہیں تھا——

اس گھر میں پیڑ نہیں تھے——

اس گھر میں دھوپ کم کم آتی تھی۔ ہوا کا گزرنا بھی کم کم ہوتا تھا——

پوتے نے اسی گھر میں آنکھ کھولی تھی......آنگن، پیڑ، ہوا، دھوپ نہ ہوتے ہوئے بھی پوتے نے زبردست ہاتھ پاؤں نکالے تھے۔

پوتے کا ہر دن ایسا تھا جو اس کے بیٹے کی زندگی میں نہیں آیا تھا۔

جو بڈھے کی زندگی میں نہیں آیا تھا......

پوتا بلا خطر کچھ بھی کرسکتا تھا......اور شاید اسی لئے، اسے دیکھتا، پڑھتا ہوا بڈھے قدم قدم پر اس سے کڑھتا رہتا تھا......

(۲)

اور حقیقت ہے، پوتے نے جب آنکھیں کھولیں، اس وقت دنیا بے حد تیزی سے بدلنے لگی تھی۔

پوتے نے بے حد چھوٹی نازک عمر میں ہی اپنے پر نکال لئے۔ ایک دن پڑھتے پڑھتے وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

'کہاں جارہے ہو؟ بڈھے نے پوچھا۔

'کھیلنے جارہا ہوں'

بڈھے نے بیٹے سے کہا......'اسے روکو......وہ کھیلنے جارہا ہے......'

بیٹے نے آنکھیں پھیرتے ہوئے کہا——''وہ نہیں مانے گا......وہ اپنی مرضی کا مالک ہے آپ دیکھتے نہیں......''

'ہاں، میں سب دیکھ رہا ہوں'

بڈھے نے گہرا سانس بھر کر کھلے دروازے کو دیکھا۔ پوتا نظر سے اوجھل ہو چکا تھا

۔

○○

بے حد ننھی، کچی سی عمر میں اور اس کالونی میں یہ پوتے کا پہلا دن تھا۔ جب نرسری میں پڑھتے ہوئے اس نے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا...... اس دن بڈھا دیر تک سوچتا رہا —— بچپن میں ایسی آزادی اس کے حصے میں کیوں نہیں آئی؟'

وہ پہلا دن تھا، جب بڈھے نے پوتے سے جلن محسوس کی تھی۔

○○

پوتا تھوڑی دیر بعد کھیل کر واپس آیا، تو بڈھا دروازے پر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

اس کی متجسس آنکھوں میں سوالات تھے ——

'تمہارے پاس کیا ہے جو میرے پاس نہیں ہے'

'ہٹو، جانے دو'

'نہیں، پہلے بتاؤ...... تمہارے پاس کیا ہے جو میرے پاس......'

پوتے نے پھر دہرایا...... نہیں جانے دو گے؟'

'نہیں......'

'ٹھینگا'

پوتا مست ہوا کے جھونکوں کی طرح دوبارہ بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ بڈھا دیکھتا رہ گیا...... شاید فرار کے اتنے راستے، بغاوت کا یہ مادہ، جو پوتے میں تھا، بڈھے میں نہیں آیا تھا...... وہ دیر تک دو قدم آگے بڑھ کر پوتے کو سیڑھیوں سے نیچے اتر کر دوڑ

کر،سرپٹ بھاگتے ہوئے دیکھتا رہا——

یہ سلسلہ دراز ہوتا رہا......

انحراف، احتجاج اور بغاوت کی کشادہ سڑک پر پوتے کے قدم بھاگتے رہے۔

بڈھا خود سے دریافت کرنے میں مصروف رہا۔

'اس میں ایسا کیا ہے، جو میرے پاس نہیں ہے'

اور کہنا چاہئے، بار بار اٹھنے والے اسی ایک سوال نے اسے پوتے کے بہت قریب کر دیا تھا...... اور پوتا بھی اسی دشمنی، رقابت کے پردے میں بڈھے کو 'کچھ' بھی بتاتے یا پوچھتے ہوئے گھبراتا یا شرماتا نہیں تھا...... مثلاً جیسے پوتا پوچھتا......

'تم اپنے وقت میں ایسے نہیں تھے؟'

'نہیں۔'

'پھر تم کرتے کیا تھے؟'

'ہم چپ رہتے تھے۔ بڑوں کے سامنے بولنا منع تھا۔'

اور......؟'

'پیدا ہوتے ہی ہمیں ایک ٹائم واچ دے دی جاتی تھی۔ اس وقت اٹھنا ہے، فلاں وقت میں یہ کام انجام دینا ہے......'

'اور لڑکی......؟'

پوتا ہنستا ہے۔

بڈھا آنکھیں تریرتا ہے...... ''ہمیں چھت پر بھی جانا منع تھا۔ تمہارا باپ بھی چھت پر نہیں جا سکتا تھا۔ لڑکی کا نام لینا تو بہت دور کی چیز ہے۔''

'تم لوگ گھامڑ تھے——' اس بار پوتے کو غصہ آتا ہے۔

○○

دادا جوابی کارروائی کے طور پر، گفتگو کے ہر نئے موڑ پر بیٹے کے ساتھ شیئر

کرتا ——

'—— وہ اڑ رہا ہے۔'

'یہ عمراس کے اڑنے کی ہی ہے —— 'بیٹا اپنے کام میں مصروف رہتا۔

'—— وہ ہنس رہا ہے۔'

'وہ ہنس سکتا ہے...... یہ عمر ہی......'

'—— نہیں، وہ ایسے نہیں ہنس رہا ہے جیسے ہم لوگ......'

بڈھا کہتے کہتے غصہ ہوتا ہے...... 'وہ اڑ رہا ہے...... وہ بڑا ہو رہا ہے...... وہ پھسل رہا ہے......'

بیٹا ہر بار اپنی مصروفیت میں آنکھیں جھکائے، ویسے ہی جواب دیتا ——

'وہ ایسا کر سکتا ہے......'

ظاہر ہے، ایسے موقع پر بڈھے کو اپنے غصے کو چھپانا، ناممکن ہو جاتا...... اور جیسے ایسے ہر موقع پر غصہ ور بڈھا خود سے دریافت کیا کرتا۔

'آخر اس میں ایسا کیا ہے، جو اس کے پاس نہیں تھا۔'

(۳)

بڈھے کے دیکھتے ہی دیکھتے پوتے میں جوانی کے پر نکل آئے۔ تیزی سے بدلتی فاسٹ فوڈ (Fast food) کی اس دنیا میں اب وہ ایک آزاد مرد جوان کی حیثیت سے تھا اور یہ سب، کہ اس میں کیسے کیسے اور کتنے پر نکلے، یا یہ کہ خالی وقت میں وہ کیا کیا کرتا رہا ہے، ان مہملات کے لئے بیٹے کے پاس وقت نہیں تھا۔ مگر بڈھے کی گدھ نگاہیں ہر دم اس کے آگے پیچھے گھومتی رہتی تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ صرف گھومتی ہی نہیں رہتی تھی بلکہ قدم قدم پر چونکتی اور پریشان بھی ہوتی رہتی تھیں......

مثلاً یہ کہ وہ...... بہت زیادہ دوڑ رہا ہے، اڑ رہا ہے ــــــ

مثلاً یہ کہ وہ ...... نئے پن کی تلاش میں، خواہ وہ نیا پن کیسا بھی ہو، بلا خوف، بے جھجک 'جنون' میں مبتلا ہو رہا ہے ــــــ

مثلاً یہ ...... کہ اب اسے دیکھ پانا، ہاں دیکھ پانا روز بروز ایک مشکل امر ہوا جا رہا ہے۔

بڈھا ہمت جٹا کر اپنے مصروف بیٹے کے پاس آتا ــــــ

'ــــــ اس نے اول جلول کپڑے، پہنے ہیں......'

'اس کے دوست بھی پہنتے ہوں گے' ...... بیٹے کی نگاہیں اپنے کام میں مصروف ہوتیں۔

'ــــــ اس کے کانوں میں چھلے ہیں......'

'نیا فیشن ہوگا......'

'ــــــ وہ راتوں کو دیر سے آتا ہے......'

'کلب اور دوستوں میں دیر ہو جاتی ہوگی'

'ــــــ وہ......'

بیٹے کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔ لیکن ویر یورائی چیوڈ (Wear your attitude) والا لہجہ بڈھے کو ہضم نہیں ہوتا تھا اور پوتے کے We are like this only یعنی ہم تو ایسے ہی ہیں، جیسے ریمارک پر اس کا تنک چڑھا پن اور بھی بڑھ جاتا تھا ــــــ

○○

پوتا جوشیلا تھا، تیز طرار تھا۔ نگاہیں ملا کر بات کرتا تھا۔ وہ ہر لمحہ خود کو نئے Attitude میں ڈھال رہا تھا۔ رنگ برنگے بال، کانوں میں چھلے، پھٹی ہوئی

جینس ـــــ کبھی کبھی تیز تیز آواز میں گانے لگتا۔ بڈھے کی ہر بات کا پوتے کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

'ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔'

'ـــــ چاہے تم جتنی بھی تیز آواز میں ناچو، گاؤ۔'

'ہاں'

'ـــــ کسی کی موجودگی کا خیال بھی نہ کرو۔'

'ہاں......'

'ـــــ کسی کے دکھ، پریشانی کا۔'

'ہاں......ہم صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں ـــــ اس لئے کہ we are like this only......'

'ـــــ ہم اپنے زمانے میں......، بڈھے کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

'تم لوگ آخر اتنے دبو کیوں تھے۔ اس لئے کہ تم لوگ ڈرڈر کر جی رہے تھے......'

یہ ایک بھیانک حقیقت تھی۔ یا یہ ایک ایسا کنفیشن تھا جسے کرتے ہوئے بوڑھے نے ہمیشہ ہی خوف محسوس کیا تھا......بڈھے کو اپنا زمانہ معلوم تھا۔ بڈھے کی غلطی یہ تھی کہ اس کے بیٹے کو بھی یہی زمانہ وارثت میں ملا ـــــ بڈھا اپنے زمانے میں کسی لڑکی سے بات کرتے ہوئے بھی گھبراتا تھا ـــــ فرق اتنا تھا کہ بیٹے کی زندگی میں ایک لڑکی آئی تھی......لیکن ایک خاموش رومانی کہانی شروع ہونے سے پہلے ہی بھیانک طوفان میں بکھر گئی......بڈھے کو سب کچھ یاد تھا......وہ پاگلوں کی طرح اپنی خاندانی عزت کو بچانے کے لئے ساری ساری رات کمرے میں ٹہلتا رہا تھا......ایسا تو اس کی سات پشتوں میں سے کسی نے نہیں کیا......صبح کا دھندلکا ہونے سے پہلے ہی بیٹے کو

نیند سے جگا کر اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا......

'ایسا کرنا میرے لئے ممکن نہیں ــــــ تم چاہو تو بغاوت کر سکتے ہو؟'

بیٹے کا چہرہ ایک لمحے کو کانپا۔ پھر جھک گیا۔

بڈھے کو یقین سا ہے، کہ اس موقع پر بغاوت کے خاتمے کے اعلان پر اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکان ضرور نمودار ہوئی تھی۔ پھر بیٹے نے وہی کچھ کیا جو کچھ اس بڈھے نے چاہا...... یا جیسا کہ اس کے پہلے والی نسل کے لوگ کرتے آئے تھے......

(۴)

لیکن پوتا، اپنی اس دنیا سے کتنا خوش تھا، یہ وہی بتا سکتا تھا۔ وہ ایک ایسے کامیاب آدمی کا بیٹا تھا جن کے پاس بیکار کی باتوں کے لئے وقت نہیں رہتا۔ پوتے کے پاس اپنی ایک اسپورٹس کار تھی جس میں وہ اپنی دوست لڑکیوں کے ساتھ سیر سپاٹا کر سکتا تھا۔ ایک پلاسٹک کارڈ یا کریڈٹ کارڈ تھا۔ ایک موبائل، جس میں زیادہ تر اس کی دوست لڑکیوں کے فون آیا کرتے تھے۔ وہ الٹی بیس بال ٹوپی پہنتا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی باکسر شرٹس اس کی پہلی پسند تھی۔ وہ فاسٹ فوڈ کا شیدائی تھا اور ریڈی میڈ رومانس میں ہی اس کی دلچسپی تھی۔ یعنی کچھ دن ہنسے، بولے پھر کپڑے بدل دیئے۔ جس دن پوتے نے پہلی بار اپنے ننگے بدن پر ''گودنے'' گدوائے تھے، اس دن بڈھا بری طرح اچھلا تھا۔

'ــــــ یہ سب کیا ہے؟'

'آپ دیکھتے نہیں، یہ سانپ ہے...... یہ مچھلی ہے...... یہ سیڑھیاں ہیں......'

''ــــــ لیکن یہ سب کیوں ہے؟'

'کیوں کہ ہمیں یہی اچھا لگتا ہے۔'

'—— لیکن اس کے بعد......'

'سوچا نہیں ہے۔'

○○

بڈھا ایک بار پھر اپنے مصروف بیٹے کے پاس تھا......

'—— اسے روکو......'

بیٹا خاموش رہا......

'—— اسے سمجھنے کی کوشش کرو'

'بیٹے نے اس بار بھی اپنی نظریں جھکائے رکھیں......'

بڈھے کے چہرے پر تناؤ تھا......

'میں تمہارا باپ ہوں۔ تم سے ایک نسل بڑا...... پھر مت کہنا کہ مجھے خبر نہ ہوئی...... اس نے آزادی چاہی۔ اسے آزادی ملی...... وہ آزادی جو مجھے اور تمہیں نہیں ملی تھی۔ تم اسے روکتے، وہ تب بھی نہیں رکتا۔ تم اسے بندشوں میں جکڑنے کی کوشش کرتے، تو وہ یہ زنجیریں توڑ دیتا۔ کیونکہ وہ بہر صورت تمہاری طرح بزدل نہیں ہے۔ ایک معمولی محبت کے لئے بھی بغاوت نہیں کرنے والا...... سن رہے ہو، نا۔'

بات ویسے ہی سر جھکائے فائلوں میں مصروف رہا......

بڈھے نے کہنا جاری رکھا۔ 'اس نے سب سے پہلے اپنی حدیں توڑیں۔ سمجھ رہے ہونا، حدیں...... وہ گھر سے باہر رہا۔ ساری ساری راتیں باہر...... شراب، جوئے اور لڑکیوں میں...... لیکن یہ سب وہ باتیں تھیں جو بہت آوٹ ڈیٹیڈ تھیں...... یعنی جن کے بارے میں زیادہ باتیں کرنا تمہارے جیسے لوگوں کے لئے تضیع اوقات ہے۔ اس نے اپنی اڑان جاری رکھی...... بال منڈوائے، گودنے گدوائے، الٹی ٹوپی پہنی اور زمانے بھر سے الٹا ہوگیا...... تم سمجھ رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں......'

بیٹا ویسے ہی مصروف رہا، جیسے بڈھے کی باتیں اس کے سمجھ میں نہیں آ رہی ہو ——

''میں نے سمجھا ہے انہیں ۔ تم سے زیادہ ۔ اس لئے کہ پل پل میں تم سے زیادہ ان کے قریب رہا ہوں ۔ سنو...... غور سے سنو...... یہ بہت تیز طرار ہیں ۔ غضب کے اڑان والے —— انہیں زندگی اور وقت پر بھروسہ نہیں ہے ۔ یہ سب کچھ وقت سے پہلے کر لینا چاہتے ہیں —— ہم اور تم تھوڑا تھوڑا کر کے سفر آگے بڑھاتے تھے ۔ اس لئے عمر کا ایک بڑا حصہ ڈھل جانے کے بعد بھی ہمارے پاس بہت وقت رہ جاتا تھا ۔ مگران کے پاس ۔''

بڈھے کا لہجہ ڈراونا تھا...... 'جب یہ سب کچھ کر لیں گے تو؟ یعنی اس چھوٹی سے عمر میں ہی —— تو باقی عمر کا کیا کریں گے یہ......؟ بڈھا کھانس رہا تھا...... غم اسی بات کا ہے کہ یہ باقی عمر کی پرواہ نہیں کریں گے ۔ مت سنو تم...... جہنم میں جاؤ......'

○○

پوتے کے اندر آنے والی یہ وہ تبدیلیاں تھیں، جس کے بعد بڈھے نے خود سے سوال کرنا چھوڑ دیا...... کہ آخر اس میں (پوتے) ایسا کیا ہے جو اس کے پاس نہیں ہے ۔ بڈھا کے پاس اپنے پوتے کی ذہنی سطح کے لئے بس ایک ہی جملہ تھا —— یعنی ہیجان کی آخری سطح......!

اس کے بعد......؟

بڈھے کو سوچ سوچ کر خوف آتا تھا...... بڈھے کے اندر پوتے کے لئے اب رقابت نہیں بلکہ ترحم کا جذبہ جاگ اٹھا تھا ۔ اسے رہ رہ کر پوتے پر افسوس آتا تھا......

اس دن پوتے کے ساتھ ایک نئی لڑکی تھی ۔ پوتا لڑکی کے ساتھ کمرے میں بند ہو گیا...... بڈھے کی آنکھوں میں ایک پل کو شعلہ سا چمکا...... پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر

یہ شعلہ بجھ سا گیا۔

لڑکی کے جانے کے بعد وہ پوتے کے پاس آیا۔

'۔۔۔۔۔ کون تھی یہ لڑکی؟'

'نہیں معلوم'

'۔۔۔۔۔ تمہارے ساتھ پڑھتی ہے؟'

'نہیں۔'

'۔۔۔۔۔ دوست ہے؟'

'شاید۔۔۔۔۔۔ نہیں۔'

'۔۔۔۔۔ کنفیوزڈ ہو تم۔ ورنہ اتنی چھوٹی سی بات کے لئے 'شاید' اور 'نہیں' کا سہارا نہیں لیتے۔

'تم نے کیا سمجھا، کون ہے یہ؟' پوتے نے پلٹ کر پوچھا۔

'۔۔۔۔۔ میں نے سمجھا، شاید تمہاری سپاٹ زندگی میں ایک کرن چمکی ہے۔'

'تم بڈھے ہو گئے ہو۔'

'۔۔۔۔۔ نہیں۔ مجھے تم پر ترس آتا ہے۔۔۔۔۔۔'

'مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں۔'

'۔۔۔۔۔ ضرورت ہے ۔۔۔۔۔ بڈھے کو مزہ مل رہا تھا۔ اس لئے کہ اگر وہ لڑکی وہی ہوتی، جیسا میں نے سوچا تھا۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔۔'

'تو کیا۔۔۔۔۔؟'

'۔۔۔۔۔ اب سوچتا ہوں۔ تمہارے باپ کے زمانے میں، میں کتنا غلط تھا۔ بہت ممکن تھا، وہ محض ایک پیسہ کمانے والی مشین ثابت نہیں ہوتا۔ آدمی، ایک متوازن آدمی ہونا بہت مشکل کام ہے اور یقیناً محبت یہ کر سکتی ہے۔۔۔۔۔۔'

'محبت۔ شٹ ــــــ 'پوتے کے ہونٹوں میں مضحکہ خیز ہنسی تھی۔

'ــــــ نہیں۔ تم نہیں جانتے کہ ابھی جو لڑکی تمہارے کمرے سے نکل کر گئی ہے۔ تم اس کے نزدیک کیا تھے۔ سنو، تم لوگوں نے مجھے اتنا ایڈوانس تو بنا ہی دیا ہے کہ میں یہ کہہ سکتا ہوں، تم اس لڑکی کے لئے صرف ایک اسٹرپیر تھے۔ ایک میل اسٹرپیر۔'

بڈھا ہنسا...... 'مجھ پر غصہ نہیں ہو۔ اپنے آپ کو سمجھو۔ ورنہ اندر کا یہ اندھیرا تمہیں تباہ کر دے گا......'

پھر وہ ٹھہرا نہیں۔ تیزی سے باہر نکل گیا۔

اور اس کے ٹھیک دو ایک روز بعد ہی رات کے اندھیرے میں بڈھے نے محسوس کیا، پوتے کے کمرے سے تیز تیز سسکیوں کی آوازیں گونج رہی ہیں......

(۵)

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد ــــــ بڈھا ایک بار پھر اپنے مصروف بیٹے کے سامنے کھڑا تھا۔

'سنو، وہ چپ ہو گیا ہے۔'

بیٹا شانت تھا۔

'ــــــ وہ کچھ بولتا نہیں۔'

بیٹا بے اثر رہا۔

'ــــــ وہ کھویا کھویا رہنے لگا ہے، وہ راتوں کو روتا ہے۔ ساری ساری رات جاگتا رہتا ہے۔'

بیٹے نے ذرا سی نگاہ اوپر اٹھائی۔

’آپ ذراسی بات کوطول دے رہے ہیں۔اس میں نیا کیا ہے؟‘

’___ نیا ہے آہ!تم ابھی بھی نہیں سمجھے ___ بڈھا فرط حیرت سے چلّایا۔وہ سب کچھ کر گزرا ہے اپنی اس چھوٹی سی عمر میں ...... جو ہم تم اتنی عمر گزار کر بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔

’یہ نئی نسل ہے۔جیٹ رفتار ...... یہ ایسی ہی ہے ......‘ بیٹے کی آواز بوجھل تھی ___ ’نہیں ......‘ بڈھا غصے سے اُچھلا ...... اس نسل کے پاس سے فنتاسی ختم ہوگئی ہے اور فنتاسی کو پانے کے لئے یہ نسل کچھ بھی کرسکتی ہے۔

’’مثلاً‘‘

’یہ نسل آتنک وادی بن سکتی ہے۔‘

’یہ بھی نہ ہو، تو ......؟‘

’___ سنو، ہیجان کی آخری منزلوں میں، یہ نسل کسی کی جان بھی لے سکتی ہے۔ تمہاری بھی۔

’اور اگر یہ دونوں ممکن نہیں ہوا تو‘

’___ آخری فنتاسی کے طور پر یہ اپنی جان لینا چاہے گی یعنی خودکشی؟‘

بڈھا کمرے سے نکل گیا تھا ......

بیٹا پہلی بار حیران سا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا ___

(۶)

پوتے کے ہاتھوں میں چرمی بیگ تھا۔جس میں اس نے ضروری کپڑے، سامان وغیرہ رکھ لئے تھے، جو آگے کے سفر میں اس کے کام آسکتے تھے ...... اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا ’پیڈل شرٹ‘ پہن رکھا تھا ...... فل جینس کی جگہ ایک آدھی پھٹی ہوئی ہاف

جینس تھی۔آنکھوں میں ایسی انوکھی چمک تھی جسے بڈھا اور بیٹا پہلی بار دیکھ رہے تھے
۔

'۔۔۔۔ تو تم نے ارادہ کرلیا ہے، بیٹے کا لہجہ اداسی سے پر تھا۔

'ہاں، یہ ہم تمام دوستوں کا ارادہ ہے۔'

'۔۔۔۔ تم کتنے لوگ جارہے ہو۔'

'ہم پانچ چھ دوست ہیں۔'

'۔۔۔۔ صرف لڑکے۔'

'۔۔۔۔ نہیں ایک لڑکی بھی ہے۔'

'۔۔۔۔ وہاں برف کے گلیشیر بھی ہوں گے۔' باپ کے لہجہ میں تھرتھراہٹ تھی۔

'ہم گلیشیر کی نچلی سطح پر پانی جمع ہوتا ہے۔یخ پانی، کبھی بھی وہاں اچھے بھلے آدمیوں کی بھی قبر بن جاتی ہے۔' بڈھے کا لہجہ پوتے کو سفر کے ارادے سے روکنے کا تھا۔

پوتے کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی ۔۔۔۔ 'ہم کبھی گلیشر کو پگھلتے نہیں دیکھا۔
''

'۔۔۔۔ تم لوگ سب سے پہلے کہاں جاؤ گے،...... باپ کے لئے یہ جاننا ضروری تھا۔

یہ ایک اسکی رسارٹ (Ski-Resort) ہے۔ہم برف کی کسی ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہو جائیں گے ۔۔۔۔ وہاں سے رسی کا ایک سرا مضبوطی سے ان چٹانوں میں باندھ دیں گے۔آپ سمجھ رہے ہیں نا......' پوتا دلچسپی سے اپنے کھیل کے بارے میں بتا رہا تھا۔آئس ہاکی یا اسکیٹنگ جیسے کھیلوں سے بھی لوگ اکتا چکے ہیں۔رسی کا دوسرا سرا ہم اپنے جسم میں باندھیں گے اور اونچائی سے برف کی آغوش میں لیں گے۔ایک لمبی اندھی چھلانگ ۔۔۔۔'

بڈھے نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔ بیٹے کے بدن میں تھرتھری ہوئی......

'____ لیکن اس میں خطرہ تو ہے۔ اس میں تو بہت سے لوگ مر بھی جاتے ہوں گے۔'

'ہاں ایسا بہت ہوتا ہے۔' پوتے کے ہونٹوں پر ہنسی تھی...... اس نے بہت عام انداز میں اپنا جملہ پورا کیا____ مرنا جینا تو لگا رہی رہتا ہے۔ لیکن ہے یہ ایک دلچسپ کھیل، ایک لاجواب فنتاسی۔'

بڈھے نے بس اتنا پوچھا۔

'____ کب جاؤ گے۔؟'

'کل صبح ہونے سے پہلے ہی ہم لوگ نکل جائیں گے۔'

'____ یعنی ایک دن ہمارے پاس ہے۔ بڈھا دھیرے سے بڑبڑایا____ ایک دن۔ بس ایک دن۔ پھر۔ ایک اندھی چھلانگ۔ موت کی چھلانگ...... پوتا اگر واپس نہیں لوٹتا ہے تو......'

بڈھے نے اپنے آپ سے پوچھا۔

'اس کے (بڈھے) کے پاس ایسا کیا ہے جو پوتے کے پاس نہیں تھا......'

(۷)

رات ہوئی۔ بڈھا چپ چاپ چلتا ہوا پوتے کے کمرے میں آیا۔

'____ چلو، کالونی کی چھت پر چلتے ہیں۔'

'کیوں؟'

'وہیں سوئیں گے، بات کریں گے۔'

'لیکن بات یہاں بھی تو ہو سکتی ہے۔'

'—— نہیں وہاں چھت ہوگی، کھلی کھلی چھت —— سر پر آسمان ہوگا۔ کھلا آسمان تم نے برسوں سے آسمان دیکھا ہے؟'

'نہیں......'

'—— میں نے بھی نہیں دیکھا...... یہ سب شہر کی ہجرت کے راستے کھو گئے۔ نیلا آسمان۔ ستاروں کی چادر، چمکتا ہوا دودھیا چاند، بہتی ہوئی تیز ہوا اور......

'فولڈنگ لے چلوں؟'

'نہیں چادر بچھالیں گے۔'

بڈھے نے چادر بچھائی...... بڈھا اور پوتا کالونی کی چھت سے کچھ دیر تک شہر کا نظارہ کرتے رہے۔ یہاں سے شہر کیسا نظر آتا ہے۔ دور تک چمکتی ہوئی روشنیوں کی قطار...... کالونی کے بند فلیٹ میں یہ چمک ایک دم سے دفن کیوں ہو جاتی ہے!

پوتے نے ٹوکا □ —— یہاں کیوں لائے؟'

'—— تمہیں کیا لگا؟'

'مجھے لگا، ایڈیش دوگے۔ روکوگے۔ زندگی، موت اور گھر کا واسطہ دوگے ——'

'ایسا کرنے سے کیا تم رک جاتے؟'

'نہیں۔'

'اس لئے بس تم سے باتیں کرنے کے لئے ہی ہم چھت پر آئے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں ہم کمرے کے اندر نہیں کر سکتے تھے۔'

پوتے کو الجھن تھی۔ کون سی باتیں؟'

'کل تو تم چلے ہی جاؤ گے...... اور ایک وہ تمہارا مصروف باپ ہے —— کسی سے کچھ بھی بات کرنے کے لئے مجھے بس آج کی ہی رات ملی ہے...... تم چلے گئے تو

پھر باتیں کرنے کے لئے میرے پاس کون ہوگا......؟

پوتا لیٹ گیا......

بڈھے کو کچھ یاد آ رہا تھا۔ چھت پر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی...... بڈھا کسی خیال میں گم تھا...... اس نے آہستہ آہستہ کچھ یاد کرنا شروع کیا......

'......جب ہم چھوٹے تھے تب دنیا اس قدر نہیں پھیلی تھی۔ تب ہمارے پاس وقت ہی وقت تھا۔ دیکھنے، محسوس کرنے اور گزارنے کے لئے وقت ہی وقت...... اور سچ تو یہ ہے کہ ہم میں سے بہتوں کو وقت کا استعمال کرنے بھی نہیں آتا تھا کہ اتنا ڈھیر سارا وقت...... آگے دور تک پھیلی عمر کی سیڑھیاں...... اتنا بڑا خاندان...... اتنے سارے رشتے دار...... آتے جاتے لوگ...... نصیحتیں، ڈانٹ پھٹکار...... اور بس بات ہی بات...... نہ بات ختم ہوتی تھی نہ مکالمے کم پڑتے تھے...... تب دن بھی لمبے تھے...... راتیں بھی...... مہینے اور سال تو بہت لمبے ہوتے تھے...... یہاں تک کہ ہر روز گننے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتے تھے......''

پوتے نے پہلو بدلا......

'......ایک ابا تھے...... ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ دیتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر غصہ ہو کر پیٹ دیتے تھے۔ میں روتا ہوا اماں کے پاس آنچل میں سمٹ جاتا تھا۔ کچھ دیر بعد ابا مجھے نہ پا کر مجھے ڈھونڈتے ہوئے اماں کے پاس پہنچ جاتے...... کہیں دیکھا ہے اپنے منے کو...... اماں کی یہی غلطی تھی۔ اماں کے اندر کوئی بات نہیں پچتی تھی...... اماں ہنس دیتی تھیں۔ ابا مجھے سینے سے لپٹا لپٹا کر پیار کرتے۔ مارنے کے عوض مجھے ٹافیاں انعام میں ملتیں۔''

پوتے نے اس بار دادا پر اپنی نگاہیں پیوست کر دیں——

'——ایک دن میں کھیل رہا تھا...... گاؤں، قصبے اور چھوٹے شہروں میں ان دنوں کھیل ہی کیا تھے...... گلی ڈنڈا...... گلی زور کا جھٹکا کھاتی میری آنکھوں کے پاس

لگی تھی۔ ڈھیر سا خون نکلا تھا...... مجھے یاد ہے۔ اس رات ——— ساری رات، سارا گھر مجھے گھیر کر بیٹھا تھا۔ ابا کو اتنا گھبرائے ہوئے میں نے پہلی بار دیکھا تھا......'

OO

'چپ کیوں ہو گئے؟' یہ پوتے کی آواز تھی۔

'یاد کر رہا ہوں' ——— بڈھے کا لہجہ بھاری تھا۔

'اس وقت کے لوگ کتنے جذباتی تھے۔ جذباتی ——— پوتے کے لہجے میں آہ تھی۔

'بہت کچھ یاد آ رہا ہے اور سناتے ہوئے اچھا بھی لگ رہا ہے...... آج تمہیں سب کچھ سناؤں گا...... مگر تمہیں نیند آ گئی تو......؟'

'نہیں تم سناؤ۔ نیند نہیں آئے گی......'

' ——— اچھا سنو، کیسی کیسی شرارتیں یاد آ رہی ہیں۔ پرانا گھر۔ دنیا بھر کے لوگ۔ معصوم شرارتیں...... پٹنے کے واقعات...... اسکول کے قصے...... اچھا، پہلے تم بتاؤ......'

بڈھے نے گھور کر پوتے کو دیکھا۔

'یہ سب قصے جو میں نے تم کو بتائے، کس دور کے ہیں۔'

'مطلب؟' پوتا چونک کر بولا......

'میں نے پوچھا ہے۔ یہ سب قصے میرے کس زمانے کے ہیں۔'

'میں نے سمجھا نہیں ———'

'میرا مطلب ہے، یہ قصے کب کے ہو سکتے ہیں؟'

پوتے نے جلدی سے کہا...... 'بچپن کے۔'

دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکان تھی...... 'میں نے بچپن نہیں دیکھا۔'

بڈھے نے چونک کر پوتے کو دیکھا، جو مسلسل ایک ٹک آسمان کو گھورے جا رہا تھا۔

(۸)

دوسرے دن پوتا چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد بڈھا خاموشی سے چلتا ہوا، بیٹے کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔

بیٹے کا سر ابھی بھی جھکا ہوا تھا۔

'——وہ چلا گیا۔' بڈھے کی آواز بھاری تھی...... تم اسے روک سکتے تھے۔'

'کیا وہ رک جاتا؟'

بڈھا اچانک چونک پڑا، اسے ایک لمحے کو بیٹے پر ترس آیا——

'——وہ رک جاتا، کیا تمہارے ذہن میں پہلے کبھی یہ خیال آیا تھا؟'

'کہہ نہیں سکتا۔ لیکن کیا ساری غلطی......؟' بیٹا کہتے کہتے ٹھہر گیا۔ اس نے عجیب نظر سے بڈھے کو دیکھا۔

بڈھے کے چہرے پر ایک خوشگوار حیرت تھی۔

'——نہیں غلطی کسی کی نہیں ہے۔ شاید وہ تمہارے کہنے سے بھی نہیں رکتا۔ اس لئے کہ بہت دیر ہو چکی تھی۔'

'دیر ہو چکی تھی......؟ بیٹا کسی لمبے، 'محاسبے' کے پل سے ایک لمحے کو گزر گیا——

'ہاں، کیونکہ تم دیکھنے میں تو خاموش لگ رہے تھے۔ لیکن تم ہر بار ہمارے، پوتے کے اور اپنے تجزیے میں مصروف تھے——اور یہی تم غلطی کر رہے تھے...... جبکہ ہم آسان سی زندگی گزار رہے تھے۔'

بیٹا نے اور زیادہ سر جھکا لیا——

ذرا توقف کے بعد وہ بولا۔ 'کیا وہ واپس آئے گا——؟'

'——— پتہ نہیں۔'

بڈھے کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ وہ چپکے سے کمرے سے نکل گیا——
لیکن اس کا دماغ ابھی بھی پوتے میں الجھا ہوا تھا۔ جیسے ابھی، اس وقت وہ کیا کر رہا ہوگا۔

(۹)

وہ پانچ چھ نوجوان تھے۔ سرتا پا گرم کپڑوں سے ڈھکے ہوئے۔ پاؤں میں ان فیلش، کے نئے اور ایسے ماڈرن جوتے تھے جو آج کل کے بچے ایسی تفریح گاہوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔ برف پر چلنے یا برفیلی چٹانوں پر چڑھنے میں اس سے آسانی ہوتی تھی —— ان میں پوتا بھی تھا —— ان کے چہروں سے ان کا جوش اور ارادہ ٹپکتا تھا۔ آگے کی منزل کچھ بھی ہو سکتی تھی۔ بہت ممکن ہے، موت کی منزل۔ مگر یہ خوف زدہ نہیں تھے۔ ان میں سے کوئی بھی موت کی بات نہیں کر رہا تھا۔ اس کے برخلاف ان کا چہرہ کسی ایسے شگفتہ پھول کی مانند ہو رہا تھا جو موسم سرما یا بہار کی آمد یا دھوپ کی پہلی کرن سے اچانک کھل اٹھا ہو——

پوتے کے چہرے پر جنگلی پودوں جیسی شادابی تھی...... 'وہ لمحہ کب آئے گا——؟'

قافلے میں موجود وہ واحد لڑکی تھی۔ لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی...... 'وہ لمحہ آچکا ہے۔ وہ دیکھو۔'

OO

برف کی اونچی چوٹیوں سے انہوں نے نیچے کی طرف جھانکا۔ ہزاروں فٹ نیچے کی گہرائی میں برفانی ندی، موجوں کے الہڑ رقص میں محو حیراں تھی۔ دور تک برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں اب پُراسرار معلوم نہیں ہو رہی تھیں۔ نوجوانوں نے گننا شروع کیا—— جہاں وہ کھڑے تھے، اس کے اطراف پہاڑوں کی اٹھارہ بیس چوٹیاں

ہوں گی۔ پوتا اور ساتھی ان سرکاری اشتہاروں کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے آئے تھے جو ان کے قدموں کو آگے کے خطرات سے روکنے کے لیے لگائے گئے تھے۔

انہوں نے اپنے اپنے چرمی بیگ اتارے، کپڑوں کا بھاری بھر کم وزن کم کیا۔ برفیلی چٹانوں سے گزرتی۔ یخ ہوائیں سنسناتی ہوئی بدن سے ہو کر گزر رہی تھیں۔ انہوں نے جوتے اتارے —— چرمی بیگ سے ہزاروں فٹ گہرائی تک لے جانے والی رسیاں کھولی گئیں۔ ان کے چہرے ایسے چمک رہے تھے جیسے برفانی پہاڑیاں دھوپ کی کرن سے جگمگا اٹھتی ہیں۔

'ہم یہاں پہلے کیوں نہیں آئے؟'

گھانسوں پر اُگے ہوئے خودرو پھول ہنس رہے تھے۔ کائی دار پہاڑیوں کے کنارے سرخ اسٹابیری کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں..... پہاڑ کے اس پار سے برفیلی ہوائیں پگھلے گلیشیرس اور پتھروں سے گزر کر نیچے بہتی ہوئی ندی میں پہنچ رہی تھیں۔ برف گلیشیر میں پتلی پتلی دھاروں میں تبدیل ہو رہے تھے.....

'اب بہت دیر ہو رہی ہے۔ مجھے رہا نہیں جاتا.....' پوتے کے چہرے پر ایک سفاک مسکراہٹ تھی۔

'—— نیچے پہلے کون جائے گا——؟'

'پہلے میں۔'

لڑکی نے بے دھڑک رسّی کا ایک سرا اپنے کمرے سے بندھی ہوئی آئرن بیلٹ سے جوڑ لیا تھا۔

'—— نہیں تم نہیں۔' دوسرے ساتھی نے لڑکی کا ہاتھ تھام لیا۔

'کیوں؟ لڑکی کے چہرے پر خفگی تھی۔

'کیوں کہ اس ایڈونچر پر سب سے پہلا اختیار میرا ہے۔'

رسّی کا سرا اب پوتے کے ہاتھ میں تھا..... ''کیوں کہ یہ آئیڈیا بھی میرا تھا۔ تم

لوگوں کو یہ آئیڈیا سب سے پہلے میں نے ہی بتایا تھا۔'

ایک برفیلی لہر بدن کو چیرتی گزر گئی۔ ہزاروں فٹ نیچے کھائی ہیں، پگھلتے ہوئے، گلیشیر ندی کے پانی میں گھل رہے تھے۔

○○

لڑکی کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ اپنی اپنی باری کے انتظار میں سب امید بھری نظروں سے پوتے کو دیکھ رہے تھے، جس نے رسی کا ایک سرا پہاڑی کے ایسٹ پول میں پھنسا کر، دوسرا سرا اپنے آئرن بیلٹ سے جوڑ لیا تھا۔ اب وہ چمکتی نگاہوں سے، چمکتی برفیلی چٹانوں اور اپنے دوستوں کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

'اچھا مان لو، تم واپس نہیں آئے تو؟' ایک ساتھی نے مسکرا کر دریافت کیا۔

'—— کیا واپس آنا ضروری ہے؟' پوتے کے لہجے میں ہنسی تھی۔

'نہیں' دوست شرمندہ تھا۔

'——پھر ہم کہاں ملیں گے؟'

'کیا پھر ملنا ضروری ہے——؟' پوتا اس بار زور سے ہنسا۔

'نہیں'

'—— لیکن! اس کے باوجود ہم ملیں گے۔ اگر واپس نہیں آئے تو؟'

'کہاں؟'

پوتے نے اشارہ کیا...... ''وہاں—— گلیشیرس میں—— ٹھنڈی موجوں میں—— بہتے پانی میں......اور چمکیلی برف میں......''

پوتے نے اس بار ہنسنے سے پہلے ہی چھلانگ لگا دی۔

نیچے ہزاروں فٹ کھائی میں، گلیشیر ابھی بھی پگھل پگھل کر ندی میں گھل رہا تھا۔

○○

انکیوبیٹر

(اپنی بٹیا صحیفہ کے لئے ____ جو دو برس کے سفر میں

اتنا کچھ دے گئی، جو پوری زندگی پر بھاری ہے)

نرسری

سیمون دبووار (Simone De Beauvoir) نے کہا تھا۔

’عورت پیدا نہیں ہوتی، بنائی جاتی ہے۔‘

لیکن، نیل پیدا کہاں ہوئی تھی۔ نیل تو بن رہی تھی۔ نیل تو ہر بار بننے کے عمل میں تھی۔ شاید اسی لئے، پیدا ہوتے ہی وہ ایک اسپتال سے دوسرے اسپتال بھیج دی گئی تھی۔ اُسے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ماں نے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ کہنا چاہئے ڈاکٹروں کو چھوڑ کر، جو آپریشن کے وقت یقیناً پاس پاس لیبر روم میں موجود ہوں گے، یا جیسے ڈاکٹروں نے بھی ہنستے ہوئے کہا ہوگا...... ’’وشواس کیجئے □ ____ ہم نے بھی نہیں دیکھا۔ لیکن وہ ہے۔ اور سانس چل رہی ہے۔‘

اور...... ڈاکٹروں کے مطابق نیل پیدا ہو چکی تھی اور سانس بھی چل رہی تھی......

اور اب صرف اس کے بچائے جانے یعنی زندہ رکھنے کی کارروائی باقی تھی۔ جس اسپتال میں نیل پیدا ہوئی، وہاں نرسری کا کوئی اچھا انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ڈاکٹروں نے ایک چھوٹی سی ایمرجنسی میٹنگ کے بعد نیل کو ایک دوسرے اسپتال شفٹ کر دیا تھا۔

نیل اسپتال سے گھر نہیں آئی۔ نیل ایک اسپتال سے دوسرے اسپتال چلی گئی......

جس ایمبولنس میں اسے دوسرے اسپتال شفٹ کیا گیا، اس میں نیل کے ساتھ رشتے کے ایک بھائی کو بٹھایا گیا۔ واپسی میں اس بھائی سے پوچھا گیا......

تم نے اسے دیکھا؟

......نہیں

کیوں؟ تم تو ایمبولنس میں اس کے پاس ہی بیٹھے ہو گے نا؟

......ہاں بیٹھا تو پاس ہی تھا، مگر!

......مگر کیا؟

وہ نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے......

بھائی سر کھجا رہا تھا۔ آنکھیں چرانے کی کوشش کر رہا تھا......

○○

مدر نرسری میں سب کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اسپتال کی پانچویں منزل پر یہ نرسری آباد تھی۔ نومولود، ابھی ابھی پیدا ہوئے بچے کی آرام گاہ...... یہ پورا ہال ہی ائیر کنڈیشنڈ تھا......اندر شیشے کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی دنیا......شیشے کے اس عجیب وغریب ڈزنی لینڈ میں چھوٹے چھوٹے لاتعداد انکیوبیٹر پڑے تھے...... چھوٹے چھوٹے شیشے کے گھروندے......ان گھروندوں میں ایسے نومولود بچوں کے لئے ایک نقلی دنیا آباد تھی۔ یعنی جیسی دنیا وہ آنکھیں جھپکاتے ماں کی کوکھ میں دیکھتے یا محسوس کرتے ہوں گے۔ شیشہ کی اس چھوٹی سی دنیا کے اندر کا ٹمپریچر بھی وہی تھا جو ماں کی کوکھ میں بچہ محسوس کرتا تھا......انکیوبیٹر میں آکسیجن کی ٹیوب بھی لگی تھی۔ مگر دور سے، شیشے کے بڑے دروازے سے جھانکنے پر، یہ ڈھیر سارے چھوٹے چھوٹے گھروندے ہی لگتے تھے......

'ڈنیل کہاں ہے؟'

مدر نرسری دکھانے والا، ڈاکٹر جوش میں ہاتھ کے اشارے سے کچھ دکھانے کی کوشش کر رہا تھا......

'وہ......وہ رہی نا......'

......وہ......موٹا سا بچہ......

'نہیں اس کے پاس والا......'

......اچھا۔وہ، جو بے بی الٹی پڑی ہے......

'نہیں، اس کے دائیں طرف دیکھئے۔'

......وہ۔مگر وہ انکیو بیٹر تو......

'خالی ہے' ......ڈاکٹر مسکرا رہا تھا۔وہ بن رہی ہے۔وہ ہے اور آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'

○○

واپس اسپتال آ کر میں نے اس کی ماں کو یہ مژدہ سنا دیا۔ماں کو اب ہوش آ چکا تھا ۔بیٹی ہونے کی اطلاع ڈاکٹر اسے دے چکے تھے۔یہ بھی بتایا جا چکا تھا، کہ وہ مدر نرسری بھیج دی گئی ہے۔مجھے دیکھ کر ماں کی آنکھوں میں تجسس کے دیئے ٹمٹما اُٹھے۔

......تم نے دیکھا۔

ہاں

......کیسی ہے، وہ......؟

وہ......ہے......یعنی کہ......

کس پر گئی ہے......

……گئی نہیں ہے۔ بن رہی ہے۔ گھبراؤ نہیں، جب تک تمہیں مکمل طور پر گھر جانے کی اجازت مل جائے گی، وہ بن چکی ہو گی……

"مطلب۔؟"

……فکر مت کرو۔ وہ بن رہی ہے اور دیکھتے دیکھتے۔ ہاں تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا، وہ تمہارے سامنے آ کر کھڑی ہو جائے گی۔ وہ خوب زور سے چیخے گی اور تم چہرے کو انتہائی سنجیدہ بنا کر کہو گی……نیل۔ بی ہیو یور سیلف۔

لیکن، ماں شاید اب کچھ بھی سن نہیں رہی تھی۔

ماں ایک لمبی خاموشی میں ڈوب گئی تھی۔

ترپتی مینن کے دو رنگ (ادب اور آرٹ)

ترپتی مینن……ایک ایسی خاتون جن کے بارے میں، میں بار بار الگ الگ نظریے گڑھتا تھا اور نظریے کچی مٹی کے گھڑے کی طرح ٹوٹ جاتے تھے……نہیں، مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ ہماری پہلی ملاقات کہاں ہوئی تھی۔ یا ترپتی مینن میں یاد رکھی جانے والی کون سی ادا یا بات تھی کہ میں نے پہلے پہل اپنی نوٹ بک میں……پھر آہستہ آہستہ اس کی 'اول جلول' اداؤں کو دل کی گرہ میں باندھ لیا……

'چلو خالی وقت کا ایک سامان تو ہوا'……

پہلی بار میں ہم بہت کم بولے تھے……مجھے یاد ہے، اس وقت بھی ہمارے مکالمہ کا عنوان عورت تھی۔ وہ ایک ہندی میگزین میں اپنی کہانی چھپوانے آئی تھی۔ میگزین کے ایڈیٹر میرے بزرگ دوست تھے……آنکھوں پر کالا چشمہ۔ بڑھی ہوئی داڑھی……نام تھا، رادھیکا رمن۔ رادھیکا جی درویش صفت منش ہیں۔ مگر کچھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ بقول رادھیکا جی، کہ 'چنگی' لینے کی خواہش زور پکڑنے لگتی ہے……چائے آ گئی تھی۔ ترپتی مینن آہستہ آہستہ چائے کی سپ لے رہی تھی۔ دھیان کہیں اور تھا۔ آنچل ذرا سا ہٹ گیا تھا۔ سانولی بانہیں……نیم عریاں، آدھی

سوئی ہوئی بہار کے قصے سنا رہی تھی۔ چہرے پر ایک تیکھی مگر بچوں جیسی مسکراہٹ تھی۔ ترپتی بار بار رادھیکا جی کے مذاق کی عادت پر پسری جا رہی تھی۔

عورت میں ہر بار ایک نئی عورت آ جاتی ہے...... یہ رادھیکا جی تھے۔

عورت میں ہر بار ایک عورت گُم ہو جاتی ہے...... یہ میں تھا۔

عورت...... آپ لوگ اسے عورت کیوں نہیں رہنے دیتے...... یہ ترپتی تھی۔

○○

میں نے پہلی بار اداؤں میں ڈوبے اُس کے جسم کا جائزہ لیا۔ اس جسم میں کتنی بہاریں قید ہوں گی۔ چالیس...... چالیس بہاریں۔ مگر ترپتی جانتی تھی، خزاں سے پہلے اس بہار کی کیسے حفاظت کرنی ہے۔ مگر ہر بار نوخیز اداؤں کی گرفت میں اس کا پورا وجود ایک 'جوکر' میں تبدیل ہوا جا رہا تھا۔

تم اپنی عمر کو نہیں بھولی ہو...... رادھیکا جی نے پھر چٹکی لی۔

''عمر کو......''

میں آہستہ آہستہ مسکرا رہا تھا......

'میں سمجھی نہیں......' ترپتی کے سانولے چہرے پر بجلی دوڑ گئی تھی۔

''سب سمجھتی ہو تم۔ گھر سے چلتے ہوئے عمر کو کسی لاک اَپ میں بند کر کے آتی ہو...... پھر واپس آ کر جب عمر کو لاک اَپ سے نکالنے کی کوشش کرتی ہو تو......''

رادھیکا رمن مسکرائے...... یہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں ہے ترپتی۔ تمہاری جیسی تمام عورتوں کا مسئلہ ہے۔

'نہیں۔ سر، میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'

'اور میننن؟'

'ہم نے لو میرج کی ہے......'

'لو (Love) تم نے کیا تھا یا میننن نے کیا تھا......''، رادھیکا رمن زور سے قہقہہ

لگاتے ہوئے بولے......

نیم عریاں شانے پر اس نے آنچل پھر سے بار بار کر دیا تھا......''اب......اب میں چلوں گی سر۔ کہانی دیکھ لیجئے گا'

چہرے پر ناراضگی تھی۔

'ارے بیٹھو......'

'نہیں سر۔ آج آپ کچھ زیادہ ہی مذاق کر رہے ہیں'

'اس نے کرسی خالی کر دی۔ گولڈن کلر کا بیگ شانہ سے لٹکایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دروازے سے اوجھل ہو گئی......

'ترپتی ناراض ہو گئیں......'میرے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔

رادھیکا رمن ہنس رہے تھے......''پاگل مت بنو۔ ترپتی کو تم نہیں سمجھو گے..ہو ہو..وہ یہی کرتی ہے۔ عادت ہے اس کی..ہو ہو..دراصل وہ چاہتی بھی یہی ہے۔''

'کیا'

'جو میں نے کیا......'وہ مسکرا رہے تھے۔

'مطلب؟'

'ارے۔ اس میں حیرانی کی بات کیا ہے۔ اپنشدوں میں کہا گیا ہے۔ ناری کو نہ سمجھو تو بہتر ہے......ناری سمجھنے کی وستو نہیں ہے۔ رہسیہ ہے۔ گھور رہسیہ......ترپتی اسی رہسیہ کا حصہ ہے......ایسا نہیں کرو تو وہ ناراض ہو جاتی ہے۔ ناراضگی پر کیوں جاتے ہو۔ اس میں پراکرتک سوندریہ، کیوں نہیں، دیکھتے......اس آیو میں بھی......تم نے دیکھا......سانولے جسم میں سارے سمندر کی 'سنہلی'، مچھلیاں ایک ساتھ کہاں جمع ہوتی ہیں......ان ساری 'سنہلی' مچھلیوں کو جوڑ کر ترپتی ایک بہت لمبی 'سنہلی' مچھلی بن گئی ہے۔''

وہ ہنس رہے تھے......اس مچھلی کے پیچھے دوڑو گے......بولو......؟'

○○

لیکن مجھے زیادہ دور تک دوڑنے کی ضرورت نہیں پڑی......

یہ ترپتی سے میری دوسری ملاقات تھی۔

وہ کارلٹن آرٹ گیلری میں کھڑی تھی...... ایک لمحے کو میں نے اس سے چھپنے کی کوشش کی ـــــ وہ کسی کو اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔

'انسٹی ٹیوٹ آف آرٹ اینڈ کرافٹس سے کمرشیل ڈیزائن کا کورس کیا ہے۔ آرٹ میرا شوق نہیں ہے۔ زندگی ہے۔ سانسیں ہیں۔ آئل ان کینوس کے علاوہ آئل آن پلائی وڈ، واٹر کلر پنسل، پین اینڈ انک، پلاسٹر آف پیرس، سیمنٹ آن گلاس وغیرہ میڈیمز میں کام کر چکی ہوں۔'

درمیان میں اس کی کھنکدار ہنسی گونجی ـــــ

'پچھلی بار فیسٹیول آف ویمن سیریز میں، میں نے بھی اپنی کچھ تصویروں کی نمائش لگائی تھی۔'

میں ایک دم سے چونک گیا تھا......

موٹے بھدے جسم والی خاتون نے حیرت سے دریافت کیا...... 'آپ...... یعنی آپ بھی۔'

'کیوں' ترپتی مسکرائی ہے...... "آئل ان کینوس۔ کبھی کبھی کینوس پر صرف آئیل بیچتا ہے اور عورت آئیل کی طرح پوچھ ڈالی جاتی ہے...... نہیں؟ ایک کورا کینوس...... ۔ میں نے عورت کے 'رحم' کو دکھانے کی کوشش کی تھی۔

'رحم......؟'

رحمِ مادر یعنی 'Womb' ...... جہاں نو مہینہ تک بچے کے روپ میں ایک مرد سڑتا ہے۔ پتہ ہے۔ میرے شوہر تک جب اس نمائش کی بات پہنچی تو وہ پانچ مہینے تک مجھ سے غصہ رہے تھے۔ بات چیت کمپلیٹلی بند۔ میں نے بھی کوشش نہیں کی...... عورت

کا ننگا بدن ۔ آپ دکھانا ہی چاہتے ہیں تو وہ جگہ کیوں نہیں دکھاتے جہاں سے سرشٹی، یعنی ایک عورت Creator بنتی ہے ۔ رچیتا ۔ مرد کو جننے والی ۔ خالق ۔ اب یہاں دیکھئے نا......

وہ آرٹ کے عریاں فن پاروں کو دکھا رہی تھی ۔

'دکھانا ہے تو عورت کو پورا پورا ننگا کرنے سے کیا حاصل ۔ بس وہ جگہ دکھا دو، جو مرد دیکھنا چاہتا ہے ۔'

'مائی گاڈ ۔ تر پتی ۔ تم میں کتنا دکھ بھرا ہے ۔ Leave it یار ۔ پینٹنگس دیکھتے ہیں ۔'

تر پتی اچانک مڑی تھی ......مڑی اور چونک گئی ۔ میری طرف دیکھا ۔ مسکرائی ۔ ہاتھ نہیں بڑھایا ۔

'آپ'؟

'مجھے نہیں ہونا چاہئے تھا......!'

'نہیں ۔ ہونا کیوں نہیں چاہئے تھا' وہ جھینپ رہی تھی...... کب آئے؟

شاید وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ دیر سے تو نہیں ہیں ۔ ہماری بات تو نہیں سن رہے تھے ۔ میں نے جھوٹ بولنے ہی میں عافیت سمجھی......

'بس ۔ ابھی آیا ۔'

'اوہ ۔' تر پتی کو تسلی ملی تھی...... موٹے جسم والی عورت سے پیچھا چھڑاتے ہوئے اب وہ میرے ساتھ پینٹنگس پر اپنی تنقیدی نظر ڈال رہی تھی ۔

'اچھی ہیں نا......'

'ہاں'

'دراصل ۔' وہ کہتے کہتے ٹھہری...... 'مجھے موڈس والی پینٹنگس کچھ زیادہ ہی پسند ہیں

۔اسچنگ ورک،فیگریٹو ورک اور ریلسٹک اپروچ مجھے پسند ہیں ۔ان تصویروں میں امپریشن ازم کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

'کیوں' ...... میں تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک سانس میں اپنی معلومات کی توپ چھوڑتی چلی گئی ۔وہ کمپوزیشن اچھا ہے ۔فلاں غلط ۔وہاں کینواس کی سطح کم گاڑھی ہونی چاہئے تھی ۔فلاں تصویر میں Base بناتے ہوئے ٹیکسچر دینے کی کوشش کی گئی ہے ۔ناہموار سطح پر پاورفل اسٹروکس کے ذریعہ رنگوں کا خوبصورت استعمال کیا جانا چاہئے تھا......'

'رنگ......'میں نے ایک لمبی آہ کھینچی تو وہ چونک گئی ۔

'زندگی سے رنگ جھڑ جائیں تو......؟'

''آرٹ گیلری سے باہر بھی ملاقات کا ایک راستہ جاتا ہے ۔'

وہ اداس ہو گئی تھی ......Sorry'

'Sorry کیوں؟'

تمہارا نمبر ہے؟''

'نمبر ۔'

'میں فون کر لوں گی ۔'

اس کے جسم میں تھرتھراہٹ تھی ...... پرانی ترپتی غائب تھی ...... میں ایک نئی ترپتی کو دیکھ رہا تھا۔ جو ڈر رہی تھی ...... یا ڈرنے کی ایکٹنگ کر رہی تھی ۔

رادھیکا جی کے لفظ کانوں میں گونج رہے تھے ۔ناری گھور رہسیہ ہے ۔ترپتی اسی رہسیہ کا حصہ ہے......'

میں نے ترپتی کو نمبر لکھوا دیا......

آرٹ گیلری سے سڑک دو الگ الگ دشاؤں میں مڑ گئی تھی ۔

آثار قدیمہ اور ترپتی کا تیسرا رنگ (میوزک)

صحافیوں کے لئے یہ دنیا ایک سیپ کی طرح ہے۔ یہ بات کس نے کہی تھی، یاد نہیں ۔لیکن فرصت کے اوقات اس بارے میں سوچتا ہوں تو اپنی ذات سیپ کی 'ڈگی' میں بند 'گھونگھے' سے زیادہ نہیں لگتی ...... بس بھاگتے رہو ...... بھاگتے بھاگتے تھک جاؤ تو اپنی چھوٹی سی دنیا میں بند ہو جاؤ اور آپ جانئے ...... فری لانس جرنلسٹ کو کیسے کیسے محاذ پر لڑنا ہوتا ہے ...... اس دن طبیعت ناساز تھی لیکن میگزین کی طرف سے بھارت سنگاپور اتسو، میں شامل ہو کر اس کی رپورٹ تیار کرنی تھی۔ بانسری کا مجھے کبھی شوق نہیں رہا۔ بچپن کے دنوں میں ہونٹوں سے لگایا ہو، اب یاد نہیں۔ لیکن ہری پرساد چورسیا میں میری دلچسپی ضرور تھی ...... اور یہی دلچسپی مجھے اس اُتسو میں کھینچ کر لے گئی تھی ...... فکّی آڈیٹوریم کا مین ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کسی نے مجھے ذرا سا دھکا دیا اور تیز تیز اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ میں غصہ میں کچھ بولنا چاہتا تھا کہ ٹھہر گیا۔

'ترپتی۔'

○○

یہ ترپتی سے میری تیسری ملاقات تھی۔ شو شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا۔ میں برابر اس پر نظر رکھے ہوا تھا۔ وہ ہال میں ہو کر بھی ہال میں نہیں تھی۔ کسی چور جیسی، اپنی سیٹ پر دُبکی ہوئی تھی ...... بلی کی طرح سہمی ہوئی۔ آہٹ سے ڈر ڈر جانے والی۔ شو ختم ہونے کے بعد میری نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔ گیٹ کے پاس ہی میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

'آہ ترپتی۔ یہاں بھی تم۔'

'ہاتھ چھوڑو ......' اس کے لہجہ میں سختی تھی ...... میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ میں خود تم سے ملنے والی تھی۔

میں نے ہاتھ ہٹا لیا ...... 'شو کیسا لگا تمہیں؟'

وہ ابھی بھی کہیں اور تھی۔ بھیڑ سے الگ ہم باہری گیٹ سے دوسری طرف کھڑے

ہو گئے ۔نکلنے والی گاڑیوں کا شور انسانی شور سے کہیں زیادہ تھا۔

'بھلا نے آئی تھی خود کو۔ مگر بور...... انڈین اوشن کے اس 'بینڈ' کو دیکھا تم نے......'

اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی...... فن مر گیا ہے۔ ہم دو سنسکرتیوں کو ملا دینا چاہتے ہیں ۔ یہ سب کیا ہے؟ ایک جھوٹا تماشہ۔ تمہیں لکھنا چاہئے ۔ بھارتیہ سروں کا یہ کیسا میل ہے ۔ جاز، ریگے، راک، پاپ اور بھارتیہ سنسکرتی کا بریک فاسٹ ملا دیا۔ مکچر تیار۔ کلچرل موٹف کو نئے ماڈرن ڈھانچہ میں ڈال دیا اور نیو جنریشن کے سامنے پروس دیا۔ یہی فیوزن ہے...... سکڑتی سمٹتی دنیا کو، پاگل بنا دینے والی میوزک کمپنیوں کا دیا ہوا ودیشی تحفہ ــــــ

'تمہیں فیوزن سے چڑھ کیوں ہے؟'

آپ اسے ویسے کا ویسا رہنے کیوں نہیں دیتے، جیسا کہ وہ ہے۔ لیکن نہیں۔ بات پروفیشنل منافع کی ہے □ ــــــ کنزیومر ورلڈ کی ہے □ ــــــ بازار کی ہے □ ــــــ آپ وہی تہذیب فروخت کریں گے، جس کی ودیشوں میں مانگ ہے۔'

اس کی ہرنی جیسی آنکھیں اب بھی سہم سہم کر ادھر اُدھر دیکھ لیتی تھیں......'سنو'

اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ تھاما......

'مینن ایک ہفتہ کے لئے باہر گئے ہیں □ ــــــ ساؤتھ □ ــــــ کل آسکتے ہو'

'کس وقت؟'

'شام کے وقت۔'

تیزی سے آتے ہوئے آٹو کو اس نے ہاتھ دے کر روک لیا تھا...... مینن غلطی سے گاڑی کی چابی اپنے ساتھ لے گئے ۔ آؤ گے نا؟'

اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ دبایا۔ آٹو پر بیٹھی اور آٹو روانہ ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں

ایک چھوٹے سے کاغذ کی پرچی تھی۔ جس پر اس کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ لیکن یہ ایڈریس اس نے کب لکھا۔ جب وہ ہال میں تھی۔ یا۔ مجھے دیکھ کر وہ پہلے سے ہی مجھ سے ملنے کا من بنا چکی تھی۔

'ناری گھور رہسیہ مے وستو ہے'...... مسکراتے ہوئے میں نے کاغذ جیب کے حوالے کر دیا۔

OO

کال بیل کی پہلی آواز پر ہی دروازہ کھل گیا۔ شاید وہ میرے انتظار میں تھی۔ میرے اندر آتے ہی اس نے 'کھٹاک' سے دروازہ بند کر دیا۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ترپتی کے چہرے پر اب بھی ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''مینن صاحب کب آئیں گے؟''

''پتہ نہیں''

میں نے گھر کی سجاوٹ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا...... 'مینن صاحب کرتے کیا ہیں؟

ترپتی بجھ گئی تھی۔ آہستہ سے بولی۔ ان کا تعلق محکمۂ آثار قدیمہ سے ہے۔

ترپتی مینن کی آواز اس بار برف کی طرح سرد تھی...... 'وہ ہر بار کچھ نہ کچھ برآمد کر لیتے ہیں۔ محنتی اور سخت ——— صرف اور صرف اپنے کام پر یقین رکھنے والے ——— لیکن ہر بار...... مجھے تعجب ہوتا ہے۔ کچھ نہ کچھ......'

'جیسے؟'

'کوئی...... قدیم تہذیب ——— قدیم شہر......' ترپتی مینن نے اپنی زلفوں کو جھٹکا دیا ——— آنچل اُس کے سیاہ جمپر سے پھسل کر گود میں آگرا تھا □ ——— لیکن ترپتی نے آنچل کو اٹھانے کی زحمت نہیں کی۔ اُس کی عریاں بانہیں نمایاں تھیں۔

صندلی برہنہ بازوؤں کے گوشت آہستہ آہستہ چنگاریاں دینے لگے تھے۔ ترپتی کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

○○

''وہ ہر بار کچھ نہ کچھ برآمد کرلیتا ہے۔ لیکن مجھے تعجب ہے۔ وہ آج تک مجھے برآمد نہیں کر پایا۔ اپنی بیوی کو......'

ترپتی نے جیسے اپنے آنسو پوچھے ہوں! دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے جذباتی لہجے پر قابو پالیا تھا۔ ارے میں تو بھول ہی گئی۔

'کیا؟'

'آپ پہلی بار آئے ہیں۔ اور شاید......' اس کا لہجہ داس تھا۔

'مینن صاحب ہوتے تو......'

'میں ہمت تو کجا، سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'

'کیوں؟'

پتہ نہیں۔ وہ مسکرائی...... 'پہلے چائے۔ آپ چائے لیں گے یا کافی۔'

'کچھ بھی چلے گا۔'

○○

ترپتی کیبن میں گئی تو میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا۔ دیوار پر دو خوبصورت بچوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ کمرے میں ایسا بہت کچھ تھا، جو ترپتی کے ذوق وشوق کی کہانیاں بیان کر رہا تھا □ ـــــــ دیوار پر ٹنگی تصویروں میں ایک بچہ کم ازکم تیرہ سال کا ہوگا۔ دوسرا دس کے آس پاس۔ ترپتی تو اتنی عمر کی نہیں لگتی۔ کیا پتہ۔ ساؤتھ کے رتی رواج اور کلچر کے بارے میں ہم ابھی بھی کتنے انجان ہیں۔

ترپتی کافی لے کر آئی تو میں نے دیوار کی تصویر کی طرف اشارہ کیا ـــــــ

'میرے بچے ہیں۔' ترپتی نے سر جھکا لیا۔

تمہارے یا میننن کے؟' میری آنکھیں اس کی آنکھوں میں سما گئی تھیں۔

میننن کے۔ میں ان کی دوسری بیوی ہوں۔ پہلی بیوی اتفاقیہ طور پر......

اس کا گلا بھر آیا تھا......

'تم نے کہا تھا، میننن سے تمہاری لو میرج ہوئی تھی'

وہ سامنے بیٹھ گئی۔ کافی آہستہ آہستہ سڑکتی رہی...... ہاں لو میرج کی تھی۔ کسی کسی لمحے کا بوجھ ساری زندگی ڈھونا پڑتا ہے۔ انہی دنوں میننن کی پتنی کا دیہانت ہوا تھا۔ وہ گھر آئے تھے۔ بابو جی سے ملنے۔ اُن دنوں...... بزنس میں مسلسل گھاٹے کی وجہ سے سارا گھر پریشان چل رہا تھا۔ بابو جی نے میننن کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی، کہ وہ آثار قدیمہ میں ہیں۔ سامنے بیٹھا ہوا آدمی مجھے ایسا ہی کچھ لگ رہا تھا...... کسی کھنڈر یا قدیم تہذیب سے نکلا ہوا...... بس میں آہستہ سے مسکرا دی۔'

'پھر سودا ہو گیا......؟'

'ہاں۔ تم اسے سودا بھی کہہ سکتے ہو...... گھر والوں کو صرف میری فکر تھی۔ میرا کیا ہوگا۔ میں دودھ سے بالائی کی طرح ہٹا دی گئی تو سارا نقصان پورا ہو گیا۔ میں میننن کے ساتھ خوش تھی مگر......'

کافی کا پیالہ اس نے میز پر رکھ دیا۔ میں نے اسے بغور دیکھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی نائیٹی پہن نہیں رکھی تھی...... نائیٹی کے 'وی' شیپ سے گولائیوں کی پہاڑی جیسی ڈھلانیں ایک بے حد خوبصورت منظر کی عکاسی کر رہی تھیں۔ نیلے پربتوں کے درمیان ایک ہلکی سی کھائی برانگیختہ کرنے والی تھی...... اس نے نظر جھکا لیا تھا۔

'تحفہ میں دو بچے ملے تھے۔ ان بچوں کی اپنی زندگی تھی...... اس زندگی میں، میں نہیں تھی۔ میں ایک نقلی عورت بن کر اس زندگی میں داخل ہونے کی کوشش تو کرتی

رہی ـــــ شاید مینن کو خوش کرنے کے لئے۔ مگر..... بچوں نے صاف کہہ دیا۔

''ماں بننے کی جستجو میں دوسری عورت ایک فاحشہ بن جاتی ہے۔فاحشہ.....''

مجھے وہ لمحہ یاد ہے۔ دن تاریخ یاد ہے..... چودہ فروری ویلنٹائن ڈے ـــــ رات سات بج کر بیس منٹ..... فاحشہ..... بچوں کے لفظ چہرے پر آ کر جھریاں بن گئے ـــــ پل میں خوشیوں کے انگور سوکھ کر کشمش ہو گئے ـــــ مجھے لگا، بچوں نے ریوالور کی تمام گولیاں میرے بدن میں اتار دی ہیں۔ میں چیختی ہوئی غصّے سے پلٹی تو وہیں کنارے میز پر ◻ ـــــ جلتے ہوئے لیمپ کی روشنی میں مینن بہت سے کوڑے کباڑ کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا.....

'تم نے سنا،' میں روتی چیختی ہوئی زور سے گرجی تھی۔

'ہاں سنا۔مگر یہ دیکھو..... یہ.....' اس کے چہرے پر ذرا بھی شکن نہیں تھی..... میں سانسوں کے رتھ پر سوار تھی..... جیسے لکڑی کے 'سانچے' سے ـــــ لحاف میں روئی بھرنے والے ـــــ روئی 'دھنکتے' ہیں۔ میں سانسیں 'دھنک' رہی تھی..... مینن کہہ رہا تھا۔ یہ دیکھو.....'

میں دیکھ رہی تھی۔میز پر کباڑ پڑا تھا..... ہاں کباڑ۔ جیسے کیچڑ یا گندہ نالا صاف کرنے والے پرانی ٹوٹی پھوٹی اشیاء کو دھو پوچھ کر رکھ لیتے ہیں.....

میں سانسیں 'دھن' رہی تھی..... ''ان بچوں نے مجھے.....''

'رنڈی کہنے سے کوئی رنڈی نہیں ہو جاتا..... سنا ہے.....' اس کا چہرہ تاثر سے عاری تھا۔ میں نے ایک تیز چیخ ماری..... غصّے میں میز الٹ دی۔ دوسرے ہی لمحے مینن کے لات جوتوں کی زد میں تھی۔ وہ مجھے ویسے ہی 'دھن' رہا تھا جیسے لحاف میں پرانی روئی بھرنے والے..... وہ مجھ پر سڑی گلی گالیوں کی بوچھار کر رہا تھا۔ بچے مشینی انداز میں، پڑھائی کرنے میں لگے تھے۔

مین چیخ رہا تھا.....'جاہل عورت ۔ پتہ ہے تم نے کیا کر دیا ——— تہذیب ۔ قدیم تہذیب..... ارے آرکیالوجیکل سروے سے ملی تھی یہ نادر چیزیں ——— بدقسمت عورت ۔ برسوں کی کھوج کے بعد تو یہ خزانہ ملا تھا ۔ ہم جس کے لئے مدتوں بھٹکتے رہے ہیں ۔ تال سے پاتال تک..... اسٹوپڈ..... ڈاٹر آف سوائن ۔ بچ..... اس نے مجھے دیوار کی طرف ڈھکیلا..... شکل دیکھی ہے..... بچے ٹھیک کہتے ہیں ۔ بچے کوئی غلط نہیں کہتے.....''

'میں فاحشہ ہوں'..... تڑپی، اچانک میرے سامنے آ کر تن گئی تھی ——— اتنے قریب کہ میں سانسوں کی سرگم سننے لگا تھا..... میں فاحشہ ہوں..... میرے بدن کے 'تاروں' سے روئی کے گولے بکھرتے چلے گئے ۔ اس نے نائیٹی ہوا میں اڑا دی..... میں نے اسے مضبوط باہوں کے شکنجے میں لے لیا۔

'روئی دھننے والے' کی آواز آہستہ آہستہ مدھم مدھم ہوتی ہوئی ایک دم سے کھوگئی ——— وہ اٹھی ۔ نائیٹی پہنی ۔ دل کھول کر مسکرائی ۔ میرے گالوں کو پکڑ کر زور سے بوسہ لیا ۔ آہستہ سے بولی ☐ ——— تھینک یو ۔ واش بیسن پر پانی کے دو چار چھینٹے چہرے پر مارے ۔ پھر مسکراتی ہوئی سامنے آ کر بیٹھ گئی.....

میں نے آہستہ سے پوچھا۔

'وہ بچوں کو بھی لے گیا.....'؟

'ہاں ۔ میرے پاس اکیلے رہنے سے وہ اور بچے دونوں ہی خود کو ان سیکور فیل کرتے ہیں ۔'

'شاید اسی لئے تمہاری آتما بھٹکتی رہتی ہے ۔ کبھی میگزین کا دفتر ۔ کبھی آرٹ گیلری، کبھی میوزک ورکشاپ ———'

میں ایک آترپت آتما ہوں ۔ وہ ہنس رہی تھی..... شاید اسی لئے ماں باپ نے

مذاق کے طور پر میرا نام ترپتی رکھ دیا۔

میں نے کپڑے پہن نہیں لئے تھے ــــــ وہ اچانک اٹھی ۔ بے اختیار ہو کر ایک بار پھر میرے جسم سے لگ گئی ۔وہ رو رہی تھی ۔

'ترپتی...... ترپتی'...... میرے ہاتھ بارش بن گئے تھے...... اُس کے جسم کے لئے...... اس کے تھرتھراتے مچلتے جسم کے لئے ۔وہ ہر جگہ برس رہے تھے ۔بوسوں کی بارش کر رہے تھے...... پھر جیسے بجلی تیزی سے گرجی ۔اسے جیسے غلطی کا احساس ہوا ہو ۔وہ تیزی سے پیچھے ہٹی ۔میری طرف دیکھ کر ہنسی...... پھر بولی......

''آخر اسے ایک تہذیب مل گئی ۔جس کی کھوج میں وہ برسوں سے لگا تھا۔ایک قدیم تہذیب...... یہ اس ڈراونے ویلنٹائن ڈے کے چوتھے دن بعد کا قصہ ہے ۔ مسوری، ہماچل وغیرہ میں برف گری تھی شاید ۔سردی اچانک تیز ہوگئی تھی...... وہ رات کے 3 بجے آیا ۔میں سوگئی تھی ۔عام طور پر جب میں اکیلے ہوتی ہوں ۔بیڈروم میں ــــــ تو برائے نام لباس پہنتی ہوں...... وہ مجھے اٹھا رہا تھا ۔جانوروں کی طرح......

''ہوہو..اٹھو..اٹھو۔''

میں نے سمجھا، ایک جانور پیاسا ہے ۔عام طور پر وہ اسی طرح، ایک بے حس جانور کی طرح اپنی بھوک مٹاتا تھا ۔رات کے تین بجے اُٹھا کر اس نے مجھے صوفہ پر بیٹھا دیا ۔وہ خوشی سے جھوم رہا تھا ۔'جھومر' کی طرح مسکراہٹ اس کے پور پور سے روشنی دے رہی تھی ۔

'بولو ۔اُٹھایا کیوں ۔میں گہری نیند میں تھی ۔''

'مل گیا ۔یوریکا ۔'' اسے میرے لفظوں کی، نیند کی فکر نہیں تھی...... ''تمہیں یاد

ہے...... وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا ـــــ میں نے بتایا تھا نا، 1991ء کے آس پاس جرمن سیاحوں کو آلپس کی پہاڑیوں پر ٹہلتے ہوئے انسانی اعضاء ملے تھے۔ یاد ہے؟ وہ بیسویں صدی کی سب سے عظیم دریافت تھی ـــــ سب سے عظیم دریافت۔ گیارہ برس بعد ـــــ اس کے ٹھیک گیارہ برس بعد۔ آہ تم یقین نہیں کرو گی۔ مگر ہم دنیا بدل دیں گے۔ تاریخ نئے سرے سے لکھی جائے گی۔ میں ان کچھ لوگوں میں سے ایک تھا ـــــ گجرات کے ساحل سے 30 کلومیٹر دور کھمباٹ کی کھاڑی میں ایک عظیم خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ سونو فوٹو گرافی۔ تمہیں یاد ہے نا، چار دن پہلے......

'جلتے ہوئے گجرات میں، عظیم خزانہ......'

'ہاں' مجھے یاد ہے'...... میرے لہجہ میں ناگواری تھی...... چار دن پہلے، ویلنٹائن ڈے کے دن جو کچھ ہوا میں اسے کبھی بھول نہیں سکتی۔'

'بھولنا بھی نہیں چاہئے......' مینن کے لہجہ میں کہیں بھی دکھ یا اداسی کی جھلک نہیں تھی۔ 'جھوم' جیسے اندھیرے میں سوچ کی حرکت سے روشنی کی طرح بکھر گیا تھا......

'سونو فوٹو گرافی سے نکلی تصویریں جب لیب سے باہر آئیں تو ہمیں اچانک احساس ہوا ـــــ سمندر میں 40 میٹر نیچے دفن قدیم ترین تہذیب اچانک رنگین ستاروں کی طرح ہماری قسمت سے جوڑ دی گئی ہو...... ایک قدیم شہر، موہن جداڑو کی طرح رہائشی مکانات ـــــ سیڑھیوں کی طرح نیچے اترتے پوکھر ـــــ تالاب۔

''اور سب کچھ اُسی گجرات کے ساحلی علاقے میں......''

میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں دیواروں کا خیال رکھتے ہوئے چیخی۔ ''میں بھی ایک عظیم پوکھر ہوں۔ ایک عظیم تالاب ہوں اور انتہائی قدیم۔ تمہیں اس عظیم پوکھر میں بہتے پانیوں کے اشارے کیوں نہیں ملتے۔'؟

اس نے میری آواز کو نظر انداز کیا...... وہ بتا رہا تھا۔ تہذیبیں کہیں جاتی نہیں ہیں۔

وقت کے ڈائناسور انتہائی خاموشی سے انہیں نگل جاتے ہیں ☐ ـــــ تہذیبیں 'ممی' سے باہر نکلنے کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ آہ، تم نہیں جانتی..... میں کس قدر خوش ہوں۔ سمندر کے گہرے پانی میں 90 کلومیٹر کے دائرے تک، اس قدیم تہذیب کی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں ـــــ قدیم شہر ـــــ ایک پورا شہر ندی میں سما گیا ـــــ سندھو گھاٹی کی تہذیب کی طرح۔ یہ شہر اسی طرح کا ہے۔ جیسے ہڑپا کے برامدات میں پایا گیا تھا ـــــ مٹی کی بنی ہوئی نالیاں۔ کچی سڑکیں۔ چھوٹے چھوٹے مٹی کے گھر۔ پتھر کے تراشے اوزار۔ گہنے ـــــ مٹی کے ٹوٹے پھوٹے برتن ـــــ جواہرات ـــــ ہاتھی کے دانت اور..... وہ مسکرا رہا تھا۔ سب کچھ یعنی 7500 ق۔م۔ یعنی قبل مسیح کا۔

'یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہو؟'

وہ آگے بڑھا۔ میرے جسم پر یوں بھی کپڑے اس وقت برائے نام تھے..... 'اس نے باقی بچے کپڑے بھی جسم سے الگ کر دیئے..... اس لئے کہ..... ''میری آثار قدیمہ..... تمہیں اب انہیں کھنڈروں میں بیٹھانا چاہتا ہوں..... لیکن اس سے پہلے تمہارے ان کھنڈروں پر ریسرچ کرنا چاہتا ہوں..... اس نے ایک بھدی گالی دی ۔ مجھے بستر تک کھینچنا چاہا اور شاید.....''

وہ ہانپ رہی تھی..... یہ اس کے ساتھ مسلسل، گزر رہے لمحوں کا جبر تھا کہ میں نے الٹا ہاتھ اس کے گال پر جڑ دیا۔

'کتیا.....' وہ ہانپ رہا تھا..... ''ایک بہت قدیم تہذیب برآمد کرنے کے بعد مجھے تمہارے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کی ضرورت نہیں ہے۔''

اس نے مجھے دھکا دیا اور خود کو بستر پر سونے کے لئے ڈال دیا ـــــ میں زمین کے تنہا گوشہ میں دیر تک اپنے آنسوؤں کا شکار ہوتی رہی.....

○○

''پھر کیا ہوا، اس نے تمہیں ڈیورس دے دیا؟''

'نہیں ۔'وہ مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی ...... ایسے لوگوں کو جانتی ہوں ۔ جان گئی ہوں ۔ ایسے لوگ، ڈرپوک ہوتے ہیں ۔ زندگی کے بارے میں بہت دور تک دھوپ اور سایہ دیکھنے والے ...... ایسے لوگ قدم قدم پر ان سیکوریٹی کے مارے ہوتے ہیں ــــــ مینن بھی ایسے ہی جذبے سے دو چار تھا ــــــ میرے بعد ......؟ اپنی، جسمانی اور بچوں کی ...... ترپتی مینن میری طرف مڑ گئی تھی ۔ تمہیں کیا لگتا ہے ایسے لوگ جیت سکتے ہیں؟ نہیں ...... کسی ایک لمحے کا ــــــ بولا گیا سچ ان کی اپنی ذات پر بھاری پڑتا ہے ۔ دوسرے دن وہ ایک سدھا، ہوا بلڈاگ بن گیا تھا ــــــ میرے قدموں پر لوٹتا ہوا ۔ بچے اسکول جا چکے تھے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ۔

ترپتی آگے بڑھ کر کھڑکی کے پٹ کھول رہی تھی ۔ باہر رات کی سیاہی مکمل طور پر چھا چکی تھی ۔ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی ۔ تیز ہوا کے جھونکے کھڑکی کھولتے ہی اندر ہمارے جسموں میں داخل ہو گئے ۔

''ہوا تیز چل رہی ہے، نہیں؟''

'ہاں ۔'

باہر کہرے کے 'آبشار' گر رہے تھے ۔ وہ کھڑکی کے پاس اپنے منہ کو لے گئی ۔ پھر میری طرف پلٹی ۔ ہلکی سانس چھوڑی ۔ چہرے کو اپنی ہتھیلیوں سے خشک کیا ۔

''کہرے کا احساس چہرے پر کیسا لگتا ہے ۔ آں؟ جیسے ایک نم سی ٹھنڈی، روئی آپ کے چہرے پر رکھ دی گئی ہے ...... ہے نا؟''

وہ پھر مسکرائی □ ــــــ میں کہاں تھی ۔ ہاں، یاد آیا ۔ وہ ایک سدھے ہوئے

بلڈاگ کی طرح اپنے نتھنے، میرے جسم پر رگڑ رہا تھا۔ کتا ـــــــ مجھے ابکائی آ رہی تھی۔ تیز نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سیکس کے بخار میں جل رہا تھا۔

''پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے مجھے۔ کل رات...... معاف کر دو تر پتی'...... اس کے رکھڑے، بن ماس جیسے ہاتھ میرے جسم پر مچل رہے تھے۔ وہ میرے کپڑے کھول رہا تھا۔ میں نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ میمنے، کی طرح معصومیت سے، اپنے غصّے کو دبائے اس کے جانور نما، پنجوں کا کھیل دیکھتی رہی...... جب وہ میرے کپڑے اتار چکا اور کسی جنگلی بھیڑیے کی طرح اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے تیار تھا ـــــــ ایک دم اسی وقت، میں کسی جنگلی بلی کی طرح غرائی ـــــــ دھب سے زمین پر کودی ـــــــ غصّے میں اسے پرے ڈھکیلا ـــــــ کپڑے پہنے اور چلائی۔

یو، سن آف بلڈی سوائن۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی......؟

وہ جل رہا تھا۔ وہ اپنے بدن کی آگ میں جل رہا تھا۔ وہ گڑگڑا رہا تھا۔ وہ اپنے بھوکے بدن کی دہائیاں دے رہا تھا۔ میں کسی فاتح کی طرح مسکرائی۔ اس بار اسے سیراب کرنے کے لئے، میں نے سکندر بادشاہ کی طرح فتح کا سہرا اپنے سر لکھ لیا تھا......

ترپتی نے کھڑکی بند کر دی...... 'چلو، اس حادثے کو بھی بھول گئی میں...... بھولنا پڑتا ہے۔ وہ چلتی ہوئی میرے قریب آئی۔ میری جانگھوں پر بیٹھ گئی۔

'سنو۔ تمہارے یہاں کون کون ہیں؟''

'ملوگی؟'

'ہاں۔ ملنا چاہوں گی۔'

'میں آ گئے تو؟'

'اب میں اسے ڈرانا چاہتی ہوں ـــــــ وہ میرے شرٹ کے بٹن سے کھیل رہی

تھی۔ کھیلتے کھیلتے خود بولی......

'ایک بیوی ہوگی!؟'

'ہاں'

'اسے بتاؤگے کہ تم سے ایک ندی کی لہر ٹکرائی تھی——'

'نہیں'

'ڈرتے ہو۔'

'ڈرنا پڑتا ہے۔ بیویاں صرف ایک سمندر......سمندر کی صرف ایک لہر سے واقف ہوتی ہیں—— دوسرے لفظوں میں کہوں تو وہ ساری لہروں پر خود ہی حکومت کرنا چاہتی ہیں۔'

وہ ہنس رہی تھی ......اور کون ہے۔

'ایک بیٹا'

'کتنے برس کا؟'

'آٹھ برس کا'

اور......'

میں نے اسے جانگھوں سے پرے کیا۔ شریانوں میں گرم گرم طوفان کی آمد سے خود کو بچانا چاہتا تھا۔

'تم نے بتایا نہیں۔ اور کون ہے......'

'ایک بیٹی ہے۔ مگر......'

'مگر......؟'

'نہیں۔ وہ ہے نہیں۔ میرا مطلب ہے، وہ بن رہی ہے......بس وہ بن رہی ہے اور ایک دن یقین جانو وہ پوری طرح بن جائے گی۔'

'اس نے چونک کر تعجب سے مجھے دیکھا'

'پہلیاں مت بجھاؤ'

'دراصل...... میں نے اپنا جملہ مکمل کیا...... وہ انکیوبیٹر میں ہے اور مسلسل بننے کے عمل میں ہے......'

'کیا مجھے ملواؤ گے؟'

ترپتی نے اپنا بدن ایک بار پھر میرے بدن پر ڈال دیا تھا ـــــــ

○○

لفٹ پانچویں فلور پر رک گئی تھی ۔ یہ اسپتال کا نرسری وارڈ تھا ۔ فل ایئر کنڈیشنڈ ـــــــ باہر ایک لمبی راہداری چلی گئی تھی ۔ترپتی نے آہستہ سے میرا ہاتھ تھام لیا ـــــــ شیشے کے بنے دروازوں سے گزرتے ہوئے ہم 'ماتر تو سدن' کے بورڈ کے آگے ٹھہر گئے ـــــــ

'یہاں جوتے اتارنے ہوں گے ۔'

ترپتی کے پاؤں جاپانیوں اور چینی عورتوں کی طرح چھوٹے اور ملائم تھے ۔ گیٹ کیپر نے دروازہ کھول دیا ۔ دروازے کے اندر شیشے کی ایک عجیب سی دنیا تھی ۔ ترپتی حیرت سے شیشے کے اس پار دیکھ رہی تھی ۔شیشے کے اس پار بھی، شیشے کے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے گھروندے بنے ہوئے تھے ـــــــ ایسے ہر گھروندے میں نیلے بلب جل رہے تھے ۔

'نیل کہاں ہے؟ ترپتی کی آنکھوں میں تجسس تھا ۔'

وہاں ان گنت انکیوبیٹرس تھے ۔ترپتی کی انگلیاں تیر رہی تھیں ۔وہاں......

'نہیں ، نہیں؟'

'وہ......'

'وہ بھی نہیں......'

'اچھا وہ......دائیں طرف......'

'نہیں......'

'پھر نیل کہاں ہے؟'

'نیل وہ رہی'

'مگر۔وہ انکیوبیٹر تو خالی ہے......ترپتی چونک گئی تھی۔

'خالی نہیں ہے۔غور سے دیکھو'

'خالی ہے! ترپتی کا لہجہ اُداسی سے پُر تھا۔

'ہے نا......میں نے کہا تھا۔وہ بن رہی ہے____' میں نے ترپتی کا ہاتھ زور سے تھام لیا تھا......یاد ہے ترپتی۔میں نے کہا تھا عورت ہر بار بننے کے عمل میں ہوتی ہے۔ایک بے چین آتما......ایک یونانی دنت کتھا میں پڑھا تھا____عورت کی جون میں پرویش سے پہلے، آتما دھرتی کی سو پریکر مائیں پوری کرتی ہے۔ تمہاری آتما بھی بے چین تھی۔کبھی ساہتیہ۔کبھی آرٹ اور کبھی......'

ترپتی میری طرف تیزی سے مڑی۔ہنستے ہوئی بولی......

'سنو۔اس انکیوبیٹر میں مین کو ڈال دوں؟'

'نہیں۔'

میرا لہجہ نپا تُلا تھا......'سب سے پہلے ابھی تمہیں اس انکیوبیٹر سے باہر نکلنا ہے'

میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا......اس کا ہاتھ تھام کر باہر آ گیا......لفٹ کے بٹن پر انگلیاں رکھتے ہوئے بھی میں نے اس کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا____ ممکن ہے وہ انکیوبیٹر میں رہ گئی ہو......یا ممکن ہے، شوہر کے آثار قدیمہ میں بھٹک رہی ہو!

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

لینڈ اسکیپ کے گھوڑے

(پیارے دوست اس۔ال۔حسین کے نام)

سب سے بُری خبر

"نہیں، اس گھوڑے کے بارے میں نہیں پوچھئے۔ برائے مہربانی"۔وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔ برائے مہربانی اور جیسا کہ میں نے کہا، آپ یقین کیجئے۔وہ گھوڑا۔ با...... بابا......ایک بے حد دلچسپ کہانی اور جیسا کہ میں ہوں۔کیا آپ مجھ پر یقین کریں گے۔ ہاں آپ کو کرنا چاہئے......اور وہ گھوڑا چانک کورے کینواس سے چھلانگ لگا کر میرے سامنے آکھڑا ہوا تھا......"

کالے چشمہ کے اندر حسین کی پتلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔نہیں۔مجھے مغالطہ ہوا تھا۔ کسی بھی انسانی آنکھ کی پتلیوں میں یہ جوش میں نے کم دیکھا تھا...... حسین کی پتلیاں ٹھہرتی نہیں تھیں......وہ شرارتی کنچے، کی گولیوں کی مانند تھیں۔ادھر سے ادھر چمکیلے فرش پر تیرنے والی......اور مجھے لگتا ہے باتیں کرتے ہوئے بھی حسین ان پتلیوں کو وقفے وقفے آپ کی نظر بچا کر اپنی ہتھیلیوں میں تھام لیتا ہے۔......گو، ایسا کرتے ہوئے وہ پریشان بھی ہو اٹھتا ہے کہ پتہ نہیں سامنے بیٹھا ہوا آدمی اس کے اس عمل کو کیا نام دے؟ مگر......کنچے کی گولیوں کی طرح اس کی آنکھوں کی شراتی پتلیاں......اور گھوڑے۔

شراب کے دو ایک گھونٹ کے بعد ہی وہ وہ جذباتی حد تک فلسفی بن جاتا ——

'دوست، سب سے بُری خبر ابھی لکھی جانی باقی ہے۔'وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہل رہا

ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ حسین کو چڑھ گئی ہے۔ چڑھنے کے بعد حسین کے اندر سنبھال کر رکھا ہوا، بوجھل آدمی مر جاتا ہے اور ایک حساس، جذباتی اور پاگل آدمی زندہ ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

''دوست، ابھی سب سے بُری خبر لکھی جانی باقی ہے۔ لیکن یہ بُری خبر آہستہ آہستہ لکھی جائے گی اور ممکن ہے۔ ممکن ہے...... اس کے لکھے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہو۔''

حسین پھر اپنی کرسی پر واپس آ کر بیٹھ گیا ہے۔

'کیا یہ خبر تم سے جڑی ہے؟'، میں ہنسنا چاہتا ہوں۔ حسین کو چھیڑنے کا منشا ہے۔ مگر حسین کے اندر کا آدمی دکھ گیا ہے۔

''سب سے بُری خبر...... سب سے بُری خبر کا تعلق محبت سے ہوگا دوست۔ سب سے بُری خبر ہوگی کہ محبت کرنے والے نہیں رہیں گے۔ سب سے بُری خبر ہوگی کہ محبت پر کچھ بھی تحریر نہیں کیا جائے گا۔ سب سے بُری خبر ہوگی......''

حسین بہک رہا ہے۔

میں اپنے دل کو سمجھاتا ہوں۔ حسین، جیسے بہت دیکھے ہیں...... بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سارے پینے والے ہی حسین ہوتے ہیں۔ پی کر، خود پر قابو نہیں رکھنے والے...... اپنے آپ کو بھول جانے والے۔ پھر۔ اندر کا فریڈیشن مزے لے لے کر آپ کو ایک بیوقوف قسم کے جوکر میں بدل دیتا ہے...... یعنی جیسے آپ آئینہ کے سامنے کھڑے ہوں اور اپنے عکس کو دیکھ کر عجیب عجیب حرکتیں کر رہے ہوں۔ فرق اتنا ہے کہ پینے کے بعد آپ اپنی عجیب عجیب حرکتوں کے لئے تو بچ جاتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں دیکھ پاتے۔ پھر بے سر پیر کی کہانیاں اور فلسفے شروع ہو جاتے ہیں اور شراب کا نشہ ہرن ہونے تک، فلسفے بھی شیمپین کے جھاگ کی طرح بہہ جاتے ہیں۔

لیکن۔ سب سے بُری خبر۔

○○

مجھے اس خبر نے چونکایا تھا تو کیا اس آدمی نے، اس پچاس باون سالہ جذباتی خبطی آدمی نے محبت کا روگ بھی لگایا ہوگا...... نہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس پچاس باون سالہ آدمی نے...... ایک انتہائی تجربہ کار، حساس اور جذباتی آدمی نے ______ سوچنے کے آخری لمحے میں میں نے حسین سے اپنے دل کی بات پوچھ لی تھی۔

’’آپ کی سب سے حسین پینٹنگ کون ہے؟‘‘

’’جو میں نے اب تک نہیں بنائی‘‘......

اس کی آنکھوں کی پتلیاں، پھر سے کنچے کی گولیاں بن گئی تھیں۔

اور جو کچھ حسین نے بتایا

یہ کہانی یوں بھی شروع ہوسکتی تھی کہ ایک تیس سال کا پینٹر تھا اور ایک دبئی یا کسی بھی عرب ممالک میں رہنے والی لڑکی تھی۔ لیکن حسین کے لئے صرف لڑکی ہونا، محبت کے لئے کافی نہیں تھا۔ اور وہ بھی تب۔ جب ایک عمر نکل جانے کے بعد بھی ایک عمر آپ میں چھپی بیٹھی رہ جاتی ہے۔ یہ پوچھنے کے لئے کہ میں ہوں تو مجھے جیتے کیوں نہیں ہو۔

’وہ کیسے ملی......؟‘

حسین کے لفظوں میں...... پہلی بار لگا، وہ لڑکی دیکھتے دیکھتے میرے سامنے ایک پینٹنگ میں بدل گئی ہو۔ ایزل، کینواس، برش، رنگ...... اس پینٹنگ میں سب کچھ تھا۔ لیکن لڑکی غائب ہوگئی تھی۔ لڑکی کی جگہ......‘

’گھوڑے نے لے لئے تھے۔‘ میں مسکرایا۔ دلّی کی نمائش گاہ میں اس کی جس پینٹنگ کی، میں نے سب سے زیادہ داد دی تھی، وہ وہی دو گھوڑے تھے۔ دو وجیہہ گھوڑے۔ حسین ایرانی گھوڑے...... آپس میں گلے ملتے ہوئے...... کاغذ کے

کینواس پر پنسل کی باریک لکیروں سے، ان دو گھوڑوں نے جنم لیا تھا۔

'کیا یہ تم ہو، حسین؟'

''آہ نہیں۔ لیکن تم قریب قریب پہنچ رہے ہو۔''

'کیا ان میں سے ایک گھوڑا ہندستانی ہے اور ایک......'

'نہیں...... حسین پر اس بار پینٹنگ والی لڑکی حاوی ہوگئی تھی...... ''اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا۔ عورتیں، مردوں کی کمزوری سے کس حد تک واقف رہتی ہیں......اور شاید وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن شاید اپنی ان کمزوریوں کو مرد بھی پہچانتا ہے۔ مرد ان کمزوریوں سے واقف رہتا ہے...... اس وقت بھی جب عورت اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھا رہی ہوتی ہے......لیکن آہ عورت کبھی مرد کی اس طاقت کو نہیں پہچان پائی...... جس کے بارے میں وہ جان لے تو شاید عورتوں کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے۔ کیونکہ ان کی پہچان کا ایک راستہ مرد کی طاقت سے بھی ہو کر گذرتا ہے۔ حسین کہتے کہتے ٹھہر گئے تھے۔

''وہ میرے دوست کی بہن تھی اور اس دن، میرا دل بار بار کہہ رہا تھا، حسین کچھ ہونے والا ہے...... یہ اندر کے گھوڑے کی بے چینی تھی، جس نے اپنے علاج کے لئے ڈاکٹر دوست کا گھر دیکھ لیا تھا۔

''میں اپنے اسی لباس میں تھا۔ کرتا پانجامہ اور جیسا کہ میں عام طور پر پہنتا ہوں۔ کرتے پر کالے رنگ کی ایک صدری یا بنڈی۔ آپ جو بھی نام دے دیں۔ کال بیل پر انگلی رکھتے ہوئے بھی میرے ہاتھ لرز رہے تھے۔''

اور وہ آئی......وہ سامنے کھڑی تھی۔ تصویر ساکت تھی۔ وہ مجسم میری اس پینٹنگ میں بدل گئی تھی، جو میں نے اب تک نہیں بنائی تھی۔ کیا یہ کیوپڈ کا تیر تھا؟ لمحہ رک گیا تھا اور پینٹنگ ساکت تھی۔

ایک بہت ہی عام چہرہ جیسا کہ میں ہوں......

اور ایک بے حد خاص چہرہ جیسا کہ وہ تھی......

ایک بے حد عام سا مرد......اور بے حد خاص سی لڑکی......

ہم دونوں دروازے پر تھے۔ ایک دروازے پر ہاتھ رکھے ......اور دوسرا دروازے کے باہر۔

خاموش ان لمحوں کا جادو ایسا تھا کہ کسی حسین پینٹنگ کی طرح میں اسے آنکھوں کے کینواس پر قید کر رہا تھا۔ بکھری ہوئی زلفیں۔ آسمانی رنگ کی شلوار، قمیض......اسی رنگ سے میچ کرتا ہوا دوپٹہ......دوپٹہ ہڑبڑاہٹ میں، اس کے کندھے سے ہوتا ہوا سینے پر جھول گیا تھا۔ وینس دی میلو۔ خوبصورت آدھے کٹے ہاتھوں والی عورت اور اس کا براق حسین سینہ۔ وہ سینہ مصفّٰی وہ دو قبہ نور...... یقیناً وہ حسین تھے اور بھرے بھرے۔ اس کے ہونٹ موٹے تھے۔ موٹے ہونٹ میری کمزوری ہیں۔ موٹے اور رسیلے۔ وہ تو وینس دی میلو تھی۔ لیکن میں کیا تھا......؟

وہ مجھ میں کیا دیکھ رہی تھی۔

میں اس پر نثار ہو رہا تھا اور چاہتا تھا، وہ اپنے لئے میری اس کمزوری کو محسوس کرے۔

''عمر۔ عمر کیا ہو گی اس کی؟''

ان جادوئی خاموش لمحوں میں، میں اس کی عمر کی، رواں سڑک سے گزر رہا تھا۔ سولہ، اٹھارہ یا زیادہ سے زیادہ بیس......یا عمر کہیں کسی سرکش گھوڑے کی طرح ٹھہر گئی تھی......ندی بہہ رہی تھی۔

پھر ندی ایک دم سے ٹھہر گئی۔

وینس کو اپنے ہونے کا احساس ہو گیا تھا......

'دیکھیے۔'

میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''میری طبیعت خراب ہے۔ اس وقت بھی بخار سے جل رہا ہوں۔ فرقان میرے دوست ہیں اور آپ کے ملک میں میرا ساتواں دن ہے...... آنے سے قبل، پاکستان سے فرقان سے میری فون پر بات ہوئی تھی'

اس کی آنکھوں میں نشہ تھا۔ وہ ہرن کی طرح لہرائی...... ندی کی لہروں کی طرح گھومی...... دوپٹہ کو ریشم کی ڈوری کی طرح نچایا...... اپنی 'لانبی' گردن کو جنبش دی۔ مجھے اندر آنے کے لئے جگہ دیا۔ مسکرائی۔

''آجائیے۔ فرقان میرے بڑے بھائیں ہیں''۔

ڈاکٹر فرقان، پینٹنگ اور وہ

وہ بات بات پر ہنس پڑتا تھا۔ یا یوں کہیے، اسے ہنسنے کی بیماری تھی۔ یا یوں کہیے، ہنسنا اس کے لئے مریضوں کو 'رجھانے' کا ایک شغل بن چکا تھا۔ مجھے یقین تھا وہ رات میں سوتے سوتے بھی بلاواسطہ ہنستا ضرور ہنستا ہوگا۔ تو یہ ڈاکٹر فرقان تھا۔ (نہیں، آپ اس آدمی یا اُس کی کہانی پر تعجب مت کیجئے، جس کے بارے میں، بعد میں معلوم ہوا کہ فرضی اور جعلی ڈگریوں کے حوالے سے اس نے نہ صرف میڈیکل کی ڈگری حاصل کی۔ بلکہ دبئی تک کا سفر بھی کر آیا۔ بہر کیف ان باتوں کا کہانی سے کوئی زیادہ تعلق نہیں ہے) مجھے تعجب تھا، اتنی حسین لڑکی ڈاکٹر فرقان کی بہن کیسے ہوسکتی ہے اور اس سے مسلسل، باتیں کرنے کے دوران مجھے یہ خیال بھی پیدا ہو رہا تھا کہ اس جیسے کسی ڈاکٹر کو یعنی جس کا ٹارچر کرنے والا پیشہ اس کے چہرے پر بھی لکھا ہوتا ہے، کی کوئی بہن نہیں ہونی چاہئے...... بہن اور وہ بھی اتنی خوبصورت۔

'ہو.. ہو... ڈاکٹر فرقان پھر ہنسا...... تو اب بھی تمہاری وہی عادت ہے، یعنی آڑی ترچھی لکیریں.. ہو ہو..

وہ ہنس رہا تھا۔

وہ سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مسکرا رہی تھی۔

''تو آپ پینٹنگ بناتے ہیں؟''

ہو..ہو۔ ڈاکٹر فرقان کو اپنی بے کار کی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

'آیئے۔ آپ سے کچھ پینٹنگ کے بارے میں باتیں کرتے ہیں...... کھڑے کھڑے اس نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ انتہائی شفاف۔ لانبی مخروطی انگلیاں...... کیا یہ وینس دی میلو کی انگلیاں ہیں۔ آج اس کا دوپٹہ غائب تھا۔ کھلے گلے سے 'قبہ نور' کے دیدار کے لئے آج اس نے میری مسحور نظروں کو روکا یا ٹوکا نہیں تھا۔ جی بھر کر دیکھنے دیا تھا۔ اس کی انگلیاں گرم تھیں۔ ہتھیلیاں، آگ کا گرم انگارہ بن گئی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان ہنس رہا تھا...... پینٹنگ۔ ہو ہو.. جاؤ میری بہن اس موضوع پر تم سے کچھ زیادہ اچھی باتیں کر سکتی ہے...... ہو ہو..

اس نے ہاتھ تھامے ہوئے اپنی بہن کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے عام طور پر وہ اپنے مریضوں کو دیکھتا ہوگا۔

اس کی آواز سرد تھی۔ جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔

'بھیا ایسے ہی ہیں...... ہمیشہ سے۔ یعنی پورے ڈاکٹر......'

ہم بالکونی میں تھے۔ پلاسٹک کی کرسیوں کے پاس کی جگہ ایک چھوٹے سے گارڈن کا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جہاں ہم بیٹھے تھے، وہاں سے آسمان چتوں کی قطار سے جگمگاتا ہوا، کچھ زیادہ ہی گہرا نیلا ہو گیا تھا۔ اس نے نظر جھکائی۔ بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھام لیا۔ وہ اپنے ناخنوں پر لگی پالش سے کھیل رہی تھی۔

''تہذیب نے آرٹ کو جنم دیا اور آرٹ نے تہذیب کے لئے راستے پیدا کئے......

پہلے تہذیب پیدا ہوئی یا پہلے آرٹ؟ پہلے بیج پیدا ہوا یا پہلے درخت؟...... مجھے لگتا ہے، پہلے پہلے ایموشنس، رہے ہوں گے۔ جذبات...... دو آنکھوں، دو دریا اور دو دلوں کے بیچ...... جیسے ندی میں کنکری پھینکو۔ پہلے پہلے کسی نے اس کنکری کی چیخ سنی ہوگی...... اور اس چیخ کو 'پاشان' والوں نے کسی درخت کے کھوکھل یا زمین کے ماتھے پر لکھ دیا ہوگا۔ آرٹ پہلے آیا اور تہذیب......؟''

اس نے کنچوں والے جھولتے گل دستے سے ایک پتہ توڑ لیا...... ''تہذیبیں کتنی آگے نکل گئیں۔ اسٹون، کوپر اور آئرن ایج کے انسان نے اپنے ہر کرشمہ کے لئے آرٹ کو آواز دی ہوگی......؟ ہے نا؟'' وہ میری طرف گھومی تھی۔

''تم پینٹر، عورت میں کیا دیکھتے ہو......؟''

وہ جھکی تو اس کے قبہ نور کے شعلے انگاروں کی بارش کرنے لگے۔ اس نے مجھے اپنے جادو میں تیرنے دیا۔ ذرا توقف کے بعد وہ پھر بولی۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔ تم لوگ عورت میں کیا ڈھونڈھتے ہو۔؟' ایک ننگا جسم؟ وہ میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی...... گداز بانہیں، حسین چکنے پاؤں، جیسے ایک چکنی سڑک اور...... وہ مسکرا رہی تھی۔

پھر اس کی مسکراہٹ کچھ زیادہ ہی گہری ہوگئی......

'کیا تم مجھے دیکھنا چاہو گے......؟'

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اٹھی۔ میرا بدن لرز رہا تھا...... اٹھتے اٹھتے میں نے دیکھا اس نے جھولتے گلدستہ سے جو پتہ توڑا تھا۔ اس کے ٹکڑے زمین پر بکھر گئے تھے۔

ڈاکٹر فرقان! میرے لب تھرتھرائے۔

'نہیں۔ وہ مریضوں کو دیکھنے جا چکے ہیں اور شام کے 8 بجے سے قبل لوٹیں گے

بھی نہیں۔'

وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔ آگے بڑھ کر پچھم کی طرف کھلنے والی کھڑکی اس نے بند کر دی۔ پردہ کھینچ دیا۔ بلب روشن کر دیا۔ مجھے صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر میز پر، کتابوں کے درمیان سے کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی...... پھر تیز تیز میرے قریب آ کر، البم سے ایک تصویر نکال کر ہنس پڑی۔

''پہچانو۔''

تصویر میں ایک سال کی بچی، نہانے والی بالٹی کے پاس کھڑی رو رہی تھی۔ ایک عورت ہاتھ میں پانی کا مگ لئے کھڑی مسکرا رہی تھی......

''یہ میں ہوں، اس نے بچی کی طرف اشارہ کیا...... ''اور یہ ماں ہے۔'' اس کے چہرے پہ معصوم شرارت تھی۔

'دیکھ لیا مجھے۔ اس بچی کو ایک پینٹنگ میں کتنا بڑا کر سکتے ہو؟...... میرے برابر؟...... پھر وہ یہ رہی۔ یا یہ میں بن گئی......؟''

''اس بچی نے کچھ بھی نہیں پہنا ہوا ہے۔'

'اور میں لباس سے ہوں'۔

وہ ہنس رہی تھی...... کمال تو تب ہے جب تم اس بچی کو ربر کی طرح کھینچ کر پینٹنگ میں ڈال دو۔ ڈال سکتے ہو......؟

مجھے گھبراہٹ ہو رہی تھی

'تو کیا یہ میں ہوں گی حسین......؟ یعنی، میں جو ابھی ہوں۔ یا وہ بچی ہوگی، جو اس تصویر میں ہے اور جو نہانے کے نام پر رو رہی ہے۔ برہنہ''

'تم یہ بات کس طرح جاننا چاہتی ہو؟'

'پتہ نہیں۔'

'اس بچی کو اگر ربر کی طرح کھینچا جائے تو......' میں بچی اور اس کے چہرے کو تول

رہا تھا ''بچی میں تم نہیں ہو اور تم میں بچی نہیں ہے''۔

——— 'یہ میری بات کا جواب نہیں ہوا'

اس بار میرا لہجہ سخت تھا——— سنو، پریم پجاری...... امتحان مت لو میرا۔ پینٹنگ کی زبان میں یہ دونوں الگ چہرے اور جسم رکھتے ہیں۔ تمہیں چھوٹا کروں تو اب کی تم کل والی اس بچی میں داخل نہیں ہو سکتی...... اور بچی کو ربر کی طرح کھینچوں تو، یہ تمہاری طرح آگ نہیں بن سکتی۔

''پینٹنگ کی زبان چھوڑ کر زندگی کی زبان میں بات کرو تو......'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''بچی کے ساتھ سیکس کا خیال نہیں ابھرتا اور تمہارے ساتھ''

اس نے گرم ہتھیلیاں میرے ہونٹوں پر رکھ دیں———

قبہ نور، کو اب لباس کی ضرورت نہیں تھی———

وہ ناچی، اچھلی، تڑپی اور میرے جسم میں سما گئی......

یہ پہلے گھوڑے سے میری ملاقات تھی......

○○

کمرے میں ٹپ ٹپ بارش رک چکی تھی۔

''برسوں پہلے موہن جوداڑو کی کھدائی سے——— تمہیں یاد ہے...... 'سفید چادر میں اس کے ملتے پاؤں نے میرے ننگے پاؤں پر اپنا گداز بوجھ ڈال دیا تھا——— تمہیں یاد ہے حسین، وہ آرکائیو والوں کے لئے یقیناً ایک انوکھی، قیمتی اور مہنگی چیز تھی۔ مجھے یاد کرنے دو...... ایک عظیم بھینسا، راکھشس جیسا...... بڑی بڑی سینگیں...... لیکن چھوٹا سر...... دو نوکیلی سینگیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں...... میں نے یہ تصویر کسی امریکن میگزین میں دیکھی تھی...... لیکن، مجھے یاد رہ گئی۔ پتہ ہے، وہ عظیم بھینسا کون تھا۔ وہ تم تھے حسین!''

وہ اچھلی ......سفید چادر اس کے اجلے نرم ملائم بدن سے پھسل کر اس کی جانگھوں تک چلی گئی تھی ______

''تم اس وقت بھی تھے ۔ موہن جودڑو کی تہذیب میں ۔ ایک عظیم بھینسے کی صورت میں ۔ لیکن اس وقت میں کہاں تھی حسین ......؟''

وہ تارکول کی طرح میرے بدن پر پھسل رہی تھی ...... ''میں بن رہی تھی شاید ...... ہر بار بننے کے عمل میں تھی ۔ عیسیٰ قبل کئی صدیاں پہلے یونان میں ...... کبھی 'پارتھنیان'، کے آدھے گھوڑے آدھے انسانی مجسمے کی صورت ...... کبھی وینس اور 'اپالو' کی پینٹنگ میں ...... کبھی لیونارڈو دی ونچی کی مونالزا اور جن آف راکس، دی میڈونا اینڈ چائلڈ اور باچیوز میں ...... اور کبھی رافل، رمبراں اور جان اور میر کی تصویروں میں ......''

وہ کچھوے کی طرح پھدکی ۔ میرے پاؤں کے انگوٹھے کو اپنے ہونٹوں میں بھرا ...... پھر اچھل کر میرے پاؤں کے بیچ و بیچ آ کر بیٹھ گئی ......

''سچ کہنا مونالزا کا صرف چہرہ مسکراتا تھا اور میرا جسم ......''

''لیونارڈ دی ونچی نے تمہیں نہیں دیکھا تھا ۔ اس لئے وہ جسم کی ایسی کسی مسکراہٹ سے واقف نہیں تھا ۔''

''کیا میں مائیکل انجلو کا تصور ہوں؟''

''تم ایک حسین بدن کا تصور ہو''

''کیا میں ......''

میں نے اپنے چیختے بدن کو ایک بار پھر اس کے حوالے کر دیا تھا ......

''تم ایک گھوڑا ہوا اور یقیناً یہ گھوڑا پارتھینان کے گھوڑے سے مختلف ہے ......''

اور اسی کے ساتھ میں نے اس کے جسم کے دریا میں چھلانگ لگا دیا تھا ......

خالی کینواس، ننگا بدن اور چھلاوہ

اس رات، بلکہ یوں کہیے ساری رات میں خود سے لڑتا رہا ...... 'ایزل' کسی ایرانی

گھوڑے کی طرح تنا ہوا، کورے کینوس کا بوجھ اٹھائے تھا...... اور کینوس کا 'کورا بدن' میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے تعاقب میں تھا۔ رنگ بھرے جانے تھے۔ لیکن رنگ کون بھرتا۔ پینسل کا پورا ڈبہ بلیڈ کی حیوانیت کی نذر ہو چکا تھا۔ سفید کاغذ پر دھبے جمع ہو رہے تھے۔ پارتھینان کا آدھا گھوڑا، آدھا انسان۔ ایک سرکش ندی کا بدن...... خیال آ رہے تھے۔ مچل رہے تھے...... اور اس کے مخملی بدن سے پھسلتے ہوئے لوٹ جا رہے تھے۔ آدھی جل مچھلی، آدھا گھوڑا...... یہ بھی نہیں۔ مکمل گھوڑا۔ یہ بھی نہیں۔ اس کا بولتا بدن...... چیختا بدن...... اس کے موٹے، پھل کے رس سے بھرے ہونٹ۔ میں بار بار اس کی زندہ پینٹنگ میں دفن ہوا جا رہا تھا۔ پھر میں نے سوچ لیا۔

''کیا؟''

میں یہاں رہا۔ تو میں مر جاؤں گا۔ ٹھیک اپنے کینوس کی طرح ــــــ کورا...... میں اس کا جسم بن جاؤں گا۔ کیونکہ سمندر کو، ندیوں کو ضم کرنے کا حق حاصل ہے...... وہ سمندر تھی اور

'تم ندی تھے؟......'

''میں ندی بھی نہیں تھا۔ میں ندی کی معمولی لہر بھی نہیں تھا...... اور وہ...... بلاخیز طوفان تھی۔ اس نے مجھے...... آسمان سے باتیں کرنے والا، دو عظیم سینگوں والا بھینسا غلط کہا تھا۔ دراصل''۔

''مطلب......؟''

''موہن جوداڑو کی تہذیب سے نکلے جس مجسمے کی تصویر کو اس نے امریکن میگزین میں دیکھا تھا'' وہ...... وہ خود تھی۔ وہ مجھے خوش کر رہی تھی۔ سمندر ندیوں کو پی کر مہان بننے کا ہنر جانتا ہے۔ یہ ایک طرح سے ایگو پرابلم تھا۔ میں ایسی کوئی ندی نہیں بنتا

چاہتا تھا جسے سمندر آسانی سے ہضم کر ڈالے۔ ندی آہی، لیکن میں ندی بن کر ہی اپنے آرٹ کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔''

''پھر۔؟''

''اس سنسنی خیز حادثے کے بعد میں وہاں دو دن اور رہا۔ دو دنوں میں، میں نے اپنی واپسی کی پوری تیاری کر لی۔ اس درمیان ڈاکٹر فرقان کے کئی فون میری تلاش میں آئے۔ لیکن میں کسی بھی طرح اپنی واپسی کی اطلاع کو اس سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔'

''تو کیا یہ ممکن ہوا۔؟''

''آہ نہیں۔ فلائیٹ میں چار گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ دو بڑے بڑے سامان پیک ہو کر دروازے کے پاس رکھے تھے۔ بیل بجی۔ میں نے دروازہ کھولا...... سامنے، سمندر کی شانت لہریں میری طرف دیکھ رہی تھیں...... اسے میرے واپس جانے کی خبر مل گئی تھی......

''جاؤ''......

وہ ایک بے حد ''اچھالدار'' لہر تھی...... ''مگر یاد رکھو، میرا بدن تمہارے بدن میں رہ گیا ہے۔ کیا اس بدن کو بھول سکو گے؟۔''

جانے سے پہلے وہ پلٹی...... ''اور یاد رکھو۔ یہ پارتھینان کے آدھے انسان کا بدن یا وینس دی میلو نہیں ہے۔''

''سنو''

جانے سے پہلے، اسے آخری بار دیکھ کر، میں نے اپنے آنسو چھپا لئے تھے ـــــــــ ''برسوں پہلے تمہارے جنم میں میں نے اپنا جنم رکھ دیا تھا...... آواگون کو مانتی ہو تو ہم پہلے بھی ملے تھے اور ہم...... پھر ملیں گے......''

دروازے پر کوئی نہیں تھا۔

میری فلائیٹ کا وقت قریب آ چکا تھا۔

دو گھوڑے

قارئین!

سب سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک بے حد خاص موقع کے لئے، بنائی گئی اس بے حد خاص پینٹنگ کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا...... اس پینٹنگ میں دو گھوڑے ہیں۔ دو حسین گھوڑے۔ یہ گھوڑے جوناتھن سوئفٹ، کے خیالی گھوڑوں کی طرح خوبصورت بھی ہیں اور وجیہہ بھی...... یعنی دو بے حد حسین ایرانی نسل کے شاندار گھوڑے...... ان کے دو پاؤں دھرتی پر اور دو ہوا میں معلق ہیں...... اس طرح جیسے یہ کوئی بہت اہم پیغام لے کر ایک دوسرے کے گلے مل رہے ہوں۔ یہ پینٹنگ میری ڈرائنگ روم کی زینت ہے۔ یعنی ایک بے حد خاص موقع کے لئے بنائی گئی...... پینٹنگ...... اور ایک بے حد خاص دوست کی طرف سے ـــــــ اور جیسا کہ پہلی بار دلّی کی نمائش گاہ میں جیتے جاگتے ان دو گھوڑوں کے ملاپ پر، شیشے کے اوپر سے ہاتھ پھیرتے ہوئے میں نے حسین سے پوچھا تھا......

''کیا ان میں سے ایک ہندستان ہے؟''

حسین کی آنکھوں میں چمک تھی......

''اور دوسرا پاکستان......؟''

اور جواب کے طور پر حسین نے کہا تھا...... ''آہ نہیں، لیکن اب تم قریب قریب صحیح جگہ پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

پاکستان جانے سے پہلے حسین کا ایک مختصر دستی خط مجھے ملا تھا۔ ''آپ کی پینٹنگ چھوڑے جا رہا ہوں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے، یہ پینٹنگ آپ کو وہیں

رفیع مارگ، اسی بلڈنگ میں مل جائے گی جہاں میری تصویروں کی نمائش لگی تھی۔''

اوراس طرح، قارئین، بے حد خاص موقع پر بنائی گئی وہ پینٹنگ میرے گھر، میرے ڈرائنگ روم کی زینت بن گئی..... لیکن یہ کہانی چونکہ انہی وہ گھوڑوں کی مدد سے شروع ہوئی ہے اوراس کے خالق حسین ہیں، اس لئے حسین کے بارے میں کچھ اہم اطلاعات آپ تک پہچانا ضروری ہے۔

تقسیم وطن کے دوایک سال بعد، جب مارکاٹ میں کچھ کمی آ گئی تھی، ہندستان، پاکستان دو آزاد ملکوں کے طور پر اپنے قدم مضبوطی سے جمانے کی تیاریاں کررہے تھے..... یہ وہی وقت تھا جب نوابوں کے شہر لکھنؤ کی ویران بستیوں میں حسین کا جنم ہوا تھا۔ ویران بستیاں..... مجھے اپنے الفاظ پر شرمندگی ہے۔ لٹا تو پورا ملک تھا، بلکہ بٹوارے میں تو دل اور دماغ بھی بٹ گئے تھے.....لیکن لکھنؤ کی تہذیب کا خون کچھ زیادہ ہی ہوا تھا ـــــ یہ ایک الگ کہانی ہے کہ لکھنؤ چھوڑ کر حسین کا خاندان پاکستان کیوں آباد ہوگیا ـــــ ظاہر ہے، کچھ تو وجہ رہی ہوگی۔ امین آباد کی انہی سونی گلیوں میں سے ایک میں ڈاکٹر فرقان کے والد، والدہ کا گھر آباد تھا، جن سے بچپن میں حسین کے مراسم تھے..... ہاں پاکستان جانے تک وہ لڑکی، جس کا ذکر کہانی کے شروع میں باربار آیا ہے، کا دور دور تک وجود نہیں تھا ـــــ فرقان پانچ ساتھ برس، حسین سے بڑے ہوں گے ـــــ اور پاکستان سے دبئی جاتے ہوئے حسین کو اتفاقیہ طور پر ان کا پتہ ملا تھا.....لیکن حسین کو کیا خبر تھی کہ اس غیر ملک میں ایک بہت عجیب خبر، ایک بے حد خاص خبر میں بدلنے کے لئے ان کا انتظار کررہی ہے۔

تو میں اس پینٹنگ کی بات کررہا تھا، جو میرے ڈرائنگ روم میں آویزاں ہے۔

(اور پینٹنگ کے پہلے گھوڑے کی کہانی آپ حسین کی زبانی آپ سن چکے ہیں۔)

''دوسرا گھوڑا......''

ہم ہوٹل جن پتھ کے 'بار' میں تھے ۔ یہ حسین کے واپس جانے سے دو دن قبل کا واقعہ ہے ۔ حسین تین پیگ لے چکے تھے اور حقیقتاً، کہنا چاہئے آنکھوں کی تھرکتی پتلیاں، ایک بار پھر کانچ کی گولیاں بن گئی تھیں۔

''قصوں سے کہیں زیادہ پُر اسرار ہوتی ہیں سچی کہانیاں''

''بچپن میں لکھنؤ چھوڑا۔ پاکستان آباد ہو گیا۔ 80ء کے آس پاس دبئی گیا۔ یعنی اچھے کام کی تلاش میں۔ تب عمر ہو گئی یہی کوئی تیس کے آس پاس......ڈاکٹر فرقان کی بہن ٹکرائی......اور میں واپس پاکستان لوٹ گیا''

''پھر......''

حسین نے ایک بڑا سا پیگ بنایا۔ اس کی آنکھوں میں نشہ اتر رہا تھا۔

OO

یعنی یہ پچھلے سال گرمیوں کا ذکر ہے......سن 2001ء کے اگست ستمبر کا مہینہ...... اس خوبصورت حادثہ کے 22-20 برس بعد 'پیس مشن' سلسلہ میں حسین کو ہندستان کے دوسرے فنکاروں کے ساتھ ویزا ملا تھا۔ ویزا کے مطابق وہ دلّی کے علاوہ اپنے وطن لکھنؤ جا سکتے تھے۔ سیاسی سطح پر ہندو پاک کے تعلقات اس حد تک خراب ہو چکے تھے کہ فنکار اور دانشوروں کا طبقہ ان دنوں لگاتار پاکستان سے پیس مشن پر ہندستان آ رہا تھا______

لیکن۔ کیسا پیس مشن......؟ جہاں دلوں کو سیاسی دیواروں نے بانٹ رکھا ہو، وہاں شانتی اور امن کے پیغام بھی بے معنی لگنے لگتے ہیں......شاید اسی لئے ان دو گھوڑوں کی محبت بھری ادا کو دیکھ کر میں نے پوچھا تھا۔ ان میں سے ایک ہندستان ہے اور دوسرا......'

نمائش گاہ سے باہر نکل کر حسین نے مجھے چونکا دیا تھا۔ ''یقین کرو گے یہ میری تازہ پینٹنگ ہے۔''

''یعنی......''

''دوبئی میں اس رات جو کینواس ادھورا رہ گیا تھا، وہ لکھنؤ مسعود نیر کے شہر سے واپسی پر کل رات میں نے پورا کیا۔

''مسعود نیر؟''

فرقان کو مذاق مذاق میں، ہم لوگ مسعود نیر بھی کہتے ہیں ۔(اور جس کے، میڈیکل کی جعلی ڈگری لے کر دبئ آنے کا تذکرہ آپ پہلے سن چکے ہیں)

''ممکن تھا، میں اس رات جانے کا ارادہ ترک کر چکا ہوتا۔ ممکن تھا، میں نے پینٹنگ بنالی ہوتی۔ لیکن میرا یقین ہے۔''

حسین نے زور سے میز پر ایک مکا مارا۔ بار میں بیٹھے دوسرے لوگوں نے پلٹ کر حسین کی طرف دیکھا۔ حسین کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے مدہوشی چھانے لگی تھی ۔

''شاید میرا پیس مشن پر آنا کامیاب ہو گیا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا؟ وہ ہماری آدھی ملاقات تھی جب اس نے کہا تھا، کیا تم اس بدن کو بھول سکو گے۔ ہاں، مجھے اس کی ایک ایک بات یاد رہی اور پورے بیس بائیس برسوں تک ـــــــ پاکستان کی آمرانہ فوجی حکومت...... سیاسی اتھل پتھل اور زندگی کے ہنگاموں کے دوران کا ہر لمحہ...... وہ چہرہ میری آنکھوں کے سامنے رہا...... وہ لفظ میرے کانوں میں گونجتے رہے...... 'یہ پارتھنیان کے آدھے انسان کا بدن یا وینس دی میلو نہیں ہے...... میں جینے کی کوشش کرتا تھا اور سمندر کی لہریں اچانک اچھلتی، گرجتی چاروں طرف سے۔ مجھے اپنے قبضہ میں کر لیتی تھیں...... میں نے سوچا تھا، اس سے دور جا کر میں جیت

جاؤں گا..... مگر نہیں ۔ شاید 22-20 برسوں تک ...... اس سے الگ کی ایک لمبی زندگی ــــــــ شاید میں سچ مچ ندی تھا اور سمندر کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مجھے اپنے میں ضم کر لے..... وہ دور رہ کر بھی سمندر رہی ...... اور میں اتنے طویل برس لگاتار اسی سمندر میں تیرتا ابھرتا رہا ..... ہاں پارتھینان کے آدھے گھوڑے والے حصے کو اپنی ناکامی کے طور پر کاغذ کے کینواس پر رنگ دے چکا تھا مگر......

''دوسرا گھوڑا......؟''

حسین مسکرائے ...... بوتل خالی پڑی تھی ۔ گلاس بھی خالی تھا ۔ نیپکن سے ہاتھ پوچھتے ہوئے حسین نے گلاس پلٹ کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

''لکھنؤ گیا تو معلوم ہوا مسعود تیر دبئی کی پریکٹس چھوڑ کر واپس آ گیا ہے۔ (واپس آنے کی وجہ وہی جعلی ڈگری تھی ۔ یعنی مسعود تیر نے زندگی بھر جو کچھ کمایا وہ سب جعلی ڈگری کے عوض تھا)۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا، وہ بیمار رہ رہا ہے ۔ میں اس کی عیادت کے لئے گیا اور..... لکھنؤ میں امین آباد کی، انہی ویران گلیوں میں سے ایک میں، ذرا سا پوچھتا چھ کرنے پر اس کا مکان مل گیا۔ میں نے دروازہ پر دستک دی اور مسعود تیر کے دروازہ کھولنے کے انتظار میں کھڑا رہا......

کیا آپ......؟

حسین کے چہرے پر نشہ کا دور تک نام نہیں تھا...... کیا آپ جنم جنمانتر کا بندھن یا آواگون پر یقین رکھتے ہیں؟ مجھے میرے لفظ یاد آئے، جو میں نے آخری بار اس کے واپس جاتے قدموں کو روک کر ادا کئے تھے ۔ ''برسوں پہلے تمہارے جنم میں، میں نے اپنا جنم رکھ دیا تھا......'' دروازہ کھولنے والی وہی تھی...... وہ ذرا سی بجھ گئی تھی ۔ لیکن 22-20 برس کے فاصلے کو بہت زیادہ اس میں محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا......

اس نے 'ول پال' کی پینٹنگ کی طرح بہتے ہوئے پانی اور بہتی ہوئی ہوا کو ہاتھ کے اشارے سے، آدھے میں ہی روک رکھا تھا ـــــــــ مجھے دیکھ کر اسے ذرا بھی تعجب نہیں تھا۔ یہ سب کچھ ایسا تھا، جیسے میں اپنے ہی گھر میں، صبح آفس سے گیا گیا شام کو واپس گھر لوٹ آیا تھا۔ ہاں، اس کی آنکھیں تھکی تھکی تھیں۔ لیکن ان آنکھوں میں اس نے ایک لمبا انتظار رکھ دیا تھا ـــــــــ تو اس نے دروازہ کھولا۔ میری طرف دیکھا اور میرا، آخری ملاقات میں بولا گیا میرا ہی جملہ میرے سامنے رکھ دیا......

''آواگون کو مانتی ہوں۔ ہم پہلے بھی ملے تھے اور ہم پھر مل رہے ہیں۔''

''کون ہے؟'' اندر سے ڈاکٹر کی آواز آئی تھی۔

''ہو ہو.. ہو.. آڑی ترچھی لکیریں.. ہو ہو...... آدھی ہنسی کے راستے میں دمہ کے مرض نے اسے بے چین کر دیا تھا...... کم بخت کھانسی۔

''تم لوگ باتیں کرو'...... اندر جاتے ہوئے میں نے ڈاکٹر فرقان کا غور سے جائزہ لیا۔ ان برسوں نے اسے ایک بدنما شخصیت میں تبدیل کر دیا تھا۔ پھولا پیٹ۔ بدن پر چڑھی ہوئی کچھ زیادہ چربی۔ آنکھوں پر کالا چشما اور پیشانی پر سجدے کا داغ۔

سامنے آ کر اس نے اپنی ہتھیلیاں میری طرف بڑھائیں۔

'یہ میرے دوسرے گھوڑے کا چہرہ تھا'

○○

اور اس کے ٹھیک دو دن بعد ہی، میرے لئے ایک دق خط اور ایک، دو گھوڑوں کا پورٹریٹ چھوڑ کر حسین پاکستان واپس لوٹ گئے تھے ـــــــــ خط میں ایک جملہ اور بھی تھا، جسے میں نے جان بوجھ کر کہانی کے حسین اختتام کے لئے آپ سے چھپا کر رکھا تھا ـــــــــ اصل میں حسین کے آناً فاناً پاکستان بھاگنے کے پیچھے بھی ایک راز

تھا اور اسی لئے خط کے آخر میں حسین نے تحریر کیا تھا...... ''مائی ڈیر، وہ لڑکی مجھ سے شادی کے لئے راضی ہو چکی ہے...... پاکستان جا کر بہت سے کام مکمل کرنے ہیں۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔ عقد مسنونہ کے لئے۔ میرے لئے اپنے انتظار کو سنبھال کر رکھنا۔ بس الٹی گنتی شروع کر دو۔ میں پہنچنے ہی والا ہوں۔ تمہارے **ملک**...... اپنے **ملک**......''

دہشت گردی بنام جنگ اور حسین کی آمد

یہ وہ اُنہی دنوں کا واقعہ ہے جب ای میل سے مجھے حسین کا پیغام ملا تھا۔ میں آ رہا ہوں۔ میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔ بائیس برسوں کی مسافت کم نہیں ہوتی یار...... اور جب آپ نے محسوس کیا ہو کہ وہ برس تو آپ نے خرچ ہی نہیں کیے۔ دراصل ہم دونوں نے وہ 22 برس اپنی اپنی ذات کی تحویل میں رکھ کر، کنجی وقت کے والے کر دی تھی...... وقت نے اب جا کر یہ کنجی ہمیں واپس کی ہے۔ یقین جانو، یہ ایک انوکھی شادی ہوگی۔''

○○

اور آپ جانئے، یہ انہی دنوں کا واقعہ ہے، جب دنیا کی تقدیر میں دہشت کے نئے باب لکھے جا رہے تھے۔ قارئین! یہ کہانی کی مجبوری ہے کہ یہ اپنے وقت اور حالت کے تجزیے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی...... 'پرانے ہزارہ' کے تاریخی دھماکے ابھی کم بھی نہیں ہوئے تھے کہ نئے ہزارہ کی چیخوں نے انسانیت کی کتاب میں کتنے ہی لہولہو باب کا اضافہ کر دیا...... 11 ر ستمبر ورلڈ ٹریڈ سینٹر اور پنٹاگن پر دہشت گردوں کے ہنگامے کے بعد ہندو پاک کے درمیان کشیدگی بڑھتی چلی گئی...... پھر 13 ر دسمبر ہندستانی پارلیامنٹ پر دہشت پسندوں کے حملے کے بعد صورت حال آہستہ آہستہ

جنگ میں تبدیل ہوتی چلی گئی...... نتیجے کے طور پر اپنی اپنی سطح پر دونوں ہی ملکوں نے کئی بھیانک قدم اٹھائے —— ہندستان نے نہ صرف اپنا سفارت خانہ بند کیا بلکہ اپنے ہائی کمشنر بھی واپس بلا لیے...... فضائی اڑانوں پر بھی پابندی لگا دی گئی...... ابھی تعلقات کی سرحدوں پر آخری کیل ٹھوکنے کی کارروائی باقی تھی۔

اور وہ کارروائی تھی...... ہندستان سے پاکستان جانے والی سمجھوتہ ایکسپریس اور بسوں کو بند کرنے کی کارروائی......

قارئین! ان پابندیوں کا وقت وہی تھا، جب حسین، اپنی بائیس برسوں کی گمشدہ محبت کو نیا عنوان دینے کے لئے ہندستان آنے والے تھے...... یعنی سمجھوتہ ایکسپریس سے باراتیوں کا قافلہ آنے والا تھا۔

سرحدیں بارود اُگل رہی تھیں۔ واگہہ باڈر سے دلّی بس اڈے تک گھنا کہرا چھایا ہوا تھا۔ باہر سرد لہر چل رہی تھی۔ میں اپنے ڈرائنگ روم میں تھا۔

اچانک یوں ہوا...... پورٹریٹ سے حسین کے دونوں گھوڑے کودے اور میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے...... میں نے غور سے دیکھا۔ یقیناً یہ پارتھینان کے آدھے حصے والے گھوڑے نہیں تھے۔ یہ گھوڑے اپنے حسن میں مکمل تھے۔ لیکن یہ گھوڑے ٹھہرے نہیں، بلکہ پلک جھپکتے ہی ڈرائنگ روم سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں، دیوار پر آویزاں پورٹریٹ کی طرف دیکھا...... وہاں ایک خالی کینواس پڑا تھا۔ مجھے حسین کے الفاظ شدت سے یاد آ رہے تھے۔

''سب سے بُری خبر لکھی جانی ابھی باقی ہے۔ سب سے بُری خبر یہ ہو گی کہ محبت کرنے والے نہیں رہیں گے۔ سب سے بُری خبر کا تعلق محبت سے ہو گا دوست۔''

اور میں نے جوابی کارروائی کے طور پر کہا تھا...... ''سب سے بُری خبر آہستہ آہستہ

لکھی جائے گی۔ جنگ اور دہشت کے ماحول میں‘‘......

ooo

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فزکس، کیمسٹری، الجبرا......

(اپنی بیٹی صحیفہ کے نام ____ کوئی نہ جانے ____ تم کو کیسے کیسے سوچا

میں نے ____ کیسے کیسے جانا میں نے ____!)

'نہیں انجلی۔ یہاں نہیں۔ یہاں میں پڑھ رہا ہوں، نا۔ یہاں سے جاؤ____'

'لیکن کیوں پاپا؟'

'بس۔ میں نے کہہ دیا نا۔ جاؤ۔ کبھی کبھی سن بھی لیا کرو____'

'پاپا۔ مجھے یہاں اچھا لگ رہا ہے۔'

'نہیں۔ میں نے کہہ دیا نا۔ میں کچھ ضروری کام کر رہا ہوں۔ سنا نہیں تم نے۔'

'پاپا ss پاپا ss' آواز میں ہلکی سی خفگی تھی____ تمہارے پاس اچھا لگتا ہے مجھے۔'

OO

ہمّت جٹاتا ہوں۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آتا ہوں۔ بن ماں کی بچی۔ دل میں بہت سارا پیار اُمڈتا ہے____ اندر کے غصّے کو اس کے معصوم چہرے پر ہولے، سے رکھ دیتا ہوں____ جیسے 'دیا سلائی' کے ننھے سے شعلے پر موم کو...... پتہ نہیں کتنا پگھلا ہوں____؟ یا شاید پگھل گیا ہوں____ اس کے سر پر آہستہ آہستہ انگلیاں پھیرتا ہوں۔

'میں تمہارے سامنے پڑھتی ہوں تو اس طرح ناراض کیوں ہوتے ہو؟'

انجلی 'ہنپا' ہے...... 'جاؤ نہیں بولتی۔'

'اچھا۔ ناراض نہیں ہو، نا ـــــ' میں ہنس دیتا ہوں۔

'پپا' انجلی خوش ہو کر بچوں کی طرح مجھ پر بچھنا چاہتی ہے۔ میں پیچھے ہٹتا ہوں۔ اس کے ہاتھوں کو ـــــ نہیں۔ اس کے جسم کو ـــــ خود سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔

'نہیں۔ نہیں انجلی۔ ٹھیک ہے..... بچپنا نہیں۔ اب بڑی ہو رہی ہو تم..... سمجھ گئی..... بڑی ہو رہی ہو'

''ہونہہ۔ پپا کے سامنے بڑے، بچے ہی رہتے ہیں'

'لیکن تم.....' بچی ہو ـــــ کہتے کہتے ٹھہر جاتا ہوں۔ انجلی حیرانی سے میرا منہ تکتی ہے۔

'تم کیا پاپا.....'

مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں ـــــ 'تم نہیں سمجھو گی، انجلی۔

انجلی منہ بچکاتی ہے ـــــ 'میں اب بڑی ہو گئی ہوں۔ میں اب سب سمجھتی ہوں پاپا۔ کبھی کبھی تم سمجھ میں نہیں آتے پاپا۔ لو، میں تمہارے پاس سے جا رہی ہوں۔ لیکن سنو، اکیلے کمرے میں مجھے ڈر لگتا ہے۔ اب میں تمہارے پاس ہی سویا کروں گی، پاپا ـــــ تمہارے ہی کمرے میں'

'میرے کمرے میں؟'

'کیوں، سب بچے سوتے ہیں'

'نہیں۔ میں نے اس لئے پوچھا کہ میں رات بھر لائٹ جلا کر کچھ نہ کچھ آفس کا کام کرتا رہتا ہوں'

'مجھے لائٹ ڈسٹرب نہیں کرے گی پاپا ـــــ' انجلی مسکرائی ہے۔ 'کل سے یہیں

سو جاؤں؟'

'نہیں۔بس کہہ دیا نا۔اب تم بڑی ہو رہی ہو۔اس سے زیادہ سوال نہیں۔'

انجلی کے معصوم چہرے پر سوالوں کی سلوٹیں بکھر جاتی ہیں۔میں جاتے جاتے اس کے الفاظ میں دکھ محسوس کر لیتا ہوں۔

'کوئی بات نہیں پاپا'

انجلی اپنے کمرے میں واپس لوٹ گئی ہے۔اس کی سلوٹوں بھری سوالیہ آنکھیں اب بھی کمرے میں موجود ہیں۔یہ آنکھیں مجھے گھور رہی ہیں۔

'انجلی کو کیوں بھیج دیا؟

میز پر آفس کی کچھ بے حد ضروری فائلیں بکھری پڑی ہیں۔لیکن ابھی، اس لمحے مجھے ان فائیلوں کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

'انجلی کیوں گئی؟ میں نے اسے اپنے کمرے میں کیوں بھیج دیا۔؟

پتہ نہیں ـــــــ لیکن شاید یہ میرے اندر کا سناٹا ہے، جو مجھ سے لڑ رہا ہے۔کیا ہو جاتا ہے تمہیں۔کیا ہو جاتا ہے تمہیں۔اچھے خاصے آدمی سے اچانک 'لڑکی' کے باپ کیوں بن جاتے ہو۔بن جاتے ہو ـــــــ چلو کوئی بات نہیں۔لیکن اپنی ہی لڑکی سے ڈرنے کیوں لگتے ہو......

ایک بزدل آدمی جرح کرتا ہے ـــــــ 'نہیں۔جھوٹ ہے۔ڈروں گا کیوں؟'

سناٹا ہنستا ہے ـــــــ 'دیکھو' اپنے آپ کو غور سے دیکھو۔تم ڈر گئے تھے۔ کیونکہ......' اندر کا سناٹا ایک انتہائی فحش سا جملہ اچھالتا ہے ـــــــ تم اسے عموماً ایسے لباسوں میں نہیں دیکھ پاتے۔ہے ناsss یار، وہ کانونٹ میں پڑھتی ہے۔' سناٹا قہقہہ لگاتا ہے۔کانونٹ یا نئے زمانہ کی لڑکیاں اب آنچل یا اوڑھنی کا استعمال نہیں کرتیں۔وہ اپنے بدن پر کپڑوں کا بہت زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتیں۔تو کیا ہوا۔وہ

تمہاری بیٹی ہے۔'

'بس ڈر جاتا ہوں۔'

'لیکن کیوں؟'

لمبی لمبی سانس لیتا ہوں۔ کہہ نہیں سکتا۔

'بیٹی میں لڑکی تو نہیں دیکھنے لگتے؟'

اندر کا سناٹا دیر تک ہنستا رہتا ہے۔

(2)

اس دن مسز ڈھلن سے یہی تو پوچھا تھا میں نے......

'بیٹیوں میں لڑکیوں کا جسم کیوں آجاتا ہے۔'

'کیا؟' مسز ڈھلن زور سے چونکی تھیں...... لڑکیوں کا جسم...... ہنستے ہنستے چائے کے کپ پر ان کے ہاتھ تھرتھرائے تھے...... 'آپ شادی کرلو، آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں......'

'بیٹی میں لڑکی کا جسم۔ میں نے بہت معمولی بات کہی ہے، مسز ڈھلن۔ یہ لڑکیاں کیوں آجاتی ہیں بیٹی میں...... لڑکیاں۔ پرائی لڑکیاں۔ پرائی لڑکیوں کے جسم پر، مدھومکھی کے چھتوں کی طرح، گرتی ہوئی پرائی آنکھیں...... یہ بیٹیاں بس بیٹیاں کیوں نہیں رہتیں...... بغیر جسم والی...... نہیں، سنو مسز ڈھلن! قصور آپ کا نہیں ـــــــ یقیناً آپ میری بات نہیں سمجھ سکتیں...... لیکن بیٹیوں میں یہ لڑکیوں والا جسم نہیں آنا چاہئے...... ہے، نا؟'

○○

شاید سب کچھ اچانک بدلا تھا ـــــــ اچانک ـــــــ

ہاں، شاید سب کچھ اچانک ہی بدل جاتا ہے۔ گھر میں خوشیوں کا ایک روشندان

تھا میرے پاس ـــــــ سنہری کرنیں آیا کرتی تھیں ـــــــ یہ سنہری کرنیں مسکراتیں تو گھر جگ مگ، جگ مگ کرنے لگتا ......

وہ انجلی کی ماں تھی ...... روشن دان سے جھن جھن جھانکنے والی روشنی کی کرن ......

'تمھیں پتہ ہے، پہلی بار اسکیٹنگ کرنے والوں کو برف کیسی لگتی ہے؟'

'نہیں'

'چکنی اور خوبصورت'

یہ اس کے لئے میرا پہلا کمپلی منٹ تھا ......

وہ زور سے ہنسی تھی ...... ''کیا یہ تمہاری پہلی اسکیٹنگ ہے؟'

'اگر ہاں کہوں تو؟'

یقین کرلوں گی'

''تو پھر یقین کرو۔ اس سے پہلے کبھی برف پر چلنے کا خیال ہی نہیں آیا'

'برف پر ......' اس کے موتیوں جیسے دانت ہنس رہے تھے ...... اُف کتنے شفاف اور قرینے سے رکھے ہوئے ـــــــ

'کیا یہ سارے ہیرے میرے ہیں؟' میں نے اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیا۔

'ہاں' ـــــــ وہ پھر دلکش انداز میں ہنسی تھی ......'اس کے لئے جو پہلی بار اسکیٹنگ سیکھ رہا ہے ......'

○○

پھر یہ 'اسکیٹنگ' جیسے زندگی کا ایک حصہ بن گئی ـــــــ گھر میں خوشیوں والا روشندان کھل گیا ......

وہ مسکراتی تھی ......

'اب کہیں اسکیٹنگ کرنے جاتے ہو یا نہیں؟'

'اب تو تم سے ہی فرصت نہیں ملتی'

'اب کروگے بھی نہیں ۔اس لئے کہ تمہیں اسکیٹنگ سے روکنے والی آرہی ہے......'

○○

یہ انجلی تھی ——— جس کے بارے میں شروع سے ہی اس کا خیال تھا۔ بچی ہوگی ۔

'کیوں ۔'

'زیادہ تر بچیاں اپنے لئے سردیاں پسند کرتی ہیں ۔ میں خود سردی کے موسم میں پیدا ہوئی تھی ——— سنو ۔ اگر بیٹی ہوئی اور بیٹی نے تمہاری طرح اسکیٹنگ کرنی چاہی تو......؟'

میرا چہرہ ایک لمحے کو فق ہوگیا تھا ———

وہ زور سے ہنسی......بس ہوگئی نا چھٹی ۔تم مردوں میں ہر وقت ایک چور مرد کیوں رہتا ہے ۔ بیٹا ہو تو تاڑ پر چڑھا دو ۔ دس گناہ معاف ۔ کچھ بھی پہن لے ۔ دس دس محبوباؤں کے ساتھ گھومتا رہے ۔ مگر بیٹیاں ۔'

وہ میرے چہرے پر جھک گئی تھی......

'ساری......میں کھیل کر رہی تھی......' اس کی مخروطی، جلتی انگلیاں میرے برف جیسے چہرے پر موم کے شعلوں کی طرح اپنی آنچ دے رہی تھیں......میں جانتی ہوں، تم ایسے نہیں ہو......تم اپنی بیٹی سے بھی ویسی ہی محبت کروگے، جیسے...... ہے نا......بیٹی اگر میری طرح ہوئی تو......'

میں نے پھونک مار کر شعلہ بجھا دیا تھا ———

'بیٹی تمہاری طرح نہیں ہونا چاہئے'

'کیوں'

میں شاید خاموش رہ گیا تھا ـــــــ بیٹی اگر بڑی ہوئی تو......؟ وہی خاموشی سے ڈس جانے والا کمپلیکس......'یہ بدن کچھ جانا پہچانا سا ہے...... یہ چہرہ کچھ......!'

(3)

شاید اسی لئے انجلی کی پیدائش پر میں زور سے ڈرا تھا۔ نومولود بچوں کا چہرہ اتنا زیادہ ماں یا باپ سے نہیں ملتا۔ لیکن انجلی میں اس کی ماں مسکرا رہی تھی...... انجلی کو نہارتے ہوئے میں اچانک زور سے چیخا تھا۔

''نیکر......نیکر کہاں ہے؟''

'شی......جاگ جائے گی؟' اس کے چہرے پر خفگی تھی۔ زور سے چلائے کیوں ـــــــ وہ ہنسی......'شوشو ہوگئی تھی اس لیے۔ دیکھو۔ وہاں میز پر نیکر پڑا ہے۔ بدل دو نا پلیز......'

پتہ نہیں۔ لیکن شاید بہت کچھ بدلنے کی ابتدا ہو چکی تھی......

میں نے میز سے نیکر اٹھالیا۔

مگر میرے ہاتھ کیوں کانپ رہے تھے۔

'سنو، تم بدل دو۔'

'کیوں ـــــــ اتنا سا کام بھی تم لوگوں سے نہیں ہوتا ـــــــ تم مردوں سے۔ بس بیوی ہی نو مہینے تک پاگل بنی رہے۔ تمہارا بچہ ہے۔ تم کیوں نہیں نیکر بدل سکتے...... سنو......'

وہ انجلی کا نیکر بدل رہی تھی۔ میں کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

'سنو۔ انجلی کے آجانے سے میرے بھی کام بڑھ جائیں گے ـــــــ تم بزی رہتے ہو۔ لیکن سنو ـــــــ انجلی کو صبح صبح تم ہی نہلایا کرو گے۔ ٹھیک ہے نا؟

'نہیں '

سردیوں کے موسم میں جیسے دانت بجتے ہیں ـــــــ اندر کنوئیں سے کوئی صدا اوپر تک آتے آتے تھم گئی تھی۔

'کیسے باپ ہو، اپنے بچے کو گود میں تو لو؟'

اس نے انجلی کو اچانک اٹھا کر میری گود میں ڈال دیا تھا۔ وہ ہنس رہی تھی۔

'کیسا عجیب سا لگ رہا ہے۔ ہے نا؟ جیسے میں ننھی سی ہو کر تمہارے ہاتھوں میں سمٹ گئی

ہوں......

مجھے زور کا کرنٹ لگا تھا......

انجلی کے ایک سال کے ہونے تک یہ سب سلسلے چلتے رہے۔ یہ لڑکیاں صفائی کے معاملے میں پیدائش سے ہی بڑی Sensitive ہوتی ہیں۔ انجلی زیادہ اسی وقت روتی تھی، جب اس نے شوشو کر دیا ہو۔ کبھی کبھی وہ کچن میں مصروف ہوتی تو وہیں سے ڈانٹ لگاتی۔

'نیکر بدل دو ـــــــ'

شاید وہ پہلا واقعہ تھا۔ نہیں حادثہ...... نہیں، واقعہ کہنا ہی بہتر ہوگا...... وہ شاید شاپنگ کے لئے گئی تھی اور انجلی زور زور سے روئے جا رہی تھی۔ مجھ میں ایک باپ جاگ چکا تھا۔

لیکن کیا، ہمت کی کمی تھی مجھ میں؟

اور کیوں ـــــــ؟

پیشاب سے چپ چپاتے پھلیے سے، میں نے اسے اٹھا تو لیا۔ مگر میرے ہاتھ پیشاب میں سنے نیکر اتارتے ہوئے کانپ رہے تھے...... اس کے ننھے ننھے سے پاؤں میں دوبارہ صاف ستھری نیکر پہنانے تک، میں نے ایک لمحے کے لئے بھی اس کی طرف دیکھنا گوارہ نہیں کیا تھا۔ لیکن کیوں؟

ایک سہمے سہمے سے باپ کو آخر اتنا سمجھانا کیوں پڑتا ہے؟

بچی ہنس پڑی تھی ۔ اب میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ہولے سے، 'منّے' سے ہاتھوں کو چھوا...... پاؤں میں چاندی کے کڑے تھے...... وہ آسمان سے اترا ہوا فرشتہ لگ رہی تھی۔

بیساختہ اسے میں نے گود میں اٹھالیا۔ پیشانی پر چمی لی۔

'میری بیٹی ۔ میری بیٹی'

وہ شاید پہلے ہی آ چکی تھی ـــــــ لیکن چھپ کر یہ تماشہ دیکھ رہی تھی ۔ اس نے زور سے تالیاں بجائیں......

'گڈ آج سے تم باپ بن گئے ۔ اب میری ضرورت نہیں رہی ۔'

'ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟'

'کیونکہ تم میں ایک باپ آ گیا ہے؟ وہ ہنس رہی تھی...... 'سنو، اس باپ کو بزدل نہیں ہونا چاہئے...... سنو، میں اس باپ کو بزدل نہیں دیکھ سکتی......'

وہ دوڑ کر آئی ـــــــ اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے......

'دیکھو...... انجلی ہنس رہی ہے۔ ہنس رہی ہے نا......؟'

○○

شاید اس نے صحیح کہا تھا۔

مجھ میں ایک باپ جاگ گیا تھا اور شاید اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے سونے چلی گئی...... اس رات کی نیند اتنی گہری تھی کہ وہ کبھی نہیں جاگی...... انجلی میری گود میں

تھی...... اور میں آسمان کے کنارے تلاش کر رہا تھا۔ اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلا ہوا آسمان ...... ایک لمبی زندگی اور معصوم سی، مٹھی بھر ہاتھوں میں سما جانے والی انجلی۔

انجلی بڑی ہو رہی تھی۔ باپ ڈر رہا تھا...... باپ دوست بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن، لڑکی یا عورت کے بدن سے جڑی ہوئی کچھ ایسی 'خفیہ' کہانیاں بھی ہوتی ہیں، جو اچانک پُر اسرار راتوں کی طرح جاگ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی، سہمی سہمی راتیں مجھ میں ڈر پیدا کر دیتیں...... خاص کر سرما جیسے موسم میں ـــــــ ایک ہی لحاف میں...... انجلی کے بدن سے لپٹے ہوئے ہاتھ اچانک، خرگوش سے سانپ جیسے بھیانک ہو جاتے......

میں لیمپ روشن کر دیتا۔ کمرے کو اپنی لمبی لمبی، گہری گہری سانسیں سونپ دیتا ہوں۔

یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ انجلی بیٹی ہے۔ بیٹی ہے۔ دو اکم دو۔ دو دونی چار...... انجلی بیٹی ہے...... بیٹی ہے...... بیٹی ہے...... دو اکم دو۔ دو دونی چار/ انجلی بیٹی ہے...... بیٹی ہے...... بیٹی ہے...... میں اپنی سانسوں سے الجھنے کی کوشش کر رہا ہوں......

انجلی میری بیٹی ہے۔ میری جانو...... یار ـــــــ یہ بیٹیوں میں، اچانک لڑکی جیسا بدن کیوں آ جاتا ہے......؟

شاید اپنے آپ کو مضبوط کر رہا ہوں۔ مسکراتا ہوں۔ انجلی کی پیشانی کا بوسہ لیتا ہوں...... پاکیزگی سے بھرا بوسہ...... لحاف اوڑھاتا ہوں۔ ٹھنڈک بڑھ گئی ہے...... لیمپ بجھاتا ہوں۔

لیکن انجلی کے لحاف میں گھسنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

کیوں؟

لحاف کے اندر انجلی کا بدن جل رہا ہے...... میں ٹھٹھر رہا ہوں۔ باہر ٹھنڈک بڑھ گئی

ہے..... کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے..... سگار، ایش ٹرے ——، اندھیرے میں یہ ہاتھ میں سب کچھ تلاش کر لیتے ہیں۔ ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا ہوں..... سگار کا دھواں اور لحاف کے اندر ہلتی ڈلتی ہوئی انجلی.....

شاید یہ اسی فیصلے کی گھڑی تھی.....

'نہیں انجلی، اب تمہیں بستر الگ کرنے ہوں گے..... سمجھ رہی ہونا..... اب بڑی ہو رہی ہو تم..... اور..... پڑھائی بھی تو کرنی ہے تمہیں.....!'

○○

'انجلی کی کیا عمر ہوگئی ہوگی اب ——؟'

یہ مسز ڈھلن تھیں..... فائل پر جھکی ہوئی نگاہیں ——

'چہ..... چودہ.....' کہتے کہتے ٹھہر گیا ہوں ——

'مائی گاڈ..... مسز ڈھلن کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی ہے۔ ''چودہ کی ہوگئی انجلی..... اب آپ کی ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی سر۔ گھر میں اور کون کون ہے..... میرا مطلب، عورت.....

'پہلے ایک آیا تھی.....'

'تھی.....؟'

'ہٹا دیا.....'

'کیوں ——؟'

'وہ انجلی سے زیادہ مجھ میں دلچسپی لیتی تھی۔'

'اوہ نو.....' فائل سے اوپر اٹھی ہوئی نگاہیں..... انجلی کو اس عمر میں عورت کی ضرورت ہے سر۔'

'عورت کی ہے؟'

'Obviously......عورت کی سر......' مسز ڈھلن ہنستی ہیں ــــــ میں کیسے سمجھاؤں آپ کو...... آپ......'

ایک خوفزدہ باپ اپنی منہ لگی اسسٹنٹ کے سامنے چپ ہے...... پریشان سا......

'کیا بات ہے مسز ڈھلن'

'آپ کی زبان میں سمجھاؤں سر ــــــ وہ ہنستی ہے۔ اس عمر میں ایک خوبصورت حادثہ، لڑکی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے...... خوبصورت ــــــ نہیں سمجھ میں آنے والا اور دماغ کی رگیں چٹخانے والا...... کیونکہ لڑکی جوان ہو رہی ہوتی ہے......

'جوان......' سناٹے میں میزائل چھوٹی۔

'لیس سر ــــــ'

مسز ڈھلن نے فائل بند کر دی۔ 'بہتر ہے آپ اس آیا کو پھر سے بلالیں......'

مسز ڈھلن پر آہستہ سے چیختا ہوں ــــــ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں......

'پی...... پی ریڈ۔ اس عمر میں لڑکیوں کو......'

مسز ڈھلن آگے بڑھ جاتی ہیں ــــــ

مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے...... کمرے کا رنگ اچانک سرخ ہو گیا ہے...... لال لال...... کھڑکیوں پر چڑھے ہوئے شیشے...... دیواریں...... اور زمین...... سب لال لال...... سرخ سرخ...... میری آنکھوں کے آگے...... اندھیرا بھی لال اور سرخ ــــــ میں سر تھامنے کی کوشش کرتا ہوں......

'انجلی'

یہ بیٹیوں میں لڑکیاں کیوں آ جاتی ہیں......

○○

'اس دن میں، دفتر سے گھر جلد لوٹ آیا تھا____ دروازے پر داخل ہوتے ہی زور سے چیخا......

انجلی!

مگر کوئی نہیں ۔ دروازے کے پٹ کھلے تھے ۔ سیڑھیاں خاموش تھیں...... اندھیرے میں، اسکرین پر الفریڈ ہچکاک کی کوئی فلم شروع ہوگئی تھی ۔ سسپنس اور تحیر سے بھری ہوئی فلم......

انجلی......

باپ الگ الگ دروازے پر دستک دیتا ہے...... چلاتا ہے...... انجلی...... وہ 'بڑی سی انجلی' کو اچانک دریافت کرلینا چاہتا ہے ۔ مگر اس اچانک دریافت کے بعد...... سرخ سناٹے____ جیسے ذہن کو چیونٹیوں کی طرح کاٹے جارہے ہیں...... انجلی...... یہاں بھی نہیں...... اس کمرے میں بھی نہیں ۔ کہاں گئی ۔ بیک گراؤنڈ سے تیز میوزک...... دروازہ کھلا ہے ۔ انجلی نہیں ہے____ کہاں گئی ہوگی...... کہیں گئی ہوگی یار...... بیٹیاں اچانک جوان ہوجاتی ہیں ۔ کشمکش بھرے لمحے میں خود کو دی جانے والی تسلیاں...... کہیں گئی ہوگی ۔ مگر ۔ اس طرح ۔ گھر کو کھلا چھوڑ کر...... اور وہی...... سرخ انقلاب......

ذہن میں چکر آرہے ہیں......

بالکنی پر آگیا ہوں...... یہ سانسیں دھونکنی کی طرح کیوں چل رہی ہیں...... تیز تیز...... شاید مجھے کچھ ہورہا ہے____ نظروں کے آگے یہ کیسا سرخ انقلاب مجھے پریشان کئے جارہا ہے ۔

ایک بار پھر زور سے چلاتا ہوں...... انجلی!

سرخ منظر ایک ایک کرکے 'لیزر' کرنوں کی طرح انجلی کے بدن میں داخل ہوتے چلے جارہے ہیں...... سامنے اسکرین پر انجلی کا بدن روشن ہے...... اور لیزر

کرنیں......سرخ لیزر کرنیں......

مجھے شاور کی ضرورت ہے......اس بدن کو ہٹاؤ......انجلی کے بدن کو ہٹاؤ......

میں دونوں ہاتھوں سے سر تھامتا ہوں ۔ باتھ روم کی طرف تیزی سے بھاگتا ہوں......دروازہ کھولتا ہوں اور......

باتھ روم کا دروازہ کے کھلتے ہی □ ____ ہینگر پر لپٹے ہوئے سانپ، جیسے زور سے اُچھل کر مجھے ڈس لیتے ہیں____ چیخنا چاہتا ہوں____ مگر چیخ جیسے اندر گھٹ کر رہ گئی ہے......میرا جسم تھر تھر کانپ رہا ہے۔ باتھ روم کی ہر ایک شئے میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ سرخ ٹائلس____ ان کے درمیان اسی کلر سے میچ کرتا باتھ ٹب...... ہلکا ہلکا کھلا ہوا شاور......شاور کے چھید سے ٹپکتے ہوئے قطرہ قطرہ پانی کی بوندیں......اور اُدھر شاور کے داہنی طرف بے ڈھنگے پن سے ہینگر کے سرخ 'رڈ' میں 'کھوسی' گئی انجلی کی برا اور پینٹی____

شاور کے چھید سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی ہیں......ٹپ......ٹپ......

میری آنکھیں سہم گئی ہے......

بدن لرز رہا ہے......

گلہ سوکھ گیا ہے......

جسم کے اندر بھونچال آ گیا ہے......

ریزہ ریزہ کانپ رہا ہے......

کیمرہ باتھ روم میں نہ اب کہیں Pan ہو رہا ہے____ نہ ٹلٹ اَپ____ نہ ہی ٹلٹ ڈاؤن......وہ جیسے اُسی منظر پر Freeze ہو گیا ہے......انجلی کے کپڑے اور......

شاور کے چھید سے ٹپکتی ہوئی پانی کی بوندیں

انجلی!

جیسے بجلی کا کرنٹ لگتا ہے۔

میرے منہ سے ایک زور کی چیخ نکلتی ہے......تھرتھر کانپتا ہوا کمرے میں آتا ہوں......بستر پر رکھا ہوا کمبل اٹھاتا ہوں......نہیں، مجھے ایک شکار کرنا ہے......باتھ روم میں سانپ آ گیا ہے......یہ کمبل نہیں ہے، شکاری کا پھندہ ہے......

پھر وہی باتھ روم......سرخ ٹاٹکس......اور میرا شکار ہے......آنکھیں خوفزدہ ہو کر دوسری طرف کرتا ہوں۔ کمبل ایک جھٹکے سے انجلی کے اندر پہنے جانے والے لباس پر پھینکتا ہوں......پکڑ لیا چور......ہاتھ لرز رہا ہے۔ بدن میں خون کی گردش بڑھ گئی ہے۔ پاؤں کانپ رہے ہیں......ہاتھ میں چوہے دانی ہے______اور اندر حرکت کرا ہوا چوہا......لو پکڑ لیا......انجلی کا کمرہ ہے......اس کا وارڈ روب......آنکھ بند کر کے کمبل کھولتا ہوں......اور یہ گیا چوہا......کمبل وہیں پھینک کر باتھ روم کی طرف دوڑتا ہوں۔ شاور چلاتا ہوں......آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔ پانی کی تیز بوند سر پر پڑتی ہے۔ ایک ذرا سا خیالوں کی برہنہ گپھاؤں سے باہر نکلا ہوں......

یہ مجھے کیا ہو گیا تھا......

میں انجلی کی آواز سن رہا ہوں......پاپا......پاپا......

انجلی آ گئی ہے......

پانی میں ارتعاش پیدا ہوا ہے......میں اپنے جسم کو نارمل ٹمپریچر پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں......

پاپا......پاپا......

انجلی بیٹی ہے......بیٹی......میری پیاری بیٹی......دو ایکم دو۔ دو دونی چار......بیٹی ہے......بیٹی ہے......

○○

'پاپا چیخ کیوں رہے تھے؟'

'تم گئی کہاں تھی؟'

'جاؤں گی کہاں ۔مینو سے نوٹس مانگنے گئی تھی۔'

'مینو؟'

'ہاں ۔وہ پڑوس والے شرما انکل کی بیٹی ۔لیکن تم چیخ کیوں رہے تھے...... پتہ ہے ۔دروازہ رکھلا رہ گیا تھا، اس لئے ـــــ ساری پاپا ۔مجھے خیال نہیں رہا......

'کوئی بات نہیں،

میں مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں ۔انجلی بیٹی ہے ۔دو دونی چار...... دو ایکم دو.......

'ایسے کیا دیکھ رہے ہو پاپا'

'کچھ نہیں'

'نہیں ۔کچھ تو ہے۔'

'دیکھ رہا ہوں کہ اب میری بیٹا بڑی ہوگئی ہے۔'

'تو؟ اب میری شادی کرو گے؟' انجلی مسکرا رہی ہے ۔یہ ایک دم سے باپ کیوں بن جاتے ہو ـــــ اولڈ فیشنڈ ۔' آگے بڑھ کر اس نے میرے گلے میں پیار سے اپنی بانہیں ڈال دی ہیں ۔'تم ایک دوست ہو پاپا ۔میرے لئے...... پاپا سے زیادہ دوست۔'

'ہاں بیٹا' میں تمہارا دوست ہی ہوں۔'

انجلی کے ماتھے پر Kiss کرتا ہوں...... 'دوست ہوں ۔لیکن تمہیں اچانک اتنا بڑا نہیں ہو جانا چاہئے تھا......'

مسز ڈھلن کے لفظ چاروں طرف سے مجھے گھیر رہے ہیں...... ایک خاص طرح کا ساؤنڈ ایفیکٹ ECHO...... انجلی کو دیکھ کر میں مسکرانا چاہتا ہوں مگر وہی......

...... ہر زور ظلم کی ٹکر میں انصاف ہمارا نعرہ ہے۔

سرخ سرخ انقلاب......

مسز ڈھلن کے بجتے ہوئے لفظ..... ''اس عمر میں ایک خوبصورت حادثہ لڑکی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے.....خوبصورت اور نہیں سمجھ میں آنے والا.....پھر دھماکہ ہوتا ہے.....پیریڈ.....تیز دھماکہ..... جیسے ایک ملک نے دوسرے پر بمباری شروع کر دی ہو.....دھائیں دھائی.....

اپنی دنیا میں واپس آنے تک، ایک اٹ پٹا سا سوال کر دیتا ہوں.....

'تم ٹھیک تو ہو بیٹی۔ میرا مطلب ہے رات میں؟'

'رات میں.....'

'ر.....ا.....ت ـــــ 'رات میرے ہونٹوں پر آکر □ ـــــ طلسم ہوش رُبا کی پتھر بنانے والی ساحرہ بن گئی ہے.....ہاں، رات میں.....ٹھیک ہو، نا.....میرا مطلب ہے.....'

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے رات وات میں کچھ نہیں ہوتا ہے ـــــ دیکھو۔ میں بالکل فٹ ہوں۔'

انجلی میرے سامنے تن گئی ہے۔

میں مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں.....اندھیرے میں، آسمان پر چمکتے ایک پیارے سے تارے کو 'ہولے' سے چھولیتا ہوں.....نہیں..... میں بالکل ٹھیک ہوں اور صحتمند.....

(5)

کیا میں 'پرورٹیڈ' ہوں؟

نہیں۔ مجھے یقین ہے ـــــ میں پرورٹیڈ نہیں ہوں۔ میں گندے ذہن کا آدمی نہیں ہوں۔ ویسا آدمی، جیسا ہمارے ماحول میں عام طور پر 40 کے بعد کے مرد ہو جاتے ہیں..... انہیں کہیں بھی دیکھ لیجئے۔ بس اسٹاپ سے کلب اور اپنے

خوبصورت دفتر کے 'رعب دار' کمرے میں اپنی حسین سکریٹری کو ڈکٹیشن دیتے ہوئے...... وہ اس بات پر دل کھول کر ہنستے ہیں کہ بغیر کرسیوں والے باس کے کمرے میں، باس کے 'بیٹھ جاؤ' کہنے پر نئی آئی ہوئی سکریٹری نے اِدھر اُدھر کرسیاں تلاش کرنے کے بعد پوچھا تھا——— کہاں بیٹھوں سر، یہاں تو کرسیاں ہی نہیں ہیں......'

وہ بہت کچھ گھر سے اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں...... پرانی بیوی کا اداس بستر...... اس کے ڈھلتے جسم کی 'سدا بہار' جوانی——— اور پہلے جن پتھ Kiss کے نان ویج لطیفے...... جانتا تھا، یہ سب اندر کا فرسٹریشن ہے اور کچھ نہیں...... ان ڈھلتی ہوئی عمر کی پائیدان پر کھڑے مردوں کے لئے جوانی کا اشتہار، بن جانے کی روایت کوئی نئی نہیں ہے...... جسم سونے لگتا ہے تو ہونٹ بولنے لگتے ہیں اور آنکھیں زہریلی ہونے لگتی ہیں......

لیکن......

انجلی کی ماں کے مرنے کے بعد سے لے کر اب تک، کسی Psychiatrist یا Sexologist کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں کبھی بھی گندی ذہنیت کا قائل، کبھی نہیں رہا...... 'ڈھلان' پر کی ڈھلان باتیں——— نان ویج لطیفے...... میں ان لطائف میں انجلی کی ماں کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا...... عورت میرے لئے دیوی یا تقدس کی مورتی نہ سہی، لیکن لائق احترام شئے ضرور رہی، اس لئے مجھے ہمیشہ خود پر ناز رہا...... میں ان ڈھلتی عمر کے بوڑھوں میں سے نہیں ہوں...... جو اندر کچھ باہر کچھ ہوتے ہیں......

لیکن یہ سب اچانک......

یہ میرے لئے عمر کا ایک نیا موڑ ہے——— یار، یہ بیٹیوں میں ایک دم اچانک سے، لڑکیاں کیوں آجاتی ہیں......

''چلئے۔ مان لیا میں پرورٹیڈ نہیں تھا۔ پھر انجلی کے اندر گارمنٹس کو دیکھ کر ڈر کیوں گیا تھا.....؟ حواس باختہ.....میری چیخ کیوں نکل گئی تھی ـــــــ؟

بیٹی مقدس شئے ہے تو اس کے کپڑے بھی مقدس ہوئے.....پھر.....؟ میں ڈر کیوں گیا تھا؟ چوہے کو جال میں چھپانے جیسا، کمبل ڈالنے کا واقعہ کیوں پیش آیا ـــــــ شاید، انسانی سائیکی ابھی بھی اپنے اندر کا بہت کچھ سراغ لگا پانے میں ناکام ہے.....

مگر.....سرخ انقلاب اور

○○

'انجلی بڑی ہو رہی ہے.....'

'کتنے کی.....چودہ.....چودہ کی ہوگئی، نا انجلی.....'مسز ڈھلن میری آنکھوں میں جھانک رہی ہیں.....اُن کی آنکھوں میں شرارت ہے۔

'آپ کو.....آپ کو ہشیار رہنا چاہئے سر۔'

'کیوں؟'

'بس' کہہ دیا نا ـــــــ 'یہ عمر ہی ایسی ہے۔'

'یعنی 14.....14 کی عمر.....'

'سب سے سنسنی خیز ـــــــ لڑکیوں کے لئے سب سے سنسنی خیز عمر یہی ہوتی ہے.....اس عمر میں لڑکیاں Love Letter بھیجنا شروع کر دیتی ہیں.....

'لو.....لیٹر ـــــــ 'میری سانس رک رہی ہے.....انجلی کا چہرہ ایک پل کو، آنکھوں کے آگے دوڑ جاتا ہے۔ یہ معصوم سی بچی.....آنکھوں کے پردے پر چھوٹے چھوٹے انجلی کے ہاتھ ہیں.....نہیں، یہ ہاتھ محبت بھرے خط نہیں لکھ سکتے.....'

'کیا سوچ رہے ہیں سر؟ مسز ڈھلن مسکراتی ہیں۔ لیکن آپ کے لئے۔ آپ کے

لئے کیا غلط ہے سر...... آپ تو اس معاملے میں بہت لبرل ہیں......یعنی...... مجھے لگتا ہے، آپ اس معاملے میں بھی انجلی سے شیئر کریں گے...... کیوں سر...... زمانہ بدل رہا ہے۔ بس انجلی کو پھسلنا نہیں چاہئے...... سمجھ رہے ہیں نا سر۔ بس اسی جگہ تھوڑا سا ہشیار رہنے کی ضرورت ہے......'

لیکن کیوں ضرورت ہے مجھے ـــــــ؟ بڑے ہوتے ہی ہم اپنا زمانہ کیوں بھول جاتے ہیں۔ انجلی کی جگہ لڑکا ہوتا تو؟ تب تو چلا چلا کر اس کی پہلی پہلی محبت کی خوشی میں فائیو اسٹار میں ڈنر دیتا...... لوگ پوچھتے معاملہ کیا ہے؟ تو چلا کر کہتا...... میرے بیٹے کو پہلی بار کسی سے محبت ہوئی ہے...... میرے...... بیٹے کو......

انجلی کی محبت پر پارٹی کیوں نہیں دے سکتا......؟

نہیں۔ انجلی لڑکی ہے۔ انجلی کو محبت نہیں کرنا چاہئے۔ لڑکیوں کے معاملے الگ ہوتے ہیں۔ مسز ڈھلن بتاتی ہیں۔ جب ان کی بیٹی سات سال کی ہوئی تھی اور مسٹر ڈھلن بہت پیار کرنے والی اپنی بیٹی کو باتھ روم سے نہلا کر ـــــــ ٹاول باندھ کر باہر لائے تھے ـــــــ تو ان کی ممی نے اسے سمجھایا تھا۔

Not, not again. اب بیٹی کو تم ہی نہلایا کرو۔

'لیکن کیوں ممی۔ وہ باپ ہے۔'

'باپ ہے تو کیا ہوا۔ ہے تو مرد'

مرد......؟ باپ کو مرد نہیں ہونا چاہئے...... بیٹی۔ سگی بیٹی...... باپ کتنی کتنی باتوں سے محروم ہو جاتا ہے یا کر دیا جاتا ہے۔

مسز ڈھلن نے پوچھا تھا......

'آپ۔ آپ کیا کرتے ہیں سر۔'

'میں انجلی کو سات آٹھ سال کی عمر تک خود ہی......'

مسز ڈھلن نے قہقہہ لگایا تھا...... وہی...... آپ نے کہا تھا، ناسر ـــــــ یہ بیٹیوں میں لڑکیاں کیوں آجاتی ہیں ـــــــ ماں غسل دیتی ہے تو بیٹیوں میں لڑکیاں نہیں آتیں ـــــــ بیٹیوں میں بیٹیاں ہی رہتی ہیں مگر......'

مسز ڈھلن نے کتنی آسانی سے یہ سچ اگل دیا تھا...... اور حقیقت تھی کہ انجلی کے پھیلتے جسم کے ساتھ ہی، تقدس کے رشتے نے، قدم قدم پر اپنی Limitations کی دیوار اٹھانی شروع کردی تھی...... یہ جوان ہوتی لڑکیوں کا جسم اچانک لاؤڈ اسپیکر کی طرح چیخنے کیوں لگتا ہے......!

اور یہ چیخ میرے اندر اتر رہی تھی۔ ایک کمزور باپ کی آتما میں...... کیا انجلی کسی کو لیٹر لکھ سکتی ہے۔

'نہیں۔'

'کیوں؟'

'بس نہیں لکھ سکتی'

'کیوں نہیں لکھ سکتی؟'

'اس لئے کہ میری بیٹی ہے۔'

لیکن اس نے اگر لکھنا شروع کردیا تو ـــــــ؟ کالج ہے...... سارا دن اکیلے رہتی ہے...... اس نے کبھی اس بارے میں پوچھا نہیں ـــــــ وہ اپنی تنہائیاں کس کے ساتھ شیئر کرتی ہے...... سارا دن کس طرح اپنا دل بہلاتی ہے...... کالج میں کیا کرتی ہے...... کالج سے کتنے بجے گھر واپس آتی ہے......

سوچ کی رفتار رک نہیں پا رہی تھی......

اور اس دن گھر میں داخل ہوتے ہی ایک بار پھر وہ نازیبا واقعہ رونما ہوگیا تھا ـــــــ

وہ اپنے کمرے میں تھی ـــــــ وارڈ روب کے ہینگر میں لپٹے کپڑے اس کے بستر پر پھیلے تھے ـــــــ مجھے سامنے دیکھ کر وہ ڈر گئی تھی ـــــــ اس نے اپنے ہاتھوں کو اچانک پیچھے کر لیا تھا...... چھپا کر...... مسز ڈھلن کے لفظ میرے اندر چیخ رہے تھے......

'کیا...... کیا بات ہے پاپا......'

وہ چونکنا تھی ـــــــ اس کی نظریں مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھیں ۔'یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'

'کچھ نہیں ۔'

'کچھ نہیں کچھ...... لاؤ دکھاؤ'

'نہیں پاپا......'

'دکھاؤ......'

'میں نے کہہ دیا نا ، کچھ نہیں ہے پاپا۔'

'پھر چھپا کیوں رہی ہو۔'

بس ایسے ہی ۔

'لاؤ دکھاؤ، میں غصّے کا مظاہرہ کرتا ہوں ۔وہ بستر سے چھلانگ لگاتی ہے...... یقیناً لولیٹر...... اشارہ سے دکھانے کو کہتا ہوں ۔وہ پیچھے دیوار کی طرف ،میری طرف منہ کیے ہٹتی ہے......

'نو...... نو پاپا...... کچھ نہیں ہے ۔آپ جاؤ......'

'نہیں...... لاؤ......'

اور...... اب دیوار ہے ۔وہ پیچھے نہیں جا سکتی ۔وہ دیوار کے پار نہیں ہو سکتی ۔میں چیختا ہوں ـــــــ اور وہ چور خط میرے سامنے کھول دیتی ہے...... انجلی کی آنکھیں

بند ہیں۔ بدن تھر تھر کانپ رہا ہے۔ کھلے ہوئے ہاتھوں پر اس کی 'برا' اچانک سانپ کے پھن کی طرح میرے سامنے تن جاتی ہے......

'نہانے جارہی تھی......'

'کیا......؟'

وہ اچھلی...... باپ کے سامنے جوان ہوتی عمر کے چغلی کھانے کا احساس اُسے اچھا نہیں لگا تھا ـــــــ انجلی نے برا کو پھر سے مٹھیوں میں جکڑ لیا تھا اور باتھ روم بھاگ گئی تھی......

OO

میں سرتاپا لرز رہا تھا۔

اس کی کھلی مٹھی میں جگنو نہیں تھے ـــــــ تارے نہیں تھے ـــــــ محبت بھرے خط نہیں تھے...... دھماکہ تھا...... اشتعال تھا۔ سنسنی خیزی تھی......وہ شئے تھی، جس کے احساس سے ذہن، بدن کے خطوط ناچنے لگتا ہے......

انجلی کی کھلی مٹھیاں...... انجلی کی بند آنکھیں...... پھر انجلی کا اچھل کر بھاگنا......

یہ۔ یہ کیا ہوگیا...... کیا سمجھا ہوگا انجلی نے...... کتنا Guilt محسوس کیا ہوگا...... اس کا ذہن تناؤ کا شکار ہے۔ رگیں پھٹ رہی ہیں......

میزائلیں مسلسل چھوٹ رہی ہیں......

بدن ۔ بارش ۔ شاور...... اور کھلی ہوئی ہتھیلیاں ـــــــ اور کھلی ہتھیلیوں کا چور ـــــــ

مجھے کچھ کرنا ہوگا۔ اپنے آپ کو شانت کرنے کے لئے مجھے کچھ کرنا ہوگا......

لیکن کیا کرنا ہوگا۔

انجلی۔ بدن۔ بارش۔ شاور اور کھلی ہتھیلیوں کا چور...... مجھے کچھ کرنا ہوگا......

واتسائن اور انجلی

انجلی اور روانسیائن......

مجھے کچھ کرنا ہوگا______

ٹہلتا ہوں۔ تیز تیز سانسوں کو دل کے کبوتر خانے میں جکڑنے کی کوشش کرتا ہوں......سانسوں کی لہروں کو سمجھاتا ہوں۔ اتنا تیز مت بہو......

کیوں......

مت بہو اتنا تیز......

انجلی بیٹی ہے۔ دو ایکم دو۔ دو دونی......انجلی بیٹی ہے......ٹہلتے ہوئے انجلی کی میز تک آ گیا ہوں......کتنی گندی ہو رہی ہے یہ میز۔ کتابیں بکھری پڑی ہیں...... یہ آنکھیں □ ______ ان کتابوں پر جمانے کی کوشش کرتا ہوں......

فزکس۔ کیمسٹری۔ الجبرا......

موٹی موٹی کتاب کے صفحات میرے ہاتھوں کالمس جذب کرتے ہیں۔ کتنی مدت ہوگئی۔ انجلی کو ساتھ پڑھانے بھی نہیں بیٹھا۔ کبھی پوچھا بھی نہیں۔ دسویں پاس کرنے کے بعد کیا لیا...... سائنس یا آرٹس______ بس کالج اور ٹیوشن کے پیسے دیتا ہوں......اور یہ کتابیں______ فزکس۔ کیمسٹری۔ الجبرا......میز کتنی گندی ہو رہی ہے۔ روشنائی بھی گر گئی ہے۔ میز صاف کر رہا ہوں______ فزکس، کیمسٹری...... الجبرا......

انجلی کی کھلی ہتھیلیاں اور بند آنکھیں ذہن کی **Retina** پر **Freeze** ہو جاتی ہیں۔ انڈر گارمنٹس۔ پینٹی، برا اور......فزکس۔ کیمسٹری......

پینٹی برا......

فزکس، کیمسٹری......

کتابوں کو قرینے سے سجا رہا ہوں......

یہ انجلی کی کتابیں ہیں اور وہ......انجلی کے انڈر گارمنٹس ۔

فزکس، کیمسٹری، الجبرا......

پینٹی اور برا......

میں وہیں کرسی پر بیٹھ گیا ہوں——ان میں فرق کیا ہے ۔ کتابوں میں اور کپڑوں میں ۔ دونوں انجلی کے ہیں......

انجلی میری بیٹی ہے......

کتابیں میز پر سجا سکتا ہوں تو بیٹی کے انڈر گارمنٹس چھوتے ہوئے بدن میں زلزلہ کیوں آجاتا ہے......

مقدس باپ کے ذہن میں کہیں کوئی ایک چور دروازہ بھی ہوتا ہے کیا......؟

اس چور دروازے سے ہوکر بیٹی لڑکی کیوں بن جاتی ہے......

فزکس......کیمسٹری......

کیمرہ پین ہوتا ہے——سرخ ٹائلس ۔ باتھ روم......باتھ روم کی دیواریں ۔ سرخ بیسن ۔ باتھ ٹب......ایک بار پھر شاور کے پاس ہی ہینگر سے جھولتے انجلی کے انڈر گارمنٹس......پینٹی اور برا......فزکس، کیمسٹری......الجبرا......

مڈ شاٹ ——کلوز میں، میں ہوں ۔ میں نے ہاتھ بڑھا دیا ہے اور یہ کیا——میرے ہاتھوں سے سانپ کے پھن غائب ہو گئے ہیں......کلوز میں

میرا ہنستا ہوا چہرہ......ڈیز الو......

انجلی کپڑے بدل کر کمرے میں آجاتی ہے......سجی ہوئی میز کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکراتی ہے......

I am proud of you, my papa ——تم نے میری میز صاف کر دی ۔

'کیوں؟' اس میں Proud کی بات کیا ہے؟'

'ہے کیسے نہیں؟'

'کیسے ____؟'

'میری سہیلیوں کے پاپا ایسا نہیں کر سکتے۔'

'کیوں نہیں کر سکتے۔'

'بس نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ وہ میرے پاپا نہیں ہیں۔

وہ اُچھل کر اپنی بانہیں میرے گلے میں حمائل کرتی ہے۔ I love you papa

فزکس، کیمسٹری...... الجبر......'

میں مسکراتا ہوا، اس کو اپنی بانہوں میں لیتا ہوں ____

انجلی میری بیٹی، تم اپنی ماں سے کتنی ملنے لگی ہو۔'

'ماں سے؟' وہ ہنستی ہے □ ____ 'مسکراتی ہے۔ اسی لئے پیار ہو رہا ہے۔ کیونکہ مجھ میں ماں آ گئی ہے۔"

انجلی پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہے...... وقت نے یہ منظر یہیں فریز کر دیا ہے......

فریج میں عورت

(i)

وہ چپ چاپ اس بات کا اعتراف کرلیتا تھا…… ’’ہاں، میرے فریج میں ایک عورت ہے‘‘۔

……فریج میں عورت؟‘

……’کیوں۔ عورت فریج میں نہیں ہوسکتی۔ میں جب چاہوں، اسے فریج سے باہر بلالیتا ہوں۔ کمرے میں پیار، اس کے ساتھ ہنستا ہوں۔ باتیں کرتا ہوں۔ دل بہلاتا ہوں۔‘

OO

فریج والی عورت پہلی بار اس کے کمرے میں کب آئی یا اس کے کمرے نے پہلی بار فریج کا منہ کب دیکھا، یہ ایک لمبی کہانی ہے…… ممکن ہے آپ اس کہانی پر کچھ زیادہ یقین بھی نہ کریں، یا یہ کہانی آپ کو بے وقوفی سے بھری ہوئی ایک من گھڑنت کہانی نظر آئے۔ تسلیم! اس کے باوجود میں کہوں گا آپ اس کہانی کا مطالعہ ضرور کریں……

بہار کے موتیہاری ضلع کے رہنے والے نربھے چودھری کو دلّی میں جگہ کیا ملی، قسمت کھل گئی۔ عام طور پر مہانگر میں آنے کے بعد آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں۔ مگر نربھے چودھری کا رویہ دوسرا تھا۔

’’کاہے، موتیہاری اب کم ہے کا۔ ارے اب یہاں بھی شوٹنگ ہوتی ہے۔ بڑے بڑے ہیرو ہیروئین آتے ہیں۔‘‘

ان دنوں موتیہاری میں شول فلم کی شوٹنگ ہوئی تھی، اور نربھے چودھری کے اپنے

لفظوں میں...... ''یار روینہ کوتو دیکھ کے ہم پگلئے...... گئے......''

آپ مانیں یا نہ مانیں، ہر آدمی کے دماغ کے اندر ایک رنگین گلیمر کی دنیا ہوتی ہے ۔سو یہ دنیا ہمارے ہیرو نر بھے چودھری کے ذہن میں بھی موجود تھی...... غلط پہاڑا رٹنے کی باری تب آئی جب اپنے نر بھے چودھری کو کچھ دنوں تک جے این یو یعنی جواہر لال نہرو یونیورسٹی رہنے کا اتفاق ہوا۔پیسوں کی تنگی ہوئی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کمپیوٹر میں گھس گئے......کمپیوٹر کے آئیں ۔بائیں ۔شائیں، بٹنوں پر کمانڈ نہیں ہوا تو، ایئر کنڈیشن، والوں کو جوائن کرلیا......ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈک برداشت نہیں ہوئی تو واشنگ مشین بنانے والی ایک نئی کمپنی میں سیلیس مین ہو گئے ۔ یہ نوکری بھی نہیں بچی تو کچھ دنوں تک ٹیوشن پڑھانے کا کام شروع کیا...... یہاں تک کہ ساؤتھ ایکس جیسی پاش کالونی میں ایک لڑکی کو پڑھانے کا کام مل گیا۔آخر ایم اے پاس تھے ۔لیکن 'بہاری' میں انگریزی بولنے کی وجہ سے، یہ ''ریسپیکٹیڈ'' کام بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا......ان کی دقت یہ تھی کہ:......

''ایاں لوگ انگریزی نہیں جانتے ہیں نا۔ بڑ بک ۔ہم کو بہاری کہتے ہیں۔بتائیے بہار کوئی انڈیا سے باہر کا ہے ۔؟ بڑے قابل بنتے ہیں ۔ارے ہم جو انگریزی بول دیں گے ۔ای کا بولیں گے ۔گاندھی جی بھی موتیہاری گئے تھے۔پتہ ہے۔''

ڈھنگ کی نوکری کیا ملتی ،چپل گھستے گھستے دوردرشن کے لئے سیریل بنانے والے پروڈیوسر اجے گوسوامی سے ملاقات ہوگئی ۔کریٹیو ریلس......بن گئے ۔کریٹیو ریلس کے پروڈکشن منیجر ۔وزیٹنگ کارڈ بھی چھپ گیا۔ جمنا پار علاقے میں سستے ریٹ پر ایک چھوٹا سا کمرہ بھی مل گیا۔

تو گلیمر کی جو رنگین سی دنیا کبھی فلم ریل کی طرح ذہن کے پردے پر چلتی تھی، اب

آنکھوں کے سامنے تھی...... شوٹنگ، ایکشن، کٹ، لائٹس، لڑکے، لڑکیاں...... اور مزے کی بات یہ، کہ چاروں طرف دوڑتے ہوئے ہمارے نربھے چودھری۔ کہیں اکڑتے ہیں۔ کسی لائٹ والے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے باتیں کرتے ہیں کبھی ''ہیروئین'' کے سامنے ٹھمکا لگاتے ہیں..........

'کچھ چاہئے تو نہیں آپ کو......؟'

ہیروئین مسکرا کر پوچھتی۔ 'آج آپ بڑے خوش نظر آ رہے ہیں۔'

جواب ملتا۔ 'آپ کو دیکھ کر کون خوش نہیں ہوگا۔'

'ہو s s ہو'...... ہیروئین قہقہہ مار کر ہنستی......

پیک اپ کے بعد جب چار یار شراب کی بوتلیں کھول رہے ہوتے، تو یہ باتیں ایک دم سے فنتاسی کی طرح نربھے چودھری کو پاگل بنا دیتی —— عورت...... سیکس...... سچویشن۔ یہاں گفتگو میں صرف اور صرف عورتیں ہوتیں۔ چور دروازے سے دل میں داخل ہونے والی عورتیں...... ان عورتوں کو لے کر ہزاروں قصے تھے —— اور ایسا ہر قصہ نربھے چودھری کو زخمی کر جاتا تھا۔

○○

رات گئے شوٹنگ کے خاتمے کے بعد نربھے چودھری جب اپنے کمرے میں پہنچتے تو خالی کمرے کا اندھیرا انہیں ڈسنے لگتا...... گفتگو والی عورتیں...... تنہائی اور خاموشی کی بین کی آواز پر ناگن جیسی لہرانے لگتیں...... بین کی آواز تیز ہوتی جاتی۔ پھر یہ ناگن تیز تیز لہراتے ہوئے ایک دم سے نربھے چودھری کے جسم میں داخل ہو جاتے۔ کافی دیر بعد جب اندر کا طوفان تھم جاتا تو نربھے چودھری کو لگتا...... اس کی زندگی میں ایسی ہریالی کب آئے گی؟ کب تک عورت کے بغیر رہنا ہوگا۔

○○

اجے گوسوامی......نر بھے چودھری کی نگاہ میں دنیا کا سب سے خوش قسمت آدمی تھا ۔آخر کو پروڈیوسر تھا ۔لڑکیاں اس سے چپکی رہتی تھیں ۔ زندگی ہو تو ایسی، نر بھے چودھری کو، اجے گوسوامی یعنی اپنے ہونہار آقا پر رشک آتا تھا......

لیکن بھائی، پیٹ کا اپنا 'اتہاس' ہے......اور کبھی کبھی جب پیٹ کا جغرافیہ بگڑتا ہے نا، تو حالت بڑی بے رحم ہو جاتی ہے ۔ کہنے کو تو نر بھے چودھری فلمی دنیا کے آدمی بن گئے تھے، مگر اصل میں تھے کیا خاک پتی......نہ لاکھ پتی......نہ ہزار پتی ۔ بک بک جھک جھک کے بعد تو اجے گوسوامی کی گانٹھ سے بندھے ٹکے دو ۔ چار ۔ پانچ سو روپے نکلتے تھے____ 'کیا کہوں بھائی ۔ دوردرشن کی حالت خراب ہے ۔ٹونٹی پرسنٹ تک دینے کو تیار نہیں ۔اب تم لوگوں کو دوں تو کہاں سے دوں......'

یہ الگ بات ہے کہ پروڈیوسر کو دھکا دھک ٹریپل فائیو پینے کے پیسے مل جاتے تھے......کبھی کبھی نر بھے چودھری عجیب عجیب حساب لگاتا ۔ایک آدمی کے کھڑے ہونے میں کتنے پیسے درکار ہیں؟ شادی کرنے میں کتنا خرچ بیٹھے گا؟ شادی کے بعد کے خرچ میں کیا ہوں گے؟ اور اگر بچے آگئے تو؟ یعنی کم پیسے میں ایک ایسی دنیا جسے طے کرنے میں قطب مینار کی بلندی تک کے فاصلے پسینے نکال دیتے تھے......

'نا بھائی......وہ ساری زندگی شادی نہیں کر سکتے ۔ نا نو من تیل ہوگا، نا رادھا ناچے گی......'

نر بھے چودھری گھبرا جاتے تو اجے گوسوامی کے بیڈ روم میں منڈرانے والی لڑکیاں چپکے چپکے ان کے دل و دماغ پر قبضہ کرنے بیٹھ جاتیں......ہری ہری لڑکیاں ۔آسمان سے اتری ہوئی پریاں......جیسے ایک دھند ہوتی ہے......جیسے اس گھنی دھند میں کچھ بھی آگے پیچھے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا ہے____ لیکن نر بھے چودھری اپنی پریشانی

کی کینچلی اتارتے ہوئے دھند میں چپکے چپکے اتر جاتے۔

○○

گھر سے خط آ رہے تھے۔ پیسے چاہئیں۔ اے جے گوسوامی سے ڈرتے ڈرتے پیسے مانگے تو ناراض ہو گئے۔ ''پیسے کیا ڈال میں پھلتے ہیں''

نربھے چودھری کے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی۔ لہجہ کمزور ہوا...... دھیرے سے بولا

''ڈال میں تو نہیں۔ لیکن ہمارے بنتے ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے۔''

اے جے گوسوامی نے ایک پل کو نہیں دیکھا۔ پھر ٹھٹھا کر ہنسے۔

'کتنے دن سے شیو نہیں بنایا ہے؛ وہ پھر ہنسے...... پروڈکشن میں ہو۔ ایسے چہرہ بگاڑ کر رہو گے تو لڑکیاں گھاس نہیں ڈالیں گی۔ سنو، تم کہہ رہے تھے کہ ٹھنڈے پانی کی تکلیف ہے۔ کہہ رہے تھے نا؟

○○

گودریج کمپنی کا ایک پرانا سا فریج اس نے ڈرائنگ روم کے پاس والے کباڑ خانے میں دیکھا تھا۔ ایک دم علاءالدین کے چراغ جیسا...... کبھی کبھی اس میں بوتلیں بھی رکھی دیکھی تھیں...... دو ایک بار اس نے خود اس میں سے بوتل نکال کر پانی پیا تھا۔ خشک گلے کو تر کیا تھا۔ اسے یاد آ گیا۔ اے جے گوسوامی اسے ٹٹولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

'اچھا فریج ہے۔ پینٹ کرا لو تو کوئی مانے گا نہیں کہ سترہ ہزار سے کم کا ہے۔ صرف اندر کی لائٹ نہیں جلتی...... 'ڈھبری؛ ڈھبری کہتے ہو نا۔ وہ پھر ہنسے...... مگر کیا روشنی میں موم بتی ڈھونڈنا ہے...... ارے کھانا رکھو۔ چار دن بعد کھاؤ۔ تازہ ملے گا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیو۔ برف جماؤ۔ شربت لسی بناؤ، کیوں فریج چاہئے......؟'

اور اس طرح علاءالدین کے چراغ جیسی وہ فریج کب کیسے، نربھے چودھری کے

کمرہ میں آ گئی، اس واقعہ کا ذرا تاریخ یاد نہیں ہے۔ لیکن فریج ان کے کمرہ نما دنیا میں آ چکی تھی اور یہیں سے اس کہانی کی شروعات ہوئی تھی...... جس نے نر بھے چودھری کے مکمل وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

(2)

بہت پیچھے چھوٹا ہوا ایک گھر...... گھر کے کسی تنگ کمرے اور تنگ کمرے کے کسی گرد آلود طاقچے پر رکھی ہوئی کچھ آدھی ادھوری خواہشیں...... مٹی کے مرجھائے پودے والے گملوں میں رکھے ہوئے کچھ خواب...... شہر کی تنگ ویران گلیوں میں، اب اکیلے مٹر گشتی کرنے والے دوستوں کی جماعتیں۔

گھر سے چٹھی آتی تو جیسے یادوں کا ایک کارواں چل پڑتا...... اور جیسے سب نر بھے چودھری کو گھیر کر بیٹھ جاتے......''وہاں موتیہاری میں سب کچھ چھوڑ کر آئے ہو۔ یہاں تیر مار لیا؟

نر بھے چودھری کو پرچھائیاں گھیر کر بیٹھ جاتیں......

اس دن گھر سے پھر چٹھی آئی تھی...... چٹھی میں ایک ماں کا خواب بند تھا...... وہی پرانی داستاں کے بوسیدہ صفحے...... باپ ریٹائر ہو رہا ہے۔ بہن جوان ہے...... فکر کے چھوٹے چھوٹے طاقچوں سے گزرتے مسئلے......

نیند نہیں آ رہی تھی نر بھے چودھری کو......

آسماں کے نیلگوں پردے پر رات بکھر چکی تھی۔ اچانک کمرے میں سرسراہٹ سی ہوئی...... پہلے چھم سے کوئی پائل بجی۔

نر بھے چونک گئے...... کون؟

نقرئی سا قہقہہ گونجا۔

نر بھے چودھری اچھل گئے۔

'کون ہے؟''

''میں......میں ہوں''

وہاں روشنی تھی۔ روشنی کے دائرے میں ایک بلا کی قیامت کھڑی تھی ــــــ قیامت کے بدن پر کپڑے بھی قیامت کے تھے۔ چہرہ ایسا کہ خوبصورتی نے اپنی حدوں کو چھولیا ہو...... بس اس سے زیادہ نہیں' ــــــ بدن کے نقوش اتنے تیکھے کہ دنیا کی ساری حسین عورتوں کے بدن بھی شرما جائیں ــــــ کپڑے اتنے باریک کہ شاہی مخمل وکمخواب کے خزانے بھی ماند پڑ جائیں۔

اپنے نر بھے چودھری خاصہ ہکلا رہے تھے۔

'کہاں......کہاں سے آئی ہو؟' ــــــ

'وہاں......فریج سے!' ــــــ

'فریج سے؟' ــــــ

'ہاں......' ــــــ

'کیوں......؟' ــــــ

'کیوں!' عورت کے ہونٹوں پر بلا خیز تبسم تھا...... بوتل سے جن آ سکتا ہے فریج سے عورت نہیں آ سکتی؛ ــــــ

'لیکن کیوں آئی ہو؟' ــــــ

جواب میں عجیب سی بے تکلفی شامل تھی۔

'تمہارے لئے؛ ــــــ

'میرے لئے!' ــــــ

——— ’ہاں۔ تمہارے لئے‘

یقیناً وہ دنیا کی سب سے خوبصورت مسکراہٹ تھی جو اس کے ہونٹوں پر سجی تھی۔

......’صرف تمہارے لئے‘

......’مجھے......یقین کیوں نہیں ہو رہا ہے‘‘

——— ’پاگل ہو فریج والی عورت ہنسی۔ دیکھو میں صرف تمہارے لئے ہوں۔‘

......تو کیا میں تمہیں چھو سکتا ہوں———؟

نقرئی قہقہہ پھر گونجا——— ’دریا سے صرف قطرے کی تمنا رکھتے ہو......ارے آگے بڑھو۔ میں تمہاری ہوں صرف تمہاری......‘‘

اس نے ہلکی سی انگڑائی لی......کمرے میں یوں ہلچل ہوئی جیسے آندھی سے گھر کی کھڑکیاں ۔ دروازے ہلنے لگے ہوں۔ یقیناً یہ ایک تو بہ شکن انگڑائی تھی......سرخ پھولے ہوئے ہونٹ......لمبی گردن......کپڑوں سے انگاروں کی بارش کرتا ہوا نوخیز بدن......

وہ والہانہ طریقے سے ہنسی......’’بڑھو، نا......آگے بڑھو......‘‘

اور ایک جھٹکے سے اس نے کپڑوں کے ہوک کھول دئے تھے......اندھیرے کمرے میں روشنی کے گول دائرہ کے بیچ ایک برہنہ جسم دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

’’یار! یہ صرف تمہارا ہے......دریا سے صرف قطرے کی توقع رکھتے ہو......!‘‘

نربھے چودھری کے بدن میں لرزش ہوئی۔ جسم میں ایک طوفان سا آیا۔ شریانوں میں خون کے گرم گرم لاوے دوڑ گئے۔ تو کیا یہ کوئی خواب تھا۔ مگر نہیں......وہ مجسم سامنے کھڑی تھی......اور ایسا تو بہ شکن، پُرکشش بدن انہوں نے کبھی خوابوں خیالوں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

پھر جیسے چاند کی کشتی میں ہلچل ہوئی......اور کشتی چاند کی برفیلی سطح کو پگھلاتے

پگھلاتے دھند کی سرنگ میں ڈوب گئی......

وہ ہوش میں آئے تو سانس تیز تیز چل رہی تھی...... کپڑے ادھر ادھر بکھرے تھے......عورت غائب تھی......فریج کا دروازہ بند تھا......مگر، کمرے میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی تھی......اور اس سے بھی زیادہ بدن ایک عجیب سی لذت میں ڈوبا ہوا تھا

۔

(3)

''سنو یہ کیا کہہ رہا ہے۔'' اجے گوسوامی زور زور سے قہقہہ لگا رہے تھے...... ''نہیں بھائی، مجھے...... مجھے مت روکو...... ہنسنے دو......یعنی کہ فریج میں عورت......فریج میں......اور کہیں نہیں ملی s ss ہو......ہو ہو sss......یعنی کہ چوکی کے نیچے، نہیں، ٹب کے اندر نہیں...... ss انٹرنیٹ کی عورت سنی ہے ss ٹیلی فون کال والی عورت کے بارے میں سنا ہے۔ نمبر ملایئے مستی بھری باتیں کیجئے...... یہ سب ٹھیک......مگر فریج میں، ہوہو؟ یار تم سچ مچ پگلا گئے ہو......s

اجے گوسوامی کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں نے بھی ٹھہاکہ لگایا۔ اس وقت ان کے گھر نئی اسکرپٹ کو لے کر میٹنگ چل رہی تھی۔ نربھے چودھری نے بس یونہی دریافت کیا تھا......یار فریج ٹھیک سے کام کر رہا ہے نا؟

'کام کیا کر رہا ہے......فریج میں عورت آ گئی ہے۔'

نربھے چودھری کے منہ سے یہ جملہ نکل تو گیا لیکن ماحول پر جیسے اس جملے کا پہلی بار میں کوئی اثر نہیں ہوا۔ اجے گوسوامی رائٹر کے ساتھ اسکرپٹ کی بات چیت میں لگا رہا۔ ہاں پاس بیٹھے آدمی نے چٹکی لی۔

''نربھے جی! شادی نہیں کرو گے تو فریج میں عورت ہی رہے گی۔ سامان تو نہیں رہیں گے نا......''

''اب لو جیسے ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ عورت آ گئی ہے تو سامان کہاں رکھیں بھائی

تھے۔''

اجے گوسوامی نے ڈانٹا.... ''اپنا بہاری غصہ یہاں مت دکھاؤ.... کہہ دیا نا، پیسے مل جائیں گے.....شوٹنگ شروع ہونے والی ہے۔تم آرٹ ڈائرکٹر، سیٹ ڈیزائنر، کسٹیوم، میک اَپ مین، کی ڈیٹیل تیار رکھو.... اور ہاں۔وہ رائٹر کی طرف دیکھتے ہوئے ہنستے تھے۔''شادی کرلو....کہوتو اس سیریل کی ہیروئین سے کروادیں۔ کیوں؟''

رائٹر نے بھی ٹھہا کہ لگایا۔''پھر فریج سے عورت نہیں آئے گی۔''

''آپ سمجھتے ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ پیسہ مانگنے کے لئے اپنی جھنجھلاہٹ دکھا رہے ہیں۔سمجھئے.....آپ کی مرضی.....لیکن ہم جھوٹ نہیں بول رہے ہیں۔ہنمان جی..... جے بجرنگ بلی، جس کی چاہیں قسم لے لیجئے۔وہ عورت تھی۔ہارمانس کی عورت، ارے، پری لوک میں ایسی کیا عورت ہوگی۔جو وہ تھی...... ہم تو آواز سنتے ہی سکپکا گئے۔''

کمرے میں ہنسی کا دورہ پڑا......

ایک آواز ابھری.....'پھر وہ فریج کھول کر آپ کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔'

'ہاں ایسا ہی ہوا۔بالکل ایسا ہی.....'

'پھر تو آپ نے.....'

اس کے بعد ہنسی کے دورے نے رکنے کا نام ہی نہیں لیا۔

''ہنسئے آپ لوگ۔ہنسئے۔میرے پاس بے کار کا وقت نہیں ہے۔آپ کی ہنسی میں شریک ہونے کے لئے.....میں جارہا ہوں۔''

نربھے چودھری غصّے کے عالم میں ہنسی ٹھہا کہ کے بیچ کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

مگر.....جاتے کہاں؟

ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کیا سچ مچ رات جو کچھ ہوا وہ خواب نہیں تھا......
فریج میں سے عورت...... جیسے آسمان سے دودھیا چاند، خاموشی سے ایک رات آپ کے ساتھ رہنے کے لئے آ جائے...... نہیں نربھے چودھری، وہم ہوا ہے تمہیں...... وہم......!

○○

نربھے شام گئے تک آوارہ سڑکیں ناپتے رہے۔ سڑکوں پر ناچتی تتلیاں...... لیکن فریج والی تتلی...... شام کے گھنے سائے پھیل گئے تھے۔ ڈھابے میں کھانا کھایا...... تب تک رات کے نو بج چکے تھے۔ اب ایک ہی منزل تھی، گھر ——— پھر وہی راستے...... وہی کمرہ...... وہی تنہائی...... مگر......

دروازے کا تالا کھولتے تک، نئے احساسوں والا کپڑا بدل چکے تھے نربھے چودھری ——— کیوں؟ اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ بس دروازے...... اور تالا کھولنے تک کوئی پختہ ذہن کا آدمی ان کے اندر سما گیا تھا۔ کہیں سے خوشبو کا تیز ریلا اٹھا تھا۔ ایک جانی پہچانی سی خوشبو...... یہ خوشبو ان کے پورے جسم، پورے وجود کو معطر کر رہی تھی ——— لیکن کیوں؟ دل دھڑک رہا تھا۔ اس طرح کی بے چینی سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا ——— اور یہ سب کل ملا کر ایسا تھا، جیسے ابھی حال میں ان کی شادی ہوئی ہو۔ گھر پر نئی نویلی دلہن انتظار کر رہی ہو......

وہ دروازہ کھول کر اندر گئے اور جیسے سہم گئے...... چھنا کہ سا ہوا......

کمرے میں روشنی تھی۔ بتی جلی ہوئی تھی۔ ایک خالی میز جو کافی دنوں سے بیکار پڑی تھی۔ صفائی کر کے اسے سنگھار میز میں بدلا جا چکا تھا۔ کمرے میں جیسے عطر کا چھڑکاؤ ہوا تھا۔ نیا بستر...... نئی چادر، چادر پر خوشبو دیتے پھول بھی بکھرے تھے۔ سنگھار میز کے پاس وہ دنیا جہاں سے بے نیاز اپنے سنگھار میں یوں ڈوبی تھی، جیسے نئی

نویلیاں دولھے کے آنے کے انتظار میں دنیا جہاں سے بے خبر ہو جایا کرتی ہیں۔

اس نے نظر اٹھائی۔ مسکرائی ـــــ کان کے جھمکے کی کیل درست کی...... آئینے میں فخر سے اپنا چہرہ دیکھا...... پھر جیسے جل ترنگ کو دھیرے سے چھوڑ دیا گیا ہو......!

......'آ گئے تم؟'

......'میں......' زبھے پسینے پسینے تھے......

......'ہاں تم...... تم'

وہ آہستہ سے ہنسی...... جیسے موسیقی سناتی لہروں کو، موسیقار نے اچانک ایک نئی دھن دے دی ہو...... وہ آگے بڑھی...... آج اس نے ریشمی ساڑی پہن رکھی تھی۔ ہلکی، آسمانی رنگ کی...... اس پر سانولی دھوپ کے رنگ کی لکیریں جھلملا رہی تھیں ـــــ اس سے میچ کرتا بلاؤز تھا...... وہ اس کے بلکل قریب آ کر ٹھہر گئی......

اتنے قریب کہ وہ اس کے سانسوں کے سرگم سن سکتا تھا...... اتنے قریب کے وہ دھڑکنوں کا حساب لگا سکتا تھا...... وہ ہنس رہی تھی......

......کیا آج بھی تمہیں سب کچھ خواب سا لگ رہا ہے۔

......ہاں!

......'پاگل ہو...... دیکھو۔ میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کہہ سکتے ہو، یہ وہی کمرہ ہے جہاں تم رہتے تھے۔'

......نہیں!

......'وہ پینٹنگس دیکھی؟'

......'پینٹنگس؟'

......''ہاں، وہ ہنسی...... وہ دیکھو...... 'ناریوفو'، کی پینٹنگس...... خواب دیکھتی عورت کے ہاتھ میں ایک مرا ہوا بچہ......''

......بچہ مر کیوں گیا ہے؟''

میں نہیں بتاؤں گی۔ تم بولو...... میں تو فریج سے آئی ہوں اور یہ پینٹنگ تمہاری دنیا، تمہارے لوگوں کے لئے ہے...... لیکن سچائی یہی ہے کہ عورت خواب دیکھ رہی ہے اور بچہ...... بچہ مر چکا ہے......!'

''بچہ مر کیوں گیا ہے......؟'' وہ پھر بوجھل آواز میں بولا۔

'اس لئے کہ عورت خواب دیکھ رہی ہے...... جانتے ہو...... ناریوفو نے یہ غیر معمولی پینٹنگ کب بنائی تھی؟ 1942ء کے آس پاس۔ جب تم دنیا کو دوسری عالمی جنگ میں جھونک چکے تھے۔ کیا نہیں......؟ یاد آیا اور خود تم لوگ کیا تھے...... آزادی مانگ رہے تھے۔ بھکاریوں کی طرح...... مٹھی بھر لوگ جو تمہارے گھر پر قبضہ کر چکے تھے۔ تم ان سے چلے جانے کی مانگ کر رہے تھے...... ہے نا، وہ بھی بھکاریوں کی طرح...... ایسے ہی ہو تم......' اس نے ٹھنڈا سانس بھرا......

''ایک پُراسرار تہذیبی شہر کی تعمیر کرنے والے اور ایک جھوٹی جذباتیت کا استقبال کرنے والے...... ہے نا......'' وہ کہتے کہتے پھر ہنسی......

'لیکن یہ سب تم......؟'

'تمہارے لئے لائی ہوں۔ گھبراؤ مت۔ چوری نہیں کی ہے۔ چوری کر بھی نہیں سکتی ہوں...... بازار سے لائی ہوں؟

'تم بازار گئی تھی؟'

ہاں، کیوں؟'

نہیں میں سمجھ رہا تھا......'

تم زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کیا کرو...... سنو مجھے اس طرح گندے میں رہنا پسند نہیں ہے...... سنا تم نے۔ اس لئے میں صفائی کی...... عطر کا چھڑکاؤ کیا...... دیواروں پر پینٹنگس لگائی۔ پھر تمہارے آنے کی راہ تکنے لگی اور تم آ گئے......''

اس نے گلے میں بانہیں ڈال دیں......

شاید وہ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کی سب سے خوبصورت انگلیاں تھیں......ایسی انگلیاں......جن کے لئے الفاظ اور محاورے بھی کم پڑ جاتے ہیں۔

پشت پر اس کی گرم گرم ہتھیلیوں کا رقص، جسم میں عجیب سی سنسناہٹ پیدا کر رہا تھا ۔پھر جیسے 'تابڑ توڑ' اپنے گرم گرم بوسے سے اس نے زبھے کی آتما کے اندر تک، عجیب سی سنسنی پھیلا دی......ایک لمحہ کو ٹھہری۔پھر بارش کے آخری قطرے تک اسے شرابور کرتی چلی گئی......

'سنو!'

'کیا ہے......زبھے کی آواز جیسے ہزاروں فٹ نیچے کنویں میں چھوٹ کر رہ گئی تھی......

'سنو: جب تم چلے جاتے ہو،تو بڑے یاد آتے ہو۔اتنا انتظار کیوں کراتے ہو......'

قسم سے ۔وہ دنیا کے سب سے مدھر، سب سے ذائقہ دار، سب سے حسین اور سب سے زیادہ جلتے ہوئے ہونٹ تھے......جس نے اپنی تپش سے ایک بار پھر اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے تھے......

''چلو منہ ہاتھ دھو لو......تم کتنے کمزور ہو گئے ہو۔گھبراؤ مت......اب تمہارا پورا خیال رکھوں گی......میں......مگر......''

''مگر......مگر کیا......؟''

'ابھی نہیں......اوہ......تم میں کچھ بھی جاننے کی بے چینی کس قدر ہے ۔شاید تم نہیں جانتے......انہیں باتوں نے......ہاں، انہیں باتوں نے تو......اوہ......آئی لو یو زبھے......''

جیسے زمین چلتے چلتے رک گئی ہو......آسمان تھم سا گیا ہو......کوئی چونکانے والا، جذباتیت سے بھرا فلمی نظارہ ہو......پہلی بار اس لڑکی کے ہونٹوں پر زبھے کا نام آیا

تھا......نر......بھے ـــــــ پہلی بار......دلّی کے بازار، کنزیومر کلچر میں آہستہ آہستہ یہ نام کتنا عجیب، کتنا بے رس اور کتنا بدنما لگنے لگا تھا......جیسے 'موتیہاری کی ایک خاص خوشبو اس کے نام سے لپٹی ہوئی ہو......وہ اس نام کو بار بار دلّی کے رنگ میں بدلنے کا خواہشمند تھا۔ مگر آج......جیسے اس نام سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسرا نام ہو ہی نہیں سکتا تھا......

'چائے'......وہ اچھانک جیسے خواب سے جاگا......

......اتنی دیر میں اس نے چائے بھی بنالی تھی......چائے نربھے کے ہاتھ میں کانپ رہی تھی......وہ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

'ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟' وہ مسکرائی

'کیا یہ خواب ہے؟'

'کیوں؟'

'سوچ رہا تھا' ہم جیسوں کے لئے خواب ہی کیوں ہوتے ہیں؟ زندہ رہنے کے لئے بھی خواب......محبت کرنے کے لئے بھی خواب......'

'لیکن یہ خواب نہیں ہے......'

'پتہ نہیں'

'خواب کا جسم نہیں ہوتا ہے......اس کی نقرئی ہنسی کمرے میں پھیلتی چلی گئی......وہ اٹھ کر سنگھار میز کے قریب کھڑی ہوگئی......وہ جیسے اپنے عکس کو بے حد پُرکشش انداز میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی......پھر جیسے کمرے کی تنہائی میں شعلہ بھڑکا......رات اسٹوب گیس' کی طرح چیخی......اور کمرے میں آگ کی تیز لپٹیں اٹھنے لگیں......اس نے بلاؤز کے ہوک کھول دیئے تھے......ریشمی ساڑی، دنیا کے سب سے حسین جسم سے الگ ہو کر، اس کے بستر پر، بے ترتیبی سے پھیل گئی تھی ـــــــ کمرے میں جیسے 'لیزر ریز' کا رقص چل رہا ہو......گداز بانہیں، صدیوں کی پیاس اور عقیدت کی

حد تک، میناروں کے سفید گنبد کی طرح، تنے ہوئے مصفّٰی سینے...... یا...... دو قبہٗ نور...... دنیا کے سب سے حسین پاؤں...... اس کی آنکھوں کی کشتیوں میں اس وقت وہی کشش تھی جو شاید خالق دوجہاں کو، سب سے خوبصورت 'تصور' گڑھنے کے دوران ہوئی ہو ـــــــ! اس نے اپنی بانہیں بچھائیں......

'آؤ......' اس کی آواز میں 'ہیجان' کی حد تک سنسنی خیزی، آگئی تھی ـــــــ

'......آؤ......' اوہ...... تم دیر کر رہے ہو...... آؤ۔ اس سچ کے لئے، جس کے لئے ہم پیدا ہوئے ہیں...... اس سچ کے لئے جس کے لئے آخری سانس تک ہم اپنے جینے کی آس قائم رکھتے ہیں۔

اور رزمی چودھری۔ جیسے آنکھیں بند تھیں ـــــــ جیسے خوابوں سے جنت کی طرف ایک خوشبو لٹاتی، کھڑکی کھل گئی ہو...... جیسے ہوا میں تیرتا ہوا ایک رتھ ہو...... اور رتھ، زندگی کے سب سے خوبصورت ذائقے کو پور پور میں اُتارتا ہوا اُڑتا جاتا ہو......

......جیسے ہوا تھم گئی...... سانسیں رُک گئیں...... اُس کے بدن پر دنیا کا سب سے خوبصورت ننگا جسم اور...... تمام تر ہیجان خیزیاں لٹا کر تھکا ہارا...... اس کے جسم کے گوشت سے 'عبادت' کی ایک نئی عبارت لکھنے میں مصروف تھا ـــــــ اس کی آنکھوں میں شوخیاں تھیں......

'سنو'

اس کے بدن کی بے کراں موجیں، اس کے بدن کے ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں......

'سنو۔ اب میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔' آواز میں تھرتھراہٹ تھی......

'ہاں پیسے۔ جو تھے سب ختم ہو گئے۔ پینٹنگس...... عطر، چادریں اور...... جو پیسے تھے۔ وہ تمہارے گھر کی خریداری میں لگ گئے......

'ہاں'

'مجھے چاہتے ہو تم؟'

'ہاں'

'میری سانسوں سے پیار ہے؟'

'ہاں'

'میرے جسم سے؟'

'ہاں؟'

'اور مجھ سے؟'

'ہاں'

'اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں کہیں نہیں جاؤں۔ میں ہمیشہ تمہارے پاس رہوں.....''

'ہاں'

'تو پھر تمہیں میرا خیال رکھنا ہو گا۔'

وہ اپنے بدن کی 'بے کراں موجوں' کو سنبھالے، اس کے بدن کے ساحل سے ہٹ گئی تھی......

'سمجھ رہے ہو نا، نربھے چودھری..... تمہیں میرا خیال رکھنا ہو گا......''

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنی ریشمی ساڑی کی 'شکنوں' میں کھو گئی تھی ــــــ

'تمہیں مجھے خوش رکھنا ہو گا۔ میری..... میری فرمائشیں پوری کرنی ہوں گی..... سن رہے ہو نربھے چودھری..... میرے لئے.....'

اس کی نقرئی، لڑکھڑاتی آواز کا 'جل ترنگ' کمرے میں گونج رہا تھا......

'سوچو میں..... ڈھل جاؤں تو؟ میں جیسی ہوں، ویسی نظر نہ آؤں تو ــــــ یہ سب کچھ تم پر ہے نربھے چودھری..... تم پر ــــــ مجھے خوبصورتی پسند ہے۔ اس کمرے کو جنت سے زیادہ خوبصورت بنا دو..... مجھے خوشبوئیں پسند ہیں..... میرے

لئے خوشبوؤں کا خزانہ لے آؤ——میرے لئے تم بھی اپنے آپ کو بدلو گے نربھے چودھری...... بدلو گے نا......؟ خوشبو کو، خوشبو اور ایک حسین جسم کو ایک حسین جسم کی چاہت ہوتی ہے...... میرے لئے تم یہ سب کرو گے نا، نربھے چودھری، ورنہ......ورنہ......'

○○

لفظ بجتے رہے...... بجتے رہے...... وہ اٹھا تو سورج کی شعائیں سیدھے کھڑکی سے ہوتی ہوئی اس کی آنکھوں پر پڑ رہی تھیں...... فریج والی لڑکی غائب تھی——

رات کی سچائی کے احساس کے لئے وہ سب چیزیں، یہاں تک کہ 'ناریونو' کی پینٹنگس تک کمرے میں موجود تھی۔ بستر پر وہ ننگ دھڑنگ پڑا تھا۔ ابھی بھی جیسے خوشبوؤں نے چاروں طرف سے، اسے اپنے دائرے میں لے رکھا تھا...... مسرت کا عجیب سا احساس اب بھی ہو رہا تھا۔

'یہ سب کیا ہے؟'

یہ کیا کیسا خواب ہے۔ وہ سمجھ پانے سے قاصر تھا۔ کپڑے پہن کر اس نے ڈرتے ڈرتے فریج کھولا۔ فریج خالی تھا...... مگر وہی رات والی خوشبوئیں فریج کے اندر بھی بسی ہوئی تھیں۔

(4)

اب نربھے چودھری نکلنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن کیا یہ وہی پرانے نربھے چودھری تھے۔ حلیہ پوری طرح سے بدلا ہوا۔ کالی آئرن کی گئی پینٹ پر، پوری آستین والی سفید شرٹ...... اور دنوں کی طرح جھٹ پٹ جو ملا پہن کر تیار نہیں ہوئے نربھے چودھری...... کپڑے ہی کتنے تھے۔ اس پر بھی دُھلے ہوئے کپڑوں کی تعداد کتنی ہوتی تھی۔ لے دے کر ایک جوڑا...... کپڑے بھی خود ہی دھونے پڑتے تھے۔ لاجپت نگر

مارکیٹ سے دونمبر کا سستا سا آئرن مل گیا تو اٹھا کر لے آئے نربھے چودھری۔ لیکن کپڑے آئرن کون کرے۔ صبح صبح بس پکڑنے کے چکّر میں آئرن بے چارا ویسے ہی 'کوٹ' کے ڈبے میں بند رہا لیکن...... دلّی آنے کے اتنے برسوں بعد جیسے سارے قاعدے قانون ان کے لئے بدل گئے تھے؟...... اور تو اور...... دو ایک ٹائی لوہے والے صندوق میں پڑی تھی۔ کبھی گفٹ میں ملی ہوگی۔ لیکن پہننے کی نوبت نہیں آئی۔ وہی موتیہاری کا چھیلا۔ اپنے یہاں عام دنوں میں وہ ایسے سوٹیڈ بوٹیڈ ہو کر نکل سکتے تھے؟ کیوں نربھے چودھری؟ پیچھے سے ''سٹاک'' سے کمینٹ پاس ہوتا...... ''نیا ہے'' کا ہے بھائی۔ موتیہاری کا چھیلا''۔

لیکن آج موتیہاری کے اسی چھیلے نے اپنی شکل وصورت بدل ڈالی تھی۔ اس پر پرفیوم۔ یہ پرفیوم کی شیشی اسے مادھری نے دی تھی۔ اپنے کریڈیو ریلس کی پرمانینٹ ایکٹریس۔ جس کے بارے میں یونٹ والوں کا کہنا تھا...... ارے مادھری کا ٹانکا اجے گوسوامی سے، کوئی آج سے 'بھڑا' ہے...... دیکھتے نہیں، ان کے ہر پروڈکشن میں کوئی نہ کوئی رول ضرور ہوتا ہے۔

'مادھری!'

ایک مخمور کایا...... بنداس۔ پتہ نہیں، اس دن کیا خاص بات تھی۔ کوئی خاص بات تھی، تو بس یہ تھی کہ مادھری اسے سیٹ پر تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ پھر اسے دیکھ کر مادھری کی آنکھوں میں جیسے چمک آگئی...... ''نربھے جی! آپ یہاں ہو'

''کیوں؟''

''ارے ہم آپ کو کہاں کہاں تلاش کر رہے تھے۔''

''کیوں؟'' اسے یقین نہیں ہو رہا تھا۔ مادھری جیسی لڑکی اسے تلاش کر سکتی ہے...... بیٹا یہ ہے فلم میں آنے کا مطلب...... کا؟ کہ مادھری جیسی لڑکیاں بھی...... ہے ss ہے ss اس نے کھیسیں نپوریں۔ اور مادھری نے پرفیوم اس کی طرف

بڑھا دیا...... ''خاص تمہارے لئے ۔ دارجلنگ گئی تھی شوٹنگ میں ۔ دیکھو وہاں بھی تمہیں نہیں بھولی ۔''

نازک سالمس ۔ مادھری نے ہلکے سے پرفیوم کا چھڑکاؤ اس کی قمیض پر کیا ۔ آنکھوں میں قوس قزح تن گئے ۔ لیکن فوراً ہی الیا راجا کی فلم 'اپوّ راجا' کا وہ بونا اُسے یاد آ گیا...... جسے فلم کی اداکارہ نے انگوٹھی دیتے ہوئے جلدی جلدی کہا تھا...... 'منگنی سمجھتے ہونا ۔ کل صبح وقت پر پہنچ جانا ۔ دیر مت کرنا......'' اداکارہ نے وہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنادی تھی ۔ بونا کمل ہاسن اپنے بونے جوکر دوستوں میں منگنی کی اس انگوٹھی کو لے کر کتنا خوش ہوا تھا ۔ گانا بھی گایا ۔ دوستوں نے بھگوان کی طرف سے 'اچنبھے کے طور پر لکھی جانے والی تقدیر' کے لئے اُسے مبارکبادبھی دی ۔ مگر آگے...... اس وقتی خوشی کا نتیجہ کیا نکلا تھا...... ''ارے اپوّ! انگوٹھی تو نکالو ۔ دیر ہو رہی ہے ۔' اور اداکارہ رجسٹرار کے پوچھے جانے پر ہنستی ہے...... ''گواہ یہ ہے اپنا اپوّ...... چلے گا......''

'چلے گا......؟' رجسٹرار ہنستا ہے......

پرفیوم لے کر دیر تک نربھے چودھری گم صُم کھڑا رہا...... لیکن وہاں اس پر ہنسنے کے لئے کوئی رجسٹرار نہیں تھا ۔ اسے لگا، الف لیلیٰ جیسی کسی کہانی کے اوراق اس کے سامنے کھل گئے ہوں...... مادھری بنداس ہے تو کیا ہوا...... لوگ غلط بولتے ہیں...... مادھری ایسی ہو ہی نہیں سکتی...... وہ بھی اجے گوسوامی......؟ کیا اس کے پاس اجے گوسوامی جیسے لوگوں کی کمی ہے......؟ اور پھر...... یہ تو میڈیا ہے میڈیا ۔ یہاں تو ایسی کہانیاں روز بن جاتی ہیں ۔

'مادھری!'

ہونٹوں تک آکر یہ نام جیسے 'رس شرنگار' سے بھرپور غیر معمولی شاعری میں بدل گیا ہو...... لیکن شاعری کتنی جلد باسی اور سڑاند دینے لگی تھی......

'مادھری'...... وہ اسے پکارتا ہوا میک اَپ روم میں چلا گیا...... دروازہ کے پٹ آن میں کھلے تو، وہ جیسے موتیہاری کا لمبے قد والا بونا بن گیا تھا...... اجے گوسوامی کی بانہوں میں قید مادھری۔ مادھری نے چلا کر آواز دی تھی...... 'ارے...... نربھے...... سنو تو......'

'جانے دو......' یہ اجے گوسوامی کی آواز تھی......

'تمہارے والے میں سے ایک پرفیوم میں نے......'

اجے ہنس رہے تھے...... ''پرفیوم، اور یہ بہاری...... تم بھی پاگل ہو مادھوری......''

دونوں کا ایک ساتھ قہقہہ گونجا تھا۔ لیکن اب، کچھ بھی آگے سننے کو وہاں رُکا نہیں، نربھے چودھری۔ جیسے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں کتے پڑے ہوں...... ڈیفوڈل ڈاگس...... ڈیفوڈل۔ چلتے ہوئے...... ان گنت تعداد میں۔ اداکارہ نے منو کو انگوٹھی دی ہے۔ مادھری نے نربھے کو پرفیوم دیا ہے...... 'الو سمجھتا ہے کہ'...... 'نربھے کو لگتا ہے کہ......'

بونا الوٹپست' ہوتے ہوئے اپنے قد سے کتنا کم ہوا ہوگا؟ مگر...... نربھے...... وہ الو سے زیادہ 'بے وجود' ہو گئے تھے ـــــــ چھوٹا لمبے قد والا بونا...... پھر وہ پرفیوم کمرے کی کال کوٹھری میں پھینک دیا گیا۔ شاید اسی، نئی صبح کے انتظار کے لئے۔ اسی دھانی دھانی صبح کے انتظار کے لئے......

پرفیوم کپڑے میں مارتے ہوئے ایک عجیب سی خفیف ہنسی، نربھے کے ہونٹوں پر کھل رہی تھی۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے پیسے گنے تھے اور پہلا کام کیا تھا...... اپنے قدم پاس والے بیوٹی پارلر کی طرف تیز کئے تھے۔

''تم نربھے ہو......نہیں، یقین نہیں آتا۔'' اجے گوسوامی کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی تھی......آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے نربھے کو غور سے دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے، ڈھنگ سے تراشے گئے بال......بدن پر قاعدے کی پینٹ اور شرٹ......

''تو تم سچ مچ نربھے ہو؟''

''کیوں؟''

''یقین نہیں ہوتا۔''

''لیکن اس میں یقین نہیں ہونے کی......''

نربھے 'کہتا کہتا' ٹھہر گیا......اجے گوسوامی اسے غور سے گھور رہے تھے۔ وہ جب بھی اس طرح گھورتے تھے۔ اسے ڈر لگتا تھا......

''رہنے دو۔ دیکھتے نہیں......''

''مطلب......؟''

''مطلب، آج یہ خود پروڈیوسر بن گیا ہے۔ ذرا بال تو دیکھو s s s''

''ذرا چال تو دیکھو s s s''

کمرے میں ٹھمکا لگ رہا تھا......

''بال تو دیکھو s s s گال تو دیکھو s s s چال تو دیکھو s s s شرٹ تو دیکھو s s s پینٹ تو دیکھو s s s پھر پورا ڈسکو شروع ہو گیا......''

''دیکھو جی دیکھو......نربھے کو دیکھو s ایک بار دیکھو s s بار بار دیکھو۔''

نربھے گم صُم تھا۔ وہ جان رہا تھا۔ مذاق اپنی حدوں کو پار کر رہا ہے......سب سوچ رہے ہوں گے......سالا s s بدلا بدلا سا لگ رہا ہے بہاری۔ بہاری مطلب......، اسے لگا، مادھری اُسے دیکھ رہی ہے......

لیکن فوراً ہی وہ عورت اس کی آنکھوں کی اسکرین پر چھا جاتی ہے......'سن رہے ہو نا

زبھے! خوشبو کو خوشبو اور ایک حسین جسم کو ایک حسین جسم کی چاہت ہوتی ہے......
میرے لئے تم یہ سب کرو گے نا......؟ کرو گے نا، زبھے چودھری؟......ورنہ ss
sورنہ......''

لفظ لگاتار چیخ رہے تھے......

اور ادھر ڈسکو جاری تھا......

''ذرا گھوم کے دیکھیو ssبے زبھے ss آگے سے دیکھیو ss بے زبھے۔''

اجے گوسوامی نے اس کے بدلے چہرے کی آگ کو پڑھ لیا تھا۔ 'ٹھہرو۔ٹھہرو'۔وہ چیخے......یعنی حد ہوتی ہے۔حد ہوتی ہے بے شرمی کی۔آپ سب نے ایک سیدھے سادھے بہاری کو......معنی......ہنسئے مت......بہاری کوئی گالی تھوڑے ہی ہے۔''

اجے خالص زبھے 'اسٹائل' سے بول رہے تھے......''بہاری بدل نہیں سکتا کا......؟ ضرور بدل سکتا ہے......اور پوچھ کے دیکھو......یقیناً، اس کے پیچھے بھی اُسی عورت کا ہاتھ ہوگا۔کیوں زبھے؟

''جی ssss''

کسی نے آواز لگائی......'فریج والی عورت کا'۔

''ہاں بالکل''۔

''لو دیکھو......''

ہنسی کا فوارا چھوٹا تو زبھے نے یکا یک سامنے والے آرٹسٹ کا گریبان پکڑ لیا......

''سالے''......ماحول حیرت زدہ 'طبلوں' کی آواز رک گئی......جیسے، سوئی بھی گرے تو آواز سن لو۔یکا یک بہتی ہوئی ہوا تھم گئی......''مذاق اُڑاتے لوگوں پر بجلی گر گئی......

زبھے کا سارا غصہ چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

اس نے جھٹکے سے بے چارے آرٹسٹ کا گریبان چھوڑا۔ہتھیلیاں ابھی بھی گرم

تھیں۔ وہ یکا یک پلٹا......

''سنو اجے گوسوامی! ایک بات جان لو۔ بہاری ُبڑبک بن سکتا ہے۔ تو گریبان بھی تھام سکتا ہے۔ مجھے نہیں کرنا تمہارے ساتھ کام...... کل پھر آؤں گا۔ پی سائکال کر رکھنا......''

پھر وہ ٹھہرا نہیں، واپس آ گیا۔

ماحول میں سناٹا چھا گیا۔ جو جہاں تھا، وہیں آنکھیں نیچے کیے کھڑا رہا۔ یہ کیوں ہو گیا؟ یہ سارا کچھ ویسا تھا، جیسے دوستوفسکی کے 'ایڈیٹ' نے پرنسز کی پارٹی میں کیا تھا...... سناٹے کو بھنگ کیا اجے گوسوامی نے۔

''چلو چلو اسکرپٹ پر بیٹھتے ہیں......''

مگر وہ ابھی بھی اپنے چہرے کے احساس کو چھپا نہیں پائے تھے......

(6)

''زندگی سرکس نہیں ہے اور سنو زبے۔ تم اپو نہیں ہو۔ تم اپو ہو بھی نہیں سکتے۔ تمہارے ساتھ میں ہوں، میں...... سن رہے ہونا......؟''

کمرے میں خوشبو پھیل چکی تھی...... نقرئی قہقہہ پھر گونجا......

''دیکھو ssssss آج میں نے نیا سنگھار کیا ہے، تمہارے لئے صرف تمہارے لئے لئے......''

عورت اُٹھتے ہوئے، آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ پور پور سے خوشبو کی لہریں چھوٹ رہی تھیں...... 'آئینہ' یقیناً حیران تھا کہ کبھی اس کے شیشے، جیسے وجود میں اتنا غیر معمولی 'عکس' بھی سما سکتا ہے۔

''پتہ نہیں مجھے...... مجھے کیا ہو گیا تھا ss پتہ نہیں۔ اب وہ......''

''ڈرتے ہو۔''

''ڈرنا پڑتا ہے...... گھر ہے...... پتا جی ہیں...... اور۔''

’’میں s s ‘‘......آئینہ نشے میں ڈوب گیا تھا......

’’میں s s s تمہیں میری پرواہ نہیں ۔پتھر ہو تم ۔میری طرف دیکھو......اُس کا دسنگھار نویا تھا......جیسے سارا عالم ہنسی رو کے ہو، کہ بادشاہ تو ننگا ہے......!

’’کیا دیکھ رہے ہو......‘‘

جسم سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

’’تم نے کوئی غلط کام نہیں کیا نر بھے ۔ سمجھ رہے ہو نا...... دیکھو تم مضبوط ہوئے......اور یہ کمرہ پہلے سے زیادہ روشن ہو گیا۔یقین کرو میں صرف تمہارے لئے بنی ہوں......تمہارے لئے......میں لہر ہوں......جھرنا ہوں......سنگیت ہوں...... خوشبو ہوں......اور سب سے زیادہ میں تمہاری ہوں......تمہاری ہوں نر بھے......s s‘‘

پھر جیسے روشنی کا جھما کہ ہوا......

’’آواز میں سنگیت پیدا ہوا......’آؤ مجھ میں سما جاؤ s s سما جاؤ s s s‘‘

اور......

قارئین!

ٹھیک اُسی لمحہ جو کچھ پیش آیا۔نہیں جانے دیجئے ۔نہیں ٹھہریئے ۔یعنی، جو کچھ ہونے جا رہا تھا۔نہیں ٹھہریئے ۔میں اپنا تبصرہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں ۔مگر اُسی لمحہ، اس جگمگاتے، روشن کمرے میں یکا یک بھگدڑ مچ گئی ۔یکا یک باہر دروازے پر دستک ہوئی۔عورت پہلے متحیر ہوئی ۔پھر سنگیت تھما۔خوشبو اُڑی۔لہریں گم ہوئیں۔

دستک بڑھتی گئی۔

کمرہ یکا یک چیخ و پکار کرنے لگا۔عورت فریج میں چلی گئی۔

دروازے پر اجے کے آدمی کھڑے تھے ۔لفافہ میں نر بھے کے پیسے پڑے تھے......

''گن لو......''

''گننے کی ضرورنہیں ہے''

''اور......صاحب نے کہا ہے کل سے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک''......نربھے نے دروازہ بند کرنا چاہا۔

آگے والے 'مسٹنڈے' آدمی نے دروازہ چھیک لیا______

''سنئے، دروازہ مت بند کیجئے۔''

''کیوں؟''

''مزدور ساتھ میں ہیں......صاحب نے فریج واپس منگوایا ہے!۔''

نربھے حیرت زدہ کھڑے ہیں......

مزدور فریج اُتارنے اور لے جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

بارش میں ایک لڑکی سے بات چیت

(۱)

تب ڈرامہ کی ریہرسل شروع نہیں ہوئی تھی۔

ریہرسل سے ایک مہینہ قبل یہ ''حادثہ'' پیش آیا تھا اگر اسے حقیقت میں 'حادثہ' کا نام دیا جائے تو!

لیکن ـــــ اس 'حادثہ' سے پہلے بھی وہ کہیں ٹکرائی تھی۔ کہاں؟ سیمنار میں۔ بس، ایک سرسری سی ملاقات تھی۔ وہ بھی ایسے خالص ادبی سیمناروں میں بولنے کے لئے ہوتا ہی کیا ہے؟ نہیں، مجھے سوچ لینے دیجئے۔ سیمنار کا خاص موضوع تھا ـــــ ''عورت'' ـــــ ملینیئم یعنی ہزاروں برسوں کے اس سفر میں کہاں کھو گئی ہے عورت؟ پہلے بھی کہیں تھی یا نہیں؟ قدیم گرنتھوں میں دروپدی، کنتی، سیتا، ساوتری، پاروتی، دمینتی، شکنتلا، میتری وغیرہ ـــــ عزت سے پکارے جانے والی، ملینیئم صدی کے آخر تک لکس کا نیم عریاں اشتہار کیسے بن گئی؟ یا وہ اشتہار نہیں بنی۔ 'لرل' اور 'لکس' کے اشتہاروں سے آگے نکل کر اور بھی مورچے سنبھالے ہیں اس نے۔ کہا جائے تو ایک پڑاؤ W.W.F بھی ہے۔ آنے والی ملینیئم صدی میں کہاں ہوگی یہ عورت؟

مجھے یاد نہیں، میں نے اپنی گفتگو میں کیا کیا جوڑا تھا۔ مگر ـــــ شاید! مجھے یاد کرنے دیجئے۔ ہمیشہ کی طرح میں لفظوں کی لہروں میں بہہ گیا تھا۔ میں نے بات عورت کی آئی ڈینٹیٹی (Identity) یا آئی ڈینٹیٹی کرائسیس (Identity Crisis) سے شروع کی تھی۔ میں بڑی بڑی فلسفیانہ قسم کی باتوں میں الجھنا نہیں

چاہتا تھا، اس لئے میں نے ٹو دی پوائنٹ مختصر میں اپنے نظریات لوگوں کے سامنے رکھے تھے ۔یعنی کیوں ہے عورت میں یہ آئی ڈینٹیٹی کرائسیس ــــــ؟ پہلے باپ کا گھر، باپ کے نظریوں پر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھنے والی، یہاں سے باہر جب وہ پرائے گھر میں بھیج دی جاتی ہے، یعنی شوہر کا گھر۔شوہر کے نظریات۔باپ اور شوہر کے الگ الگ نظریات کو ماننے پر مجبور عورت کی اپنی آئی ڈینٹیٹی کہاں باقی رہتی ہے؟ اگر کبھی وہ اپنی یعنی سیلف آئی ڈینٹیٹی کے لئے لڑنا چاہتی ہے تو ــــــ نہیں! اُف، سماج میں انجنا مشرا جیسی ان گنت مثالیں موجود ہیں ۔کیا غلطی پہلی بار وہاں نہیں ہوتی، جب وہ اپنے شوہر کا آدھا نام اوڑھ لیتی ہے، یعنی، اگر وہ سیما ورما ہے اور شادی کسی راجن شری واستو سے ہوتی ہے تو، وہ سیما ورما سے اچانک سیما شری واستو ہو جاتی ہے ۔کیوں؟ وہ صرف اپنی پہچان نہیں بدلتی، شاید انجانے میں بہت کچھ کھو دیتی ہے۔پھر کھونے اور بدلنے کا ایک لمبا سلسلہ لگاتار چل پڑتا ہے......''۔

○○

مجھے یاد نہیں، میں کب تک بولتا رہا ــــــ

مجھے یہ بھی یاد نہیں۔میں کیا کیا بولتا رہا، کتنی دیر تک ہال تالیوں سے گونجتا رہا، سمینار کب ختم ہوا، کب میں باہر نکلا؟ مگر استقبالیہ ہال سے بس تھوڑی دور پر وہ کھڑی تھی ۔

وہ ــــــ وہی 'حادثہ' والی لڑکی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی ــــــ

''آپ ــــــ آپ کافی اچھا بول لیتے ہیں۔''

(اس کی آواز سرد تھی ۔اتنی سرد جیسے کسی گہرے کنویں سے، برف کے ڈھیر کو ہٹاتی ہوئی اوپر اٹھ رہی ہو۔)

''اس سے پہلے بھی آپ کو بہت بار پڑھا تھا—— مگر—— آج—— آپ کو سننے کے بعد—— کیا عورت آپ کے لئے سچ مچ وہ نہیں ہے، جو دوسرے مردوں کے لئے ہے——''

(اس کی آواز میں، میں نے کسی ناگن کی پھپھکار محسوس کی۔ مگر—— اس کی آواز پُرسکون تھی۔)

''آپ نے اچھی بات اٹھائی ہے۔ آپ سے متفق ہوں میں۔ مگر—— سچ مچ کیا آپ ایسے ہی ہیں۔ مثلاً گھر کے دروازے تک جانے والا آدمی آئیڈیالوجی کی سطح پر ایک ہی رہتا ہے نا......؟

اُف کسی آتما جیسی آواز۔ میں دھک سے رہ گیا۔ ہو ہنس رہی تھی...... وہ قد میں عام لڑکیوں سے زیادہ لمبی تھی۔ میں نے چونک کر پوچھا——

''میں...... میں سمجھا نہیں؟''

وہ پھر ہنسی—— ''سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی، لیکن—— اگر میں آپ سے ملنا چاہوں تو؟ کسی—— کسی بھی دن——؟ کیا کسی دن آپ کے گھر آسکتی ہوں؟''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں۔''

مجھے یاد ہے، گاڑی میں بیٹھنے تک میرے دانت بج رہے تھے۔ مجھے گھر تک پہنچانے والے میرے میزبان دوست نے پوچھا بھی تھا—— ''بات کیا ہے؟ سردی تو بہت زیادہ نہیں۔ نیا سال شروع ہونے میں تو ابھی ایک ماہ باقی ہے......''

میں نے بات بدلتے ہوئے کہا—— ''نیا سال نہیں، سن دو ہزار—— ایک نئے ملینیم کی شروعات، میں نے اپنی گفتگو میں 'وِٹ' پیدا کرتے ہوئے کہا تھا——

''دراصل یہ دانت ملینیم کے اختتام کے استقبال میں بج رہے ہیں۔''

(۲)

تب تک میں نے ڈرامہ لکھا بھی نہیں تھا۔ (ڈرامہ کی ریہرسل شروع ہونا تو دور کی بات۔ہاں، مجھے اپنے ڈائریکٹر سمیر مہادیون کی طرف سے بار بار غصے کو جھیلنا پڑ رہا تھا۔

''سن دو ہزار کے دوسرے ہفتہ تک ہمیں یہ ڈرامہ کر لینا ہے۔ اُف اور کتنی دیر لگائیں گے آپ؟''

''بس، جلد ہی ناٹک پورا کرلوں گا۔''

سمیر مہادیون تھیٹر کا آدمی تھا۔ تھیٹر پر دل وجان سے فدا۔ اپنی پائی پائی تھیٹر پر لٹا دینے والا۔ تھیٹر، اس کے لئے صرف تھیٹر نہیں تھا۔ جب وہ کوئی نیا ڈرامہ ہاتھ میں لیتا، یوں ہی 'بورایا' سا گھومتا رہتا۔ اس بار ڈرامہ کے لئے اس کا خاص موضوع تھا ——— ''عورت'' وہ بار بار میرے کمرے کی میز پر مُکا مارتا تھا۔

''لکھو۔ایسا لکھو کہ ہال تالیوں سے گونج جائے۔ یہ آنے والی نئی صدی میں میرا پہلا ڈرامہ ہوگا۔یاد، عورت کو کوئی بالکل نیا کردار دو۔ ہزار سال بیت گئے، اب نئے ہزار سال کی شروعات ہوئی ہے۔ مجھے سائنس یا کسی نئی ایجاد سے زیادہ قیمتی کھوج نظر آتی ہے ——— عورت میں۔ لگاتار آنے والی تبدیلیوں کی کھوج ——— بس یار ——— جھٹ پٹ لکھ ڈالو تم ——— میں جانتا ہوں، اسے تم ہی لکھ سکتے ہو۔کوئی دوسرا تم سے اچھا نہیں لکھ سکتا۔''

وہ مجھے مسکہ لگا رہا تھا۔

میں نے یکا یک پوچھا ——— ''سمیر مہادیون، تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟''

وہ اپنے بال کھجا رہا تھا ——— ''کیا کہوں، ہزار برسوں میں کوئی نہیں ملی۔''

○○

اس رات میں ڈرامہ ہی لکھنے کی تیاری کر رہا تھا، کیوں کہ سمیر مہادیون کو اب 'نا' کرنا میرے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی۔ اس رات کئی دلچسپ باتیں رونما ہوئی تھیں۔ جیسے میں گیس پر چائے کا پانی چڑھا کر بھول گیا تھا۔ جلنے کی بو آنے پر جب میں بھاگا بھاگا گیا تو چائے دانی بالکل کالی پڑ چکی تھی۔ شاید پانی کا آخر قطرہ تک سوکھ کر کاربن بن چکا تھا اور سارے کمرے میں دھواں پھیل گیا تھا—— تین بار ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور ہر بار بلینک کال۔ میرے پاؤں سے ٹکرا کر 'عربی' شمع دان کی کرچیاں پورے کمرے میں پھیل گئی تھیں، جسے صاف کرنے میں مجھے پورے آدھے گھنٹے لگ گئے تھے۔ تو کیا یہ سب مجھے ڈرامہ شروع کرنے سے روک رہے تھے؟

نہیں، شاید اس رات ایک اور بھی 'حادثہ' دیر سے مجھے پاگل اور پریشان کئے جا رہا تھا——

باہر زور زور سے بارش ہو رہی تھی، پیٹ پیٹ کر۔ آپ نہیں جانتے۔ مجھے بارش کا گیت کتنا پسند ہے۔ مجھ جیسے اکیلے، غیر شادی شدہ آدمی کو بارش کا یہ گیت کس قدر پاگل اور بے چین بنا دیتا ہے۔ کبھی چھت پر—— جیسے وائلن کے تاروں کو ہلکی ہتھیلیوں سے لہرا کر چھوڑ دیا گیا ہو۔ کبھی چھجے سے گرتے ہوئے...... کبھی یہ احساس کہ آپ کی آنکھیں بند ہیں۔ بدن کسی مونالیزا کے اندر میں بے جان سا پڑا ہے لیکن اس کی سب سے چمکیلی آنکھیں بند ہیں اور تصور کیجئے—— دائیں بائیں چاروں طرف سے بارش کی بوچھاریں گر رہی ہیں—— بغیر آپ کو چھوئے، گنگنائے بھگوئے...... بس! آپ کے ننگے تلووں کو چھوتی پانی کی دھاریں دور تک بہتی جا رہی ہوں......

تو میں اسی تصور میں شرابور تھا۔ آگے بڑھ کر میں نے کھڑکی اور شیشوں کے دراز وں سے پردے کھینچ دئے تھے......

کمرے میں ایک عجب طرح کی ''ادبی تاریکی'' تھی ــــــ ''ادبی تاریکی'' نہیں، آپ اس کا تجزیہ مت کیجئے۔ مجھے لگتا ہے آپ اس کا تجزیہ کر بھی نہیں سکتے۔ کیسی، بے چین کرنے والی یہ ادبی تاریکی ہوتی ہے، اسے ادب تخلیق کرنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ بھی ایسے عالم میں، جب وہ کچھ تخلیق کرنے کا ذہن بنا چکے ہوتے ہیں اور وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ باہر زوروں کی بارش ہو رہی ہو......

تو باہر زوروں کی بارش ہو رہی تھی......اور ٹین کے چھجے سے لڑھکتی پانی کی بوندوں کا سنگیت ایک عجب طرح کا سماں پیدا کر رہا تھا......ایک طرف میری لمبی خاموشی سے نکلی ادبی تاریکی تھی اور دوسری طرف......

کوئی تھا، جو دروازے کا شیشہ تھپتھپا رہا تھا......

دوسرے ہی پل مجھے کسی عورت کی کانپتی آواز سنائی دی تھی ــــــ

''کھولئے، دروازہ کھولئے۔ میں بری طرح بھیگ گئی ہوں......''

میں نے گھوم کر دیکھا۔ شیشے پر سفید سی ہتھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ نہیں، جڑی ہوئی تھیں۔ کوئی پیکر تھا جو ہلکی روشنی اور شیشے کے باوجود، دھند میں کسی کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

کون ــــــ؟

لیکن اس وقت میرا یہ پوچھنا کسی حماقت سے کم نہیں تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے وہی تھی ــــــ وہی سیمینار روالی لڑکی۔

''پہچانا آپ نے؟'' ــــــ وہی جانی پہچانی ہنسی ــــــ ''یا بھول گئے؟''

''نہیں......اتنی جلدی......نہیں......

''یعنی —— دیر میں بھولنے کے عادی ہیں آپ ۔ اُف! میں بُری طرح سے بھیگ گئی ہوں ۔ کیا آپ اندر آنے کو نہیں کہیں گے......''

''ارے، اندر آ جایئے......''

مجھے شرمندگی ہوئی اور میں نے پہلی بار اس کا بغور جائزہ لیا۔ وہ بُری طرح بھیگ گئی تھی۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی پہنے ہوئی تھی۔ جواب اس کے بدن سے پوری طرح چپک گئی تھی۔ اس کی گردن لمبی تھی۔ بالوں کے ''گچھوں'' سے ہو کر پانی کے قطرے، اس کی لمبی گردن سے ٹکراتے، اس کے بلاؤز کو تر کر رہے تھے...... لانبی گردن۔ مجھے افسوس ہوا۔ کاش، اس کے پہلے میں نے سندل کے پیڑوں کی طرح ہوتی ہیں —— شفاف اور چکنی۔ وہ تھوڑی دبلی پتلی تھی۔ ساڑی سے میچ کرتا ہوا بلاؤز تھا —— وہ گوری نہیں تھی۔ رنگ ہلکا سانولہ تھا مگر بارش سے بھیگی ہوئی یہ لڑکی ایک دم سے کمرے کی تاریکی میں ایک دوسرا ہی نقش بھر گئی تھی۔

یقیناً، لڑکیوں کے پورے بدن پر آنکھیں ہوتی ہیں اور انہیں فخر کے ساتھ اس بات کا احساس بھی رہتا ہے کہ انہیں کوئی بغور دیکھ رہا ہے۔ بُری طرح پانی سے شرابور ہونے کے باوجود شاید اسے اپنے بھیگے ہونے کا ذرا بھی احساس نہیں تھا......

''دیکھ چکے......''

وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ہنسی —— میں ایک دم سے گھبرا گیا۔

وہ ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیوں...... تمہیں'' وہ کہتے کہتے ٹھہری...... ''آپ کہنا مجھے بوجھل لگتا ہے، تمہیں کہوں تو......''

''چلے گا۔''

وہ پھر ہنسی...... ''کیوں تمہیں عجیب سا نہیں لگا۔ بارش کی رات ایک جوان لڑکی اس طرح تمہارے کمرے میں آ جاتی ہے۔''

''تمہارے کپڑے بھیگ گئے ہیں۔''

''جانتی ہوں۔آگے یہ تو نہیں کہو گے کہ ہینگر سے کپڑے نکال کر لے آؤں۔''

''اوہ، مجھے سچ مچ افسوس تھا.....ابھی آیا ـــــ سچ مچ سب سے پہلے تمہیں کپڑوں کی ضرورت ہوگی۔''

''رُکو۔پھر گرما گرم چائے کی.....تھرمس تمہارے پاس ہے نا؟''

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

میں جانے کو مڑا تو اس نے روک دیا...... ''ٹھہرو ـــــ مت جاؤ میں یوں ہی کہہ رہی تھی۔''

''میرے کپڑے تمہیں.....''

''آجائیں گے ـــــ یہی کہنا چاہتے ہونا۔'' وہ پھر ہنسی ـــــ ''نہیں آئیں گے، ڈھیلے ہوں گے۔ میں تم سے زیادہ دبلی ہوں۔جسم اور کپڑوں کے ساتھ کچھ بھی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔''......وہ پھر ہنسی۔

''سنو میں ان لڑکیوں میں نہیں ہوں، جو بھیگ کر پرائے مرد کے کمرے میں گھس کر اس کا وارڈروب تلاش کر لیتی ہیں۔''

''پھر تم چاہتی کیا ہو؟''

''یہاں بیٹھ جاؤں صوفے پر اجازت ہو تو ـــــ صوفہ تھوڑا سا گیلا ہی تو ہوگا ـ ـ ـ'' وہ پھر بے مطلب ہنسی۔''یقیناً ایک گیلی شئے، دوسرے کو گیلا.....کر دیتی ہے۔''

''کیوں آئی ہو؟''

''ارے تم تو ایسے پوچھ رہے جیسے ڈر رہے ہو۔''

''کیوں ڈروں گا؟''

''میں کیا جانوں، خود سے پوچھو—— وہ اچانک سنجیدہ ہوگئی تھی...... ''تمہیں یاد ہے، وہ سیمینار'' —— میں نے پوچھا تھا نہ، میں اگر اچانک، بنا بتائے تمہارے گھر آجاؤں تو...... بارش کے اس موسم سے زیادہ مناسب وقت مجھے دوسرا نہیں لگا۔ مجھے لگا، یہی صحیح وقت ہے جب تم سے ملاقات کی جاسکتی ہے —— اس کے چہرے پر ذرا سی سختی تھی...... ''کبھی کبھی کوئی ایسا آدمی ہونا چاہئے جس سے آپ کچھ شیئر کرسکیں آپ کا پسندیدہ آدمی......'' اس نے میری طرف گھور کر دیکھا...... سیمینار والے دن تمہاری باتیں سن کر لگا تھا، تم سے اپنا آپ شیئر کیا جاسکتا ہے اور اپنا آپ شیئر کرنے کے لئے بارش کی رات سے زیادہ خوبصورت وقت کوئی نہیں...... ''ادیب ہو نہ تم''...... آگے بڑھ کر اس نے کھڑکی کے پردے کھینچ دیے۔ باہر بجلی چمکی تھی۔ وہ خوف سے پیچھے ہٹی......

''میرے شوہر ہیں لیکن میں نے شوہر کا گھر چھوڑ دیا ہے''...... وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک دائیں ہاتھ کے ناخنوں کو چباتی رہی...... اس دن آپ نے تخلیقی کرائسس، آئیڈنٹیٹی کرائسس کا ذکر نہ چھیڑا ہوتا تو...... خیر...... جانے دیجئے۔ آئڈنٹیٹی کرائسس......''

وہ ہنس رہی تھی...... مرد اسے پرایا ہی سمجھ سکتا ہے۔ آئڈنٹیٹی کیا دے گا؟...... شادی کے کچھ ہی دنوں بعد لگا، اس میں ایک ساتھ بہت سارے جنگلی مرد یا بھیڑئے اکٹھا ہو گئے ہیں۔ ہم شادی کے بعد اس کے، الگ کے فلیٹ میں آگئے تھے۔ کافی پیسے والا تھا وہ۔ کافی بڑا فلیٹ اور رہنے والے صرف دو آدمی۔ وہ بہت کم باتیں کرتا تھا۔ رومانس کرنا یا رومانٹک باتیں کرنا شاید اسے آتا ہی نہیں تھا اور جلد ہی مجھے اس کے دوشوق کا پتہ لگا، جو بہت ہی مختلف تھا اور......''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا...... ''وہ کراس ورڈس سے کھیلتا تھا۔ پہلی، معمہ یا Puzzle'' —— سارا دن وہ پنسل لئے خالی خانوں میں کچھ نہ کچھ بھرتا

رہتا اور ایسا کرتے ہوئے اسے کسی بات کی فکر نہیں ہوتی تھی ۔ یہاں تک کہ اپنی نئی نویلی دلہن کی بھی، جسے یہاں آئے ہوئے ابھی بہت دن نہیں گذرے تھے ۔ مجھے پر جو گزر رہی تھی میں جانتی تھی ۔ پھر...... یا تو اس پر پاگل پن کا دورہ پڑنے لگا یا پھر اس نے ایک دوسرا شوق پال لیا''

''وہ کیا......؟''

''وہ بہت سارے پتھروں کو جیب میں جمع کرنے لگا ۔ کراس ورڈس حل کرنے کے درمیان جب پریشان ہو جاتا تو گھر کی چیزوں کو پتھروں سے نشانہ بنانے لگتا...... چھوٹے چھوٹے بلب، قمقمے، جھاڑ فانوس...... شیشے کی کھڑکیاں، گلاس...... اس کی آنکھوں میں بے رحمی ہوتی ۔ ایک دن اسی طرح گھر کی چیزوں کو نشانہ بناتے بناتے میرے پاس آنکلا''

''پوچھا...... تمہیں میں پاگل تو نہیں لگتا''

''نہیں بالکل نہیں'' ...... میں نے جواب دیا میں جانتی ہوں کہ یہ سب تم کیوں کر رہے ہو ۔''

''کیوں کر رہا ہوں؟''

''اس لئے کہ تمہارے پاس سے فضا سی سرک گئی ہے ۔ تم سب کچھ اپنی چھوٹی سی عمر میں ہی کر گزرے ہو ۔''

اس کا چہرہ اچانک سفید پڑ گیا ۔

''افسوس اس بات کا ہے کہ گھر کی ساری چیزیں ٹوٹ جائیں گی تو؟''

اس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک تھی ۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا ۔ واپس نکالا تو اس کے ہاتھ دو ۔ تین نکیلے پتھروں سے بھرے تھے ۔

میں ہنسی تھی...... ''مجھے پتہ تھا اس کے بعد تم یہی کرو گے...... چلاؤ ۔ مجھ پر پتھر چلاؤ ۔''

اس نے تین بار باری باری سے پتھر چلایا۔ میں تینوں بار جھک جھکا کر اس کا وار بچاتی رہی۔ جب اس کے ہاتھ خالی ہو گئے۔ میں نے وہیں زمین سے ایک بڑا سا پتھر اٹھا لیا۔

''تو کیا تم نے اسے مار ڈالا؟''

''نہیں۔'' وہ ہنس رہی تھی...... ''اتنا پاگل سمجھتے ہو مجھے۔ جو ایسے آدمی کو مار کر اپنی زندگی ختم کر لیتی۔ مجھے پتہ تھا، ایک ایسا دن میری زندگی میں آنے والا ہے اور سچائی یہ ہے کہ اتنی جلد وہ دن میری زندگی میں آ جائے گا، مجھے یقین نہیں تھا اور حقیقت یہ تھی کہ میں اسے ڈرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔''

''پھر؟''

''اس رات وہ غائب رہا۔ دوسرے دن دروازے پر دستک ہوئی۔'' میں نے دروازہ کھولا تو اس کے ساتھ ایک نئی لڑکی تھی اور ایک دو مزدور تھے۔ جو یقیناً گھر کی ٹوٹی ہوئی چیزیں ٹھیک کرنے یا بدلنے آئے تھے اور یقیناً اس کی جیبیں بھاری ہوں گی اور اس میں پتھر پڑے ہوں گے...... میں چپ چاپ ان کو اندر آنے کا راستہ دے کر باہر نکل گئی۔

''باہر یعنی کہاں......؟''

''پاگل۔ کیسے آدمی ہو...... وہ ہنس رہی تھی...... تمہارے کمرے میں اور کہاں...... سنو کپڑے سچ مچ بہت گیلے ہیں اتار دوں۔''

''کیا؟''

وہ پھر کھلکھلا کر ہنسی...... ''سمجھو۔ تمہارا وارڈ روب استعمال کرنا نہیں چاہتی۔ تو کیا تم مجھے دیکھتے رہو گے؟'' وہ زور سے ہنسی۔ بارش میں بھیگی لڑکی کا بھیگا ہوا جسم۔ اگر مان لو۔ اگر میں کپڑے اتاروں......؟ پوری طرح عریاں ہو جاؤں تو؟ کیا بغیر دیکھے تم اس طرح مجھ سے باتیں کیوں کر سکتے ہو جیسے اپنے کسی دوست سے کر رہے

ہو،......اس نے زور دیا......اپنے مرد دوست سے۔''

وہ ہونٹ چبا کر چیخی تھی...... ''اپنی آنکھیں ادھر کرو......میں سچ مچ......''

اور سچ مچ اس نے کپڑے اتار دیئے تھے۔میں نے اپنی پشت کی آنکھوں سے اس کے پورے جسم کو کپکپا دینے والے احساس کے ساتھ محسوس کیا۔میرا سارا جسم جل رہا تھا۔ہونٹوں تک تیز لپٹیں اچانک سامنے آ کر بھڑک گئیں تھیں۔مجھے کہنا چاہئے۔ اتنا خوبصورت، سڈول جسم آج اور اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

باہر بجلی کڑک رہی تھی۔

بارش کی بوندیں تیز رفتار سے برس رہی تھیں۔میں اس کی طرف مڑا تو وہ بلند آواز سے چیخی...... ''یہ۔ای......ای......''

لیکن اس کی کمزور آواز پر جیسے بجلی کی کڑک حاوی ہو گئی تھی۔

بارش کب بند ہوئی، پتہ نہیں چلا۔میں اس کے جسم سے ہٹا تو وہ بلاؤز کے بٹن بند کر رہی تھی۔پھر وہ ٹھہری نہیں، میں نے اسے دروازہ کھول کر جاتے ہوئے دیکھا۔

جاتے وقت بھی اس نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

بس۔وہ ایک چھلاوے کی طرح آئی اور چھلاوے کی طرح چلی گئی۔

(۳)

یہ سچ ہے کہ تب تک ناٹک لکھا نہیں گیا تھا۔

ایک پورے ملینیم کے اختتام میں اب صرف بیس دن باقی رہ گئے تھے۔ادھر سمیر مہادیون ایک دم سے میرے سر پر سوار تھا۔

''یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔قلم بانجھ تو نہیں ہو گیا؟''

''نہیں۔''

''تمہارے لئے شادی کرنا ضروری ہے سمجھ گئے۔میرا۔پہلے بھی یہی خیال تھا۔ عورت......عورت، جیسے موضوع پر تم سے نہیں لکھا جائے گا۔''

وہ ہنس رہا تھا۔

حقیقت میں سمیر مہادیون کو مجھ پر ہنسنے کا حق حاصل تھا۔ اس لئے کہ وہ میری دماغی حالت سے واقف نہیں تھا۔ میں لگاتار ڈرامہ کو اس 'حادثے' سے جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ مجھے اس عورت کی تلاش کرنی تھی جو ویدک عہد میں عزت واحترام کی چیز تھی، ویدک عہد، اُترویدک عہد، بھکتی آندولن اور مسلمانوں کی آمد تک جو ہندوستانی کلچر میں کئی روپ بدل چکی تھی اور اس انٹرنیٹ عہد تک آتے آتے اس کے بارے میں کچھ بھی کہنا آسان نہیں رہ گیا تھا۔ ان سب کچھ کے باوجود وہ عورت تھی...... وجود میں ایک نشہ رکھنے والی۔ سمبھوگ، کے وقت ہر بار پُراسرار ہو جانے والی۔ پُراسرار...... لیکن عورت بہر حال عورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ کتنے ہی ملینیم کیوں نہ اوڑھ لے۔

موضوع میں نے وہیں سے لیا تھا۔ وہی بارش والی عورت۔ اس پُراسرار عورت کی ایک ایک بات مجھے یاد رہ گئی تھی۔ ضروری یہ تھا کہ مجھے اس سارے واقعے کو نئے انداز سے لکھنا تھا۔ لکھتے وقت 'واقعے' کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔ حقیقی کردار کسی دوسرے کردار میں سما جاتا ہے...... ملینیم کے خاتمے کی عورت۔ میں نے اس کے شوہر کا کردار، اس عورت میں ڈال دیا تھا۔ مجھے پتر اچھے نہیں لگے تو میں نے اس کے ہاتھوں میں پستول تھما دیا۔ وہ چست چوکس لباس یعنی جینس، ٹی شرٹ وغیرہ پہنتی تھی۔ بال چھوٹے تھے۔ قد مناسب۔ کمر کی پیٹی میں ہر وقت ایک پستول ہوتی تھی۔ وہ زمانے سے تھکی نہیں تھی، نہ ہی وہ زمانے کو مٹھیوں میں کرنا چاہتی تھی۔ زمانہ اس کے لئے ایسی ہی ایک لاچار سی شئے تھا، جیسے گھر کی کوئی بیکار سی لگنے والی چیز، جس پر بڑے آرام سے، کمر سے پستول نکال کر، وہ گولی چلا دیتی تھی۔ بس...... ایک ذرا سی ٹھائیں...... خالی وقت میں وہ کراس ورڈس سے کھیلتی تھی۔ کھیلتے کھیلتے پریشان ہو جاتی تو وہی 'دوست پستول' اس کے ہاتھوں میں آ جاتا۔

ٹھائیں...... بلب ٹوٹ گیا۔

ٹھائیں...... فانوس کے شیشے زمین پر بکھر گئے۔

ٹھائیں...... کتابوں کی الماری کے آر پار گولیاں نکل گئیں۔

اور...... ٹھائیں...... ٹھائیں...... پرندوں کی طرح...... کبھی آسمان کی طرف...... کبھی شانت لہروں کی طرف...... اور کبھی...... بس پزل (Puzzle)۔ کراس ورڈس...... دنیا میں اس کے لئے کوئی کشش باقی نہیں تھی......

یہ ایک خوبصورت سا کردار تھا۔ ناٹک کے لئے یہ ایک انتہائی نیا کردار تھا۔ مجھے یقین تھا، جب یہ کردار تھیٹر میں زندہ ہو اٹھے گا تو مجھے چاروں طرف سے تالیاں ملیں گی۔ یہ کردار ملینیم کی ہزار سالوں میں بدلتی عورت سے میل کھاتا تھا۔ لیکن مجھے یہیں، ایک کردار کی اور ضرورت تھی۔ ایک ایسا کردار جو اسے سہارا دے سکے۔ یقیناً یہ کردار میرا تھا۔ (اور یہ ناٹک میں بھی مجھے ہی نبھانا یا ادا کرنا تھا)۔ اب میرے لئے اہم تھا، میرے اپنے اس کردار کو نجانا یا سنوارنا۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ عورت آسانی سے قابو میں نہیں آئے گی۔ جس طرح اس کا شوہر قابو میں آ گیا تھا (اس نے پتھر پھینکے اور ہر بار بچ گئی اور دوسری صبح، ایک دوسر، پتھر کھانے والی کو راستہ دے کر، موسلا دھار بارش کی ایک رات میرے کمرے تک پہنچ گئی۔)

حقیقت میں مجھے ایک نئی سچائی کو پیش کرنا تھا...... اور میں 'کہانی' سے، نئے سرے سے گزر رہا تھا۔

یہ اور بات ہے کہ میں کمرے میں تیز تیز ٹہل رہا تھا اور لگاتار سگریٹ پیئے جا رہا تھا

۔

(۴)

خاموش جگہ، خاموش فضا۔ ایک ٹھہری ہوئی ندی۔ ان سب کو اسٹیج پر دکھانا آسان نہیں...... مگر مجھے یہیں، اپنے ہیرو یعنی اپنے آپ کو لانا تھا۔ فنتاسی سے اکتائی

عورت، کراس ورڈس کے بیکار سے کاغذ کو ہوا میں اُچھال کر گولیاں چلاتی ہے...... ایک، دو، تین...... ٹھائیں...... ٹھائیں...... ٹھائیں...... اچانک ایک چیخ گونجتی ہے ۔ایک انسانی آواز ۔ یہ کسی جانور کی آواز نہیں تھی ۔عورت اس چیخ کی طرف مڑتی ہے...... چونک جاتی ہے ۔ایک انسانی جسم ۔لہولہان بازو ۔مرد نظر اٹھاتا ہے ۔ عورت کو دیکھتا ہے ۔پھر لہولہان بازو سے گولیاں نکالنے میں ایسے محو ہو جاتا ہے، جیسے اس سناٹے میں اس کے سامنے کوئی عورت نہیں، بے کشش سی کوئی شئے کھڑی ہو۔ جیسے پتے، جیسے پیڑ، جیسے گھومتے جانور، جیسے آسمان، جیسے ستارے......

وہ اپنی گولیاں نکال رہا ہے...... اس طرح، جیسے اس پر احسان کر کے، کوئی ایک کام دے دیا گیا ہو۔

عورت اس کے پاس آ کر کھڑی ہو جاتی ہے ۔دیر تک دیکھتی ہے...... پھر پوچھتی ہے۔

''درد ہو رہا ہے؟''

''درد ۔یہ لفظ کچھ سنا سنا سا ہے ۔پتہ نہیں!''...... وہ سر جھٹکا دیتا ہے ۔

''کافی خون بہہ گیا ہے چلو......''

زندگی کے تمام تجربوں سے گذرنے، انہیں ریجکٹ (Reject) کرنے کے بعد...... زندگی کے تئیں مایوس ہو جانے والی عورت کے اندر مجھے پھر سے ہمت اور حوصلہ پیدا کرنا تھا ۔یعنی ایک نیا ملینیم...... پھر سے ایک نئی شروعات ۔ کیوں گم ہوئے رشتوں کی پھر سے پہچان ۔ ہزاروں برس گزر جانے کے بعد ہم پھر سے نئے کیوں نہیں ہو جاتے؟ جیسے ابھی ابھی جنم ہوا ہو ۔ مجھے احساس تھا ۔ نئے ملینیم کی شروعات میں تمام طرح کا آڈمبر اتار کر اسے پھر سے ایک لڑکی بن جائے ۔ ویسی لڑکی، جیسی نظموں میں ہوتی ہیں ۔ چھوئی موئی سی، پتہ نہیں کیوں، میں اس میں سوئے ہوئے جذبات کو جگانا چاہتا تھا...... اور میرا کردار ایسے پیر، فقیر، سنت یا ایک

ایسے 'بے ضرر' انسان کا تھا، جو اچانک ہی، بوڈم کا شکار ہوئی اس عورت کے رابطے میں آ گیا تھا۔

ڈرامہ کا ایک فریم یہ بھی تھا...... کہ لڑکی خون صاف کرتے ہوئے اچانک میرے کپڑوں کو اتارنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے اندر کہیں گہرائی میں چھپی جنسی خواہشات جاگ جاتی ہے۔ وہ کسی شیرنی کی طرح مجھ پر جھپٹتی ہے اور میں...... میرے اندر کہیں گہرائی تک چھپا ڈر جاگ جاتا ہے۔

میں گھبراہٹ میں پیچھے ہٹتا ہوں۔

لڑکی میرا ہاتھ تھام لیتی ہے......

ناٹک کے اگلے منظر میں لڑکی تھکی تھکی سی لیٹی ہے، میں چپ چپ اُسے اکیلا چھوڑ کر بغیر کچھ کہے واپس چلا جاتا ہوں۔

○○

ڈرامہ میں کچھ اور بھی واقعات تھے۔ ڈرامہ میں سمبھوگ، کائنات اور کائنات سے متعلق نئے احساس اور فلسفے پر باتیں کی گئی تھیں...... ڈرامہ تیار تھا۔ اور حقیقت ہے کہ سمیر مہادیون اسے بار بار پڑھتا ہوا جھوم رہا تھا۔

''واہ...... واہ میرے دوست...... واہ...... میں اپنی بات واپس لیتا ہوں۔ میں نے کہا تھا۔''

وہ چونک کر پوچھتا ہے...... ''مگر اس ناٹک میں مرد کا کردار تمہیں کچھ اٹ پٹا نہیں لگا۔ یعنی ایک بے حد معصوم، میمنے جیسی عورت...... وہ زیادہ لاؤڈ ہوگئی ہے۔ میرا مطلب کچھ زیادہ......''

''مرد۔ اوہ۔ تم سمجھے نہیں سمیر مہادیون۔ مجھے مرد ہمیشہ معصوم لگا ہے عورت کے مقابلے۔ ابہارٹ اٹیک کو ہی لو۔ کتنی عورتوں کو ہارٹ اٹیک ہوتا ہے۔ ظاہر ہوا، دل تو صدا سے مردوں کے پاس رہا ہے۔ درد کا احساس ہمیشہ مردوں نے ہی کیا ہے۔ وہ

سچ مچ معصوم ہے۔ میں نے اس ختم ہوتی ملینیم میں عورت کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے......''

سمیر مہادیون کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا......

''تو چلو دیر کس بات کی۔ ڈرامہ کی ریہرسل شروع کرتے ہیں۔''

(۵)

ڈرامہ کی ریہرسل شروع ہو چکی تھی۔ ملینیم کے ختم ہونے میں ابھی کئی دن باقی تھے۔ اس پُر اسرار عورت کا کردار ایک بنگالن لڑکی ادا کر رہی تھی۔ سومیا چٹر جی۔ سومیا لمبی بھی تھی اور دبلی پتلی۔ حالانکہ چہرے مہرے کے تاثرات قطعی طور سے اس عورت سے میل نہیں کھاتے تھے، اور میل کھا بھی نہیں سکتے تھے۔ سومیا کو لینے کی دو ہی وجہ تھیں۔ ایک اس کا لمبا قد۔ دوسرا وہ تھیٹر کی منجھی ہوئی ایکٹریس مانی جاتی تھی۔

ریہرسل کو چار پانچ دن گذر چکے تھے۔ مگر سمیر مہادیون سومیا کی ایکٹنگ کو لے کر پُر یقین نہیں تھا۔ وہ بار بار غصے میں اپنے بالوں کو نوچنے لگتا۔ ''نو۔ ناٹ ایٹ آئی۔'' سومیا...... یہ ویسی عورت نہیں ہے۔ آئی مین...... ہنٹر والی ٹائپ...... تمہیں اس میں حقیقت کا رنگ بھرنا ہوگا...... حقیقت کا رنگ...... یو...... نو...... مجھے ریلیٹی چاہئے...... ریلیٹی...... ایکٹنگ نہیں چاہئے......'' سومیا حیران سی اس کی طرف دیکھتی...... ''میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں سر...... انفیکٹ......''

''یہ کردار......'' سمیر مہادیون غصے سے میز پر مکا مارتا ہے...... ''سومیا! سمجھنے کی کوشش کرو...... ایک پوری صدی، نہیں، ملینیم اس عورت کے پاس سے جا رہا ہے...... شٹ، گزر چکا ہے...... کبھی رسم و رواج کی بیڑیاں، کبھی پاک دامانی کی اگنی پر کشا اور کبھی...... دراصل وہ اداس ہو گئی ہے۔ آئی مین...... نیوٹرل...... چیزوں میں اس کے لئے کوئی کشش نہیں ہے...... رشتوں میں احساس میں...... جذبات میں...... اور سومیا دس از فنٹاسٹک رول فار یو...... یو شڈ انجائے...... یہ صرف ایک

واقعہ یا کردار نہیں ہے، یہ ایک بدلی ہوئی عورت ہے......''

''بس سر......'' جواب میں سومیا کے چہرے پر شکن آجاتی ہے...... وہ دوبارہ اسکرپٹ پر جھک جاتی ہے...... فنٹاسٹک......'' سمیر مہادیون میری طرف مڑتا...... تم دیکھنا یہ ناٹک تھیٹر ورلڈ میں ہلچل مچادے گا......''

سچائی یہ ہے کہ میرے اندر اس ڈرامہ کے لئے اتنا جوش نہیں تھا جتنا سمیر مہادیون میں بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ بارش کی اس رات والی پوری کہانی اب بھی میرے چہرے پر لکھی ہوئی تھی...... اور میں ریہرسل کرتے کرتے کتنی بار چونک کر بڑبڑایا تھا...... اور ہر بار سومیا نے مجھے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا...... ''کیا بات ہے سر! طبیعت کچھ......

''نہیں۔ طبیعت ٹھیک ہے......'' سمیر مہادیون ایک بار پھر ٹھہر کر زور سے چلایا...... ''ریڈی...... ریڈی فار ریہرسل...... سین نمبر...... او کے سومیا...... ریڈی؟...... گو فار ریہرسل...... چلیں......''

منظر وہی تھا...... عورت خون دیکھ کر چونک جاتی ہے...... وہ آگے بڑھ کر میرے کپڑوں کو اتارنے کی کوشش کرتی ہے۔ اچانک وہ جنسی جذبات سے لبریز ہو جاتی ہے...... اس کا سارا جسم جذبات کی شدت سے لرز رہا ہوتا ہے۔ وہ پاگلوں کی طرح میری طرف بڑھتی ہے...... ایک اینٹی ویمن کردار......'' سومیا ریڈی ہے......

سمیر مہادیون چلاتا ہے......

میں گھبرایا سا پیچھے ہٹتا ہوں۔ اور......

ریہرسل روم کا دروازہ اچانک کھلا ہے......

ٹھک...... ٹھاک...... ہیل والے جوتے بجے ہیں...... کوئی آرہا ہے...... کوئی آگیا ہے۔ سمیر مہادیون نے چونک کر دیکھا ہے...... میں ٹھہر گیا ہوں......

''معاف کیجئے گا......'' وہی سرد سا لہجہ...... ''میں ریہرسل دیکھ سکتی ہوں......؟''

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں، بیٹھئے......"

"شکریہ۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گئی ہے......اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں......میرے ماتھے پر پسینہ کی بوندیں جھلملا اٹھتی ہیں...... یہ وہی ہے...... کتنے آرام سے کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے...... جیسے...... مجھ سے شناسائی ہی نہیں ہو...... مجھے جانتی ہی نہیں......

سمیر مہادیون میرے قریب آ گیا ہے......"کیا بات ہے...... طبیعت...... وہ سومیا بھی کہہ رہی تھی۔" "نہیں......" ایک بار پھر مسکرانے کی ناکام کوشش......

"نہیں بالکل ٹھیک ہوں......"

"تو پھر آرام سے ریہرسل کرو نا......"

سمیر مہادیون کے چہرے پر شکن ہے......وہ پھر چلاتا ہے......"گو فار سین نمبر......"

سومیا میری طرف بڑھتی ہے...... میں پیچھے ہٹتا ہوں...... پیچھے دیوار ہے...... میں دیوار سے لگ گیا...... میری آنکھیں برابر اس لڑکی میں لگی ہوئی ہیں...... یہ کیا...... وہ کھڑی ہوگئی ہے......وہ آہستہ آہستہ سمیر مہادیون سے باتیں کر رہی ہے۔ سمیر گردن جھکائے دھیرے دھیرے ہاں، میں گردن ہلا رہا ہے۔ میرے ماتھے پر ایک بار پھر پسینہ کی بوندیں پھیل گئی ہیں......وہ دھیرے دھیرے ایڑی زمین سے رگڑتی ہوئی دنوں ہاتھوں سے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے......

"اوہ......یس......"

سمیر مہادیون نے زور سے تالیاں بجائی ہیں......اب وہ مجھے بلا رہا ہے9

"کیا ہے......؟"

"یہ......ان سے ملو......یار......کمال ہے۔ کمال، ابھی انہوں نے جو سین سمجھایا ہے، بس کمال ہے......

''سین......؟''

''ہاں سین، بھائی مجھے تو اس آئیڈیا نے زیادہ متاثر کیا ہے...... اور ویسے بھی تمہارے چہرے پر وہ تاثرات نہیں آرہے ہیں، نہ ہی سومیا وہ تاثرات دینے کی کوشش کررہی ہے......''

''مطلب......''

میں ایک دم سے چونک گیا۔

''مطلب...... کردار بدل دیئے جائیں گے...... نو...... نو...... یو کانٹ انڈرسٹینڈ...... سمجھو...... یہ تھیٹر ہے بھائی تھیٹر...... یہاں سب کو مل جل کر کام کرنا ہے۔ وہی کرنا ہے جو سب کو اچھا لگے...... یہی تو فرق ہے تھیٹر اور سنیما میں......''

''مطلب...... میرا رول بدل جائے گا......''

''ہاں، جیسا انہوں نے بتایا۔ دیکھو، بُرا مت ماننا۔ ان کی بات میں وزن ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو تمہارے کردار والی عورت کو پسند کریں گے...... یعنی وہ ہنٹر والی...... یار پھر وہی...... جذباتی ہورہے ہو تم...... بھاڑ میں گیا ملینیم...... بھاڑ میں گئی وہ ملینیم والی عورت...... عورت ہر بار وہی ہوگی...... وہی عورت...... کمزور......''

''مگر......''

''مگر وگر۔ کچھ نہیں......''

میرا لہجہ کمزور تھا ـــــ ''مگر یہ تو میری اسکرپٹ کے ساتھ ناانصافی ہوگی ـــــ''

''پھر وہی اسکرپٹ...... یار......'' وہ مجھے دونوں ہاتھوں سے ہلا رہا تھا...... ''پھر جذباتی ہو رہے ہو تم...... ارے یار...... یہ تھیٹر ہے...... تھیٹر...... اس میں سب کی مرضی چلتی ہے...... سب کے کہنے سے چلتا ہے تھیٹر...... پھر، جس سے سب کو فائدہ ہو......'' سمیر مہادیون عورت کی طرف گھوما تھا...... ''تو آپ لکھ دیں گی ـــــ

ٹھیک —— ایسا کیجئے، یہی سین —— سمجھ رہی ہیں نا، آپ ...... یہی سین ...... کل آپ لکھ کر لے آئیے ...... پھر دیکھتے ہیں ......''

میں نے اب آخری حملہ کیا تھا ——

''مجھے ...... معاف کرنا ...... شاید میں یہ رول نہ کر پاؤں؟''

سمیر مہادیون نے اس بار کچھ غصّے کچھ جوش سے میرا ہاتھ تھاما تھا —— ''خالص جذبات، آدرش ...... صرف کردار بدلے ہیں ...... تم ہو ...... اور تم بدلے ہوئے کردار بھی تم ہی کرر ہے ہو —— دوسری طرح سے کیوں تو —— تمہیں کرنا ہی پڑے گا ...... اب بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے ...... سمجھ رہے ہو تم ......

''اچھا، میں چلتی ہوں ......''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔

اُف ...... برف جیسا سرد ہاتھ ——

''میری کوئی بات لگی ہو تو ......''

وہ اچانک جانے کے لئے مڑی تھی۔ پھر ایڑیاں بجاتی ہوئی تیزی سے ریہرسل ہال سے باہر نکل گئی۔

یقیناً، چونکنے کی باری اب میری تھی —— یہ کیا ہوا۔ ایسا کیونکر ہوا۔ اس نے مجھے پہچانا کیوں نہیں ...... اور وہ چاہتی کیا ہے؟۔

سمیر مہادیون مجھے زور زور سے ہلا رہا تھا —— ''فلموں میں جاؤ گے تب پتہ چلے گا ...... یار وہاں تو پوری کہانی بدل جاتی ہے یہاں تو صرف کردار بدلے گئے ہیں ......

کردار ......؟

لیکن کیا حقیقت میں صرف کردار بدلے گئے تھے ......

دوسرے دن ریہرسل کامیابی سے گذر گئی۔ معلوم نہیں یہ اتفاق تھا، یہ سومیا چڑجی اس کردار کے لئے زیادہ فٹ تھی —— اب کردار میں میری جگہ وہی آ گیا تھا، اس کا شوہر، ایک بے رحم آدمی...... سومیا نئی نویلی دلہن تھی، جو مرد کی بے رحمی کی سزا کاٹ رہی تھی......

''دیکھا ——''

سمیر مہادیون پُر یقین تھا —— میرا پہلے بھی خیال تھا —— عورت کو لاؤڈ نہیں ہونا چاہئے۔ لاؤڈ تو —— تم ——

چلو اچھی بات ہے، تم آج زیادہ گمبھیر نہیں ہو......''

لیکن —— وہ کتنا جانتا تھا مجھے؟ یہ وہی کردار تھا وہی بارش والی رات...... جب میں اچانک پاگل ہوکر اس عورت کی طرف جھپٹا تھا...... وہ چیخی تھی، خوف سے پیچھے ہٹی تھی...... مگر ایک پرائے مرد کے کمرے میں آ کر بے لباس ہو جانا...... ادبی اندھیرا، حقیقت کے اندھیرے میں بدل گیا تھا...... ریہرسل کرتے وقت مجھ میں پورا پورا مجرم اتر آیا تھا...... ریہرسل ہوتے ہی اس نے زور زور سے تالیاں بجائی تھیں ——

پھر میری طرف اپنا سرد ہاتھ بڑھایا تھا......

"Congratulations"

سمیر مہادیون آگے آ گیا تھا۔ میری طرف دیکھ کر......

وہ بے رخی سے مڑا، پھر عورت کی طرف گھوما ——

''آپ آگے...... آں سمجھ رہی ہیں نہ...... باقی سین بھی...... سن دو ہزار کے دوسرے ہفتے میں ہی —— آپ سمجھ رہی ہیں نہ......''

عورت گھومی تھی...... ''نہیں اگر کوئی شکایت نہ ہو تو...... سمیر مہادیون نے میرا ہاتھ

تھا ماتھا——''یقین دلاتا ہوں، انہیں......انہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

اور یقیناً——بھلا مجھے کیا شکایت ہو سکتی تھی......؟ یہ کہ میرا کردار بدل گیا تھا۔ یہ کہ اسکرپٹ کا پورا نام جھام اس نے سنبھال لیا تھا——پورا کردار——یا پورے ناٹک میں——اب میں وہی غیر شائستہ سامر دتھا۔ جاہل، جنگلی......ریہرسل پورا ہوا......

ہم نے ایک نئے ملینیم میں قدم رکھا۔

ڈرامے کا پہلا شو تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ ختم ہوا——نہ معلوم کیوں مجھے بار بار لگ رہا تھا——میرے ادب کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ یا یہ کہ اپنے ادب یا ادیب ہونے کا مذاق میں نے خود اڑایا ہے......

اس رات پہلے شو سے واپسی کے بعد ایک حادثہ، اور ہوا تھا——اس نے فون کیا تھا——وہی، برفیلی آواز۔ اس نے مجھے ایک ویران جگہ کا پتہ دے کر بلایا تھا——ملنے کے لئے......

(۶)

وہ سامنے کھڑی تھی......اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ بے نشان، روح جیسا......

''تم......جانتے ہو، میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے......''

اف، وہی برف کے پگھلنے جیسا لہجہ۔

''نہیں——''

وہ مسکرا رہی تھی——''مجھے کبھی برا نہیں لگا، کہ میں——میں جو سوچتی ہوں، وہ حقیقت میں کیوں نہیں ہوتا۔ یعنی آدمی ہونے کے باوجود آدرش وادی چٹان، جوالا مکھی کی طرح اندر ہی اندر کیوں دھنستی جاتی ہے......کسی بڑے دھماکے کے

لئے —— آئیڈیالوجی.....''

وہ ہنس رہی تھی ——

''برا مت ماننا۔ یاد ہے، سیمینار کے روز میں نے پوچھا تھا..... سیمینار سے گھر..... اور گھر کے دروازے پر قدم رکھنے والا آدمی آئیڈیالوجی کی سطح پر تو ایک سا ہی رہتا ہے نہ.....''

وہ پھر ہنسی —— ''تم ویسے نہیں نکلے..... نکل بھی نہیں سکتے تھے..... اور اسی لئے میں نے تمہیں اس کردار سے نکلوایا۔ جانتے ہو کیوں ——''

''نہیں ——''

''تم اس کردار میں فٹ نہیں تھے..... یعنی پہلے والے کردار میں —— اس لئے میں نے پوری کہانی بدل دی..... تم کہیں سے فٹ نہیں تھے.....''

اس نے بڑے آرام سے پستول نکال لی تھی۔

میں نے خوف سے اس کی طرف دیکھا۔

اُس کی آنکھوں میں ایک زہریلی مسکراہٹ تیر رہی تھی —— 'کیوں، ڈر گئے؟ ڈرو مت.....؟ 'تمہیں کیا لگا، میں تم پر ایک گولی برباد کردوں گی۔'

وہ مسکرا رہی تھی —— اب میں اتنی بھی بے وقوف نہیں ہوں —— وہ تو بس..... ایسے ہی..... شوقیہ..... اچھا لگتا ہے نا، تمہارے ناٹک کے پہلے والے کردار سے میل کھاتا ہوا.....'

اچانک اُس کے چہرے سے ہنسی غائب تھی —— جاؤ تم!

وہ زور سے چیخی —— سنا نہیں تم نے ——

پھر اُس نے آنکھیں جھکا لیں —— میری فکر کئے بغیر وہ وہیں ایک چٹان نما پتھر

پر بیٹھ گئی ـــــ اُس کے ہاتھ میں پتہ نہیں، کہاں سے ایک میلا سا صفحہ آ گیا تھا، یقیناً یہ کراس ورڈس تھا۔ وہ فاؤنٹین پین لے کر پورے وجود کے ساتھ اُس پر جھک گئی تھی۔

واپس لوٹتے ہوئے میرے قدم شل تھے اور دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

کاتیائن بہنیں

ایک ضروری نوٹ

قارئین! کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مستقبل مصنف طے کرتا ہے لیکن کچھ کہانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا مستقبل کہانی کے کردار طے کرتے ہیں۔ یعنی جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی جاتی ہے، اپنے مستقبل کے تانے بانے بنتی جاتی ہے اور حقیقت میں مصنف اپنے کرداروں کو راستہ دکھا کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

ایسا اس کہانی کے ساتھ بھی ہوا ہے...... اور ایسا اس لئے ہوا ہے کہ اس کہانی کا موضوع ہے ...... 'عورت'...... کائنات میں بکھرے تمام اسرار سے زیادہ پُراسرار، خدا کی سب سے حسین تخلیق۔ یعنی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ عورت کو جان گیا ہے تو شاید اس سے زیادہ 'گھامڑ' اور شیخی بگھارنے والا، یا اس صدی میں اتنا بڑا جھوٹا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ عورتیں جو کبھی گھریلو یا 'پالتو' ہوا کرتی تھیں۔ چھوٹی اور کمزور تھیں۔ اپنی پُراسرار فطرت یا مکڑی کے جالے میں سمٹی، کوکھ میں مرد کے نطفے کی پرورش کرتیں...... صدیاں گزر جانے کے بعد بھی وہ محض 'بچہ دینے والی ایک گائے' بن کر رہ گئی تھیں مگر شاید صدیوں میں مرد کے اندر دہکنے والا یہ نطفہ شانت ہوا تھا۔ یا عورت کے لئے یہ مرد ڈھیرے ڈھیرے بانجھ یا سرد یا محض بچہ پیدا کرنے والی مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ گیا تھا...... تو یہ اس کہانی کی تمہید نہیں ہے کہ عورت اپنے اس احساس سے آزاد ہونا چاہتی ہے...... شاید اسی لئے اس کہانی کا جنم ہوا...... یا اس لئے کہ عورت جیسی پُراسرار مخلوق کو ابھی اور 'کریدنے' یا اس پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے...... ہم نے ابھی بھی اس مہذب دنیا میں، اسے صرف مقدس ناموں یا رشتوں میں جکڑ رکھا ہے۔

تو قارئین! یہ کوئی پریوں کی کہانی نہی ہے۔ یہاں دو بہنیں ہیں..... کاتیائن بہنیں۔ ممکن ہے ان بہنوں کے نام پر آپ کو ''لولیتا''، انناکارنینا'' اور ''مادام بواری'' کی یاد آجائے مگر نہیں! یہ دوسری طرح کی بہنیں ہیں۔ مردوں کی 'حاکمی' کو للکارنے والی..... تو اس کہانی کا جنم کچھ ''خاص'' حالات میں ہوا ہے۔

ایک واقعہ

گرچہ یہ کوئی فلمی منظر نہیں تھا ـــــ لیکن یہ فلمی منظر جیسا ہی تھا۔ مس کاتیائن کے ہاتھوں سے سبزی کا تھیلا پھسلا اور دو بڑے بڑے آلو لڑھکتے ہوئے بھوپیندر پریہار کے پاؤں سے ٹکرائے۔ بھوپیندر پریہار، عمر ایک کم باسٹھ سال، تھوڑا الہرائے ـــــ تھوڑا رکے ـــــ آلوؤں کو اٹھایا اور سبزی منڈی کی ایک دکان پر کھڑی مس کاتیائن پر جی جان سے نچھاور ہو گئے۔

''آپ مس کاتیائن ہیں نا.....؟ وہ 'اپنا کی ڈالی' والی دکان کے سامنے والے گھر میں.....؟''

''ہاں۔'' مس کاتیائن اتنا بول کر خاموش ہو گئیں۔ شاید انہیں گفتگو کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ وہ بھی ایسی جگہ؟ سبزی منڈی میں..... کوئی 'مرد' اس طرح کسی عورت سے اس طرح بات کرے، انہیں اچھا نہیں لگا ـــــ

''میں وہیں رہتا ہوں..... آپ کے گھر کے پاس..... تھیلا بھاری ہے؟''

پتہ نہیں کہاں سے بھوپیندر پریہار کے لہجے میں اتنا اپنا پن سمٹ آیا تھا۔

''نہیں کوئی بات نہیں.....''

''دیجئے نا۔ میں اٹھا لیتا ہوں.....''

بھوپیندر پریہار نے آرام سے تھیلا اٹھایا اور سبزی منڈی کی دھول بھری سڑکوں پر دونوں چپ چاپ چلنے لگے۔ ہاں بھوپیندر پریہار کچھ لمحے کے لئے یہ بالکل ہی

بھول بیٹھے تھے کہ وہ کوئی نوجوان نہیں، بلکہ ایک کم باسٹھ سال کے گھوڑے پر سوار ہیں......

لیکن گھوڑے میں اچانک جوش آ گیا تھا۔

○○

ایک عالی شان مگر پرانے زمانے کا چندن کی لکڑی کا بنا ہوا محراب نما دروازہ تھا۔ یہ دروازہ چرچرانے کی بھیانک آواز کے ساتھ کسی ہارر فلم کی طرح کھلتا تھا...... اس کے بعد کافی کھلا ہوا صحن تھا۔ غرض یہ ایک ٹوٹا پھوٹا سا بے رونق گھر تھا۔ یہاں آپ ہمیشہ ہر موسم میں بڑی مس کاتیائن کو دیکھ سکتے ہیں—— جھکی ہوئی نظریں، ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تیلیاں—— ایک طرف پڑا ہوا اون کا 'گچھا'۔ تیلیوں میں الجھے ہوئے ہاتھ...... یعنی دنیا سے بے خبر مس کاتیائن سوئٹر بن رہی ہیں۔ جاڑا ہو گرمی یا برسات، مس کاتیائن کی بس اتنی سی دنیا ہے...... گہری فکر، اون کا گولا اور تیلیاں۔ لیکن یہ باتیں زیادہ توجہ طلب نہیں ہیں کہ بڑی مس کاتیائن یہ سوئٹر کس کے لئے بنتی ہیں۔ انہیں پہننے والا کون ہے؟ یا بس سوئٹر بنا مس کاتیائن کا ایک شغل ہے—— ایک ہی سوئٹر کو بار بار ادھیڑتے رہنا اور بنتے رہنا......

''اندر آ جائیے......''

چھوٹی مس کاتیائن نے اشارہ کیا۔ بھوپیندر پر یہار تھیلا لئے صحن میں آ گئے...... ہمیشہ کی طرح بڑی مس کاتیائن نے گردن گھما کر چھوٹی مس کاتیائن کے ساتھ اندر آتے ہوئے اجنبی، کو دیکھا...... لیکن آنکھوں میں حیرانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ چہرہ پتھر جیسا بے حس۔

''یہ پڑوسی ہیں......'' چھوٹی مس کاتیائن نے بڑی کے سامنے تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا...... ''بھاری تھا...... اس لئے مدد کرنے چلے آئے۔''

بھوپیندر پر یہار کو یقین ہے کہ چھوٹی کاتیائن کی وضاحت پر بڑی کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی چمک ضرور لہرائی ہو گی حالانکہ اس چمک کو وہ صرف محسوس کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ دوسرے ہی لمحے سوئٹر بنتے پتھر کے مجسمے سے آواز آئی تھی......

''بیٹھیے نا......''

یہ کاتیائن بہنوں کے ہاں بھوپیندر پریہار کی پہلی انٹری (Entry) تھی۔

کچھ بھوپیندر پریہار کے بارے میں

بھوپیندر پریہار مرد آدمی تھے۔ مردوں کے بارے میں ان کی اپنی رائے تھی......

ایک خاص طرح کا فیسی نیشن (Fascination) تھا اس لفظ کے بارے میں......مثلاً وہ سوچتے تھے کہ مرد ایک شاندار جسم رکھتا ہے۔ خوشبو میں ڈوبا ہوا جسم...... ایک سدا بہار، مست مست، کسی تناور درخت کی طرح شان سے ایستادہ...... بے پروا، بے نیاز کسی کو خاطر میں نہ لانے والا، عورت یا بیوی جیسی چیز اسی جسم کو قید میں رکھنا چاہتی ہے۔ یہ جسم بے لگام گھوڑے کی طرح ہے ـــــ شاہراہوں کو روندتا ـــ منزلوں کو پیچھے چھوڑتا ـــ سمندر کی طرح بے خوف ـــــ لہروں کی طرح چیختا دہاڑتا ـــــ طوفان کی طرح گرجتا۔ یا شیر ببر کی طرح بے قابو ـــــ سرکش اور دھرتی کو اپنے طاقتور پنجوں سے روندنے والا۔ یہ جسم کسی ایک درّے میں نہیں چھپ سکتا ـــــ کسی ایک بیرک میں قید نہیں رہ سکتا ـــــ کسی ایک قید خانے میں، کسی ایک گھر میں یا کسی ایک عورت میں......

لیکن ہوتا کیا ہے، وقت آنے پر یہ جسم ایک عورت کے حوالے کر دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے بس...... اسے تمہارے حوالے کیا۔ بس یہی ہے...... اپنے جسم کی پتوار جیسے چاہو اس پر استعمال کرو۔

مسز پریہار عام عورتوں جیسی ہی ایک عورت تھی...... جس کے لئے زندگی کا

مطلب ایک کنبے یا شوہر اور بچوں سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ یا شاید بچے کے آنے کے بعد شوہر کی بھی کچھ زیادہ حیثیت نہیں رہتی۔ سمن کے آنے کے بعد مسز پر یہار کی زندگی کا یہی ایک مقصد رہ گیا تھا۔ سمن۔ صرف سمن۔ اس لئے شاید کبھی کبھی شوہر کے چوار جیسے تنے جسم کی مانگ کو بھی وہ نظر انداز کر جاتی......

''نہیں...... اسے اتنا پیار مت دو۔ بھگوان کے واسطے'' بھوپیندر پر یہار کے ہونٹوں پر تلخی تھی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ بچے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ لاپرواہ اور بے وفا......''

''پاگل ہوگئے ہو!''

''بچے تمہاری محبت کی قدر نہیں کریں گے۔ وہ ایک دن تاڑ جتنے ہو جائیں گے اور ہمیں بھول جائیں گے۔''

اور شاید یہی ہوا تھا۔ سمن بڑا ہوا...... لو میرج کی اور بیوی کو لے کر کناڈا چلا گیا۔ مسز پر یہار اس فرض سے سبکدوش ہو کر ابدی نیند سو گئی۔ اکیلے رہ گئے بھوپیندر پر یہار۔ لیکن وہ اس زندگی کو یادوں کا قبرستان نہیں بنانا چاہتے تھے۔ وہ بقول رسول حمزہ توف...... پیار کو زندہ رکھنا چاہتے تھے جس کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ زندگی سے پیار چلا گیا تو ہم بھی نہیں بچ سکتے۔ وہ کھونا نہیں چاہتے تھے اور سچ کہا جائے تو اپنے مرد ہونے کے بھرم کو قائم رکھنا چاہتے تھے ــــــ اور شاید خالی پن کے یہی وہ لمحے تھے جب کاتیائن بہنوں سے ان کی دوستی کے در وا ہوئے تھے یا بقول رسول حمزہ توف...... اس بہانے وہ اپنے آپ کو زندہ رکھ سکتے تھے۔

بڑی بہن یعنی رما کاتیائن کا نظریہ

کاتیائن بہنوں کی زندگی میں ویرانی کی شاید ایک لمبی تاریخ رہی تھی...... آس پاس کے لوگوں کے لئے اس گھر یا بہنوں کے بارے میں سب کچھ پُراسرار تھا...... یعنی

جب یہ بہنیں گھر میں ہوتیں یا وہ وقت جب بے ہنگم آواز کے ساتھ کھلنے والے دروازوں سے یہ باہر نکلتیں تو گویا سرگوشیوں کا بازار گرم ہو جاتا۔ ان کی زندگی پر، اسرار کا دبیز پردہ پڑا تھا...... شاید اس مکمل کائنات سے بھی زیادہ پُراسرار تھیں وہ۔ بڑی بہن کے ہاتھ میں ایک گل بوٹوں والی چھتری ہوتی جس کا ساتھ ان کے لئے ہر موسم میں لازمی تھا۔ جاڑا ہو، گرمی ہو یا برسات ـــــ گویا اندر کوئی خوف ہو اور پھول دار چھتری کسی باڈی گارڈ کی طرح ان کی نگرانی کرتی ہو۔ چہرہ اس چٹان کی طرح سخت، سمندر کی لہریں جس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتیں۔ آج تک کسی نے بھی رما کاتیائن کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ آپ اپنے گھر کی بالائی منزل سے شام ڈھلنے تک جب بھی جی چاہے انہیں دیکھ لیجئے...... ایک کرسی پر سوئٹر بنتی ہوئی رما کاتیائن آپ کو ضرور مل جائیں گی ـــــ عمر ساٹھ کے آس پاس۔ چھوٹی ریتا کاتیائن بڑی سے دو تین سال چھوٹی رہی ہوں گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ مگر ریتا، رما کی طرح سخت نہیں تھیں۔ کسی زمانے میں خوش مزاج بھی رہی ہوں گی مگر وقت کے ساتھ ساتھ مزاج میں ایک قسم کی سنجیدگی آ گئی تھی۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے پہلے کاتیائن بہنوں کی پُراسرار دنیا میں کوئی آیا تھا یا نہیں۔ مگر بھوپیندر پریہار کی اچانک آمد گھر میں شکوک و شبہات کی فصل لے کر آئی تھی اور یہ شک بھوپیندر پریہار کے جاتے ہی شتر مرغ کی طرح ریت سے اپنا سر نکالنے لگا تھا۔

بڑی کاتیائن کی آنکھوں میں حیرانی کے دو ڈورے تھے اور چھوٹی کاتیائن کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری خاموشی۔

''کب سے جانتی ہو اسے؟''

''کسے ـــــ؟''

''وہی، جسے لے کر تم گھر آئی تھی''

''اچھا وہ۔بھوپیندر پریہار......''

''نام بھی جانتی ہو۔اس کا مطلب پرانی ملاقات ہے......کب سے جانتی ہو اسے؟''

''آج سے پہلے......نہیں۔''

''ایک ہی دن میں اس نے سبزی کا تھیلا بھی تھام لیا اور گھر میں آ ٹپکا......''

''نہیں۔آپ نے سمجھا نہیں۔''

''کیا ایک اجنبی شخص کو تم اس گھر میں لے آئیں اتنا کافی نہیں......''

چھوٹی مس کاتیائن کی آنکھوں میں مایوسی تھی۔''نہیں، دراصل آپ ابھی بھی نہیں سمجھیں......تھیلا بھاری تھا......''

''صفائی مت پیش کرو۔اس سے پہلے ایسا حادثہ اس گھر میں کبھی نہیں ہوا۔''

بڑی مس کاتیائن کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔''ابھی تم سبزی کاٹو۔رات کا کھانا بنانے کی تیاریاں کرتے ہیں، مگر یاد رکھو......رات میں۔رات میں اس واقعہ کے بارے میں دوبارہ غور کریں گے۔''

دہشت بھری رہگذار سے

ہم کہہ سکتے ہیں وہ رات کاتیائن بہنوں کی نظر میں بہت عام سی رات نہیں تھی۔ بڑی کاتیائن کمرے میں ٹہل رہی تھیں......جیسے اندر ہی اندر کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کی تیاری کر رہی ہوں یا جیسے رات کے وقت شوہر اپنے کمرے میں کچن سے لوٹنے والی اپنی نوبیاہتا دلہن کا انتظار کرتا ہے......کہ وہ اب آئے گی یا بتی بجھائے گی یا اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دے گی۔

لیکن آپ اس طرح بڑی کاتیائن کو ٹہلتے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑھاپے کے گلیاروں میں اتنی دور تک نکل آئی ہیں۔نہیں، حیرت انگیز طور پر اس وقت وہ کسی نوجوان سے کم نہیں لگ رہی تھیں____یقیناً ایک ایسے نوجوان سے جو اپنی بیوی کی

کسی بات سے ناراض ہوا ٹھا ہو اور اس سے گفتگو شروع کرنے کی ذہنی کشمکش سے گزر رہا ہو۔ چھوٹی کاتیائن کے اندر داخل ہوتے ہی بری نے کسی لومڑی کی طرح اپنی نگاہیں اس پر مرکوز کردیں......

□ —— آؤ ٹرسٹ ایکسرسائز (Trust Excercise) کرتے ہیں۔

□ —— ٹرسٹ ایکسرسائز؟ لیکن کیوں؟

□ —— جرح مت کرو۔ مردوں کی طرح مت بنو...... کیونکہ تم نے اپنا Trust کھویا ہے......

□ —— یا تم نے؟

□ —— ممکن ہے۔ اس لئے آؤ آنکھیں بند کریں اور شروع ہو جائیں......

اور اسی کے ساتھ دونوں آمنے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ بڑی کاتیائن کی پتلیاں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں...... چھوٹی کاتیائن کچھ سوچ کر مسکرائیں اور پتھریلی زمین پر وہ بھی بڑی کاتیائن کے آمنے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ ٹرسٹ ایکسرسائز میں ایک دوسرے پر آنکھیں موند کر گرنا ہوتا ہے۔ سامنے والے کو اپنے ساتھی کو تھامنا ہوتا ہے۔ ایسا کئی بار کرنا ہوتا ہے۔ سامنے والے نے اگر تھام لیا تو مطلب صاف ہے۔ ابھی یقین میں کمی نہیں آئی یا ابھی یقین بحال ہے۔ یہ عمل پتھریلی زمین پر اس لئے کرتے ہیں تاکہ گرنے یا چوٹ لگنے سے پیدا ہونے والا احساس اس یقین کو پھر سے بحال کر سکے —— دراصل مغربی ممالک سے ہم لگاتار کچھ نہ کچھ بطور تحفہ لیتے رہے ہیں اور ''ٹرسٹ'' کرنے کا یہ نایاب طریقہ ابھی کچھ دنوں پہلے ہی وہاں سے امپورٹ ہو کر آیا ہے......

تو کاتیائن بہنوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ ممکن ہے آپ کے لئے یہ سارا منظر بے لطف، اکتا دینے والا اور واہیات ہو...... مگر شاید کاتیائن بہنوں کو یقین کی دوڑ سے

باندھنے کے لئے یہ کھیل کافی معنی رکھتا تھا اور جیسا کہ ہمیں بھی یقین تھا آنکھیں بند کرنے، ایک دوسرے پر گرنے کے عمل میں چھوٹی سر کے بل گری تھی۔ شاید یہ ایک عمر پار کرنے کی حد کے سبب تھا۔ یا جو بھی ہو، مگر طے تھا کہ بڑی اسے تھام نہیں پائی اور چھوٹی کاتیائن کے ہونٹوں سے، لڑکھڑاتے، گرتے ہوئے ایک زور کی چیخ نکل گئی تھی......

''آہ جیسا کہ مجھے یقین تھا۔'' بڑی کاتیائن کا لہجہ برف سا سرد تھا۔ ''وہ آدمی...... تم نے سچ مچ اپنا ٹرسٹ کھو دیا ہے۔ چلو...... بہت دنوں کے بعد ہی سہی ذرا ماضی کی راکھ کریدتے ہیں۔'' بڑی کاتیائن نے چھوٹی کے کندھے پر ہاتھ رکھا......

''تمہیں کچھ یاد آ رہا ہے؟''

''ہاں۔''

''تمہیں یاد رکھنا بھی چاہئے۔'' بڑی کی آواز میں لرزش تھی —— ''اس آدمی کے باوجود، جو مرد تھا یا باپ تھا...... یا جنگلی سانڈ۔ یہی کمرہ تھا نا...... اور وہاں دروازے پر......''

چھوٹی کاتیائن کو یاد تھا۔ باپ دروازے پر شراب پی کر شام کے وقت آ کر، ماں کا نام لے کر زور زور سے چلاتا تھا......

''—— سب یاد ہے۔''

''—— باپ کیوں یاد ہے اس لئے کہ اس میں بے رحمی تھی۔ وہ ایک خوفناک انسان تھا۔ بلکہ حیوان...... تمہیں یاد ہے، ماں رویا کرتی تھی۔ کبھی کبھی خوب زوروں سے...... اور ساری رات چلایا کرتی تھی...... اور باپ نشے میں دھت سویا رہتا تھا......''

''—— ہاں، مگر وہ سب بھیانک یادیں ہیں اور رونگٹے کھڑی کرنے والی......

میری ماں ایک سہمی ہوئی گائے تھی۔نہیں، وہ ایک معصوم میمنا تھی......اور بچپن سے باپ تھوڑا تھوڑا کر کے اس میمنے کو ذبح کرتا رہا تھا۔''

''—— تمہیں یاد ہے؟ اس وقت یا ان دنوں تم گرتی تھی تو......، روتی تھی تو......

یا کسی پریشان کر دینے والے ڈر سے سہم جاتی تھی تو......، یہ میں ہوتی تھی، میں......

میں بڑی تھی اور میں انہیں دنوں تمہیں چاہنے بھی لگی تھی......نہیں، تمہیں یاد ہونا چاہئے، جب یکا یک ڈر کر سہم کر تم مجھ سے چپک جایا کرتی تھی تو......یا میری گود میں اپنا سر رکھ دیتی تھی تو...... یہاں ٹانگوں کے درمیان سے......کسی ایک مرکز سے دریا پھوٹ پڑے تو......کیسا لگتا ہوگا؟ اندر سنسناہٹ کا ایک طوفان سا آجاتا تھا۔ شاید ایسا اس لئے بھی تھا کہ دنیا میں اور بھی لوگ ہو سکتے ہیں ہمیں پتہ نہیں تھا—— ہم صرف ایک دوسرے کو جانتے تھے یا پھر ماں کو—— جسے اس زمانے میں معصوم میمنا کہہ کر ہم اداس ہو جایا کرتے تھے یا پھر اپنے باپ کو، جس کی پرچھائیں تک سے ہمیں ڈر لگتا تھا—— ہم کسی مرد کو صحیح طور سے پہچان نہیں پاتے تھے، جیسے عورت ہونے کے نام پر ہمارے سامنے صرف مظلوم ماں کا تصور رہ گیا تھا۔

''ہاں یہ سچ ہے۔'' چھوٹی کاتیائن کی آواز بوجھل تھی۔''

—— ''تو تمہیں یاد ہونا چاہئے۔'' بڑی کاتیائن نے اپنی بات جاری رکھی......

''وہ دن......شاید وہ دن ہماری زندگی کے چند خوبصورت دنوں میں ایک تھا......گلی میں ایک سانڈ پاگل ہو گیا تھا...... یاد ہے، وہ اپنی بڑی بڑی سینگیں اٹھائے، کبھی ادھر کبھی اُدھر دوڑ رہا تھا۔ کچھ دیر تک ہم بھی اس تماشے کا حصہ بنے رہے۔ مگر اب باپ کے آنے کا وقت ہو چلا تھا۔ باہر دکاندار، راہگیر سب تالیاں بجا رہے تھے۔ ہم کمرے میں آگئے......ہم ایک دوسرے کو برابر دیکھے جا رہے تھے......جیسے، اب میمنے کے لرزنے کی آواز آئے گی۔ اچانک آنکھوں کے سامنے باپ کی شبیہ ابھری۔

اس کا چہرہ سانڈ جیسا تھا...... اس کی سینگیں نکلی ہوئی تھیں...... اور وہ ان سینگوں سے دیوانہ وار میمنے کو زخمی کر رہا تھا...... تم میری طرف دیکھ رہی تھیں اور میں ان لہروں کی ہلچل گن رہی تھی جو تمہارے اس طرح دیکھنے سے میرے بدن میں اٹھنے لگی تھیں...... یاد ہے...... میں نے کہا تھا...... مجھے چھوؤ...... مجھے بخار لگ رہا ہے...... تم دھیرے سے میری طرف بڑھی تھیں اور تبھی باہر زوردار گرج کے ساتھ دروازے پر کچھ گرنے کی آواز آئی تھی ـــــ زبردست شور ہوا تھا۔ تم کانپتی ہوئی میرے بدن میں سما گئی تھی اور میں ـــــ ''جیسے کسی ایک مرکز سے دریا پھوٹ پڑے تو''...... میں تمہیں لے کر کانپ رہی تھیں...... اندر سنسناہٹ ہو رہی تھی...... تبھی میمنے کی بے خوف، پُرسکون اور ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی......''

''دروازہ کھولو سانڈ نے تمہارے باپ کو پٹخ دیا ہے...... شاید وہ مر گیا ہے......''

دروازہ کھول کر میں نے پہلی بار ماں کو دیکھا۔ وہ حسین لگ رہی تھی...... ماں کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔ باہر دروازے پر ایک ہجوم اکٹھا تھا...... اور وہیں...... گلی میں کھلنے والے دروازے کے پاس باپ کا بے جان جسم اوندھا پڑا تھا...... شرٹ خون سے تر تھی۔ اس نے شراب پی رکھی تھی ہمیشہ کی طرح...... راہگیروں کے شہہ دینے پر وہ سانڈ سے بھڑ گیا۔ لوگ ماں کو صبر کی تلقین کر رہے تھے...... ''کسے معلوم تھا کہ ایسا ہو جائے گا''...... یاد ہے۔ ماں خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی...... پر یکایک سب کے سامنے زور زور سے ہنس دی تھی...... لوگوں کی آنکھیں حیرانی سے پھٹی پڑی تھیں۔ ممکن ہے یہ سمجھا گیا ہو کہ شوہر کے صدمے کو نہ سہہ پانے کی وجہ سے...... لیکن ماں کی کیفیت تو صرف ہمیں معلوم تھی......''

''ہاں...... اس کے بعد ماں جب تک زندہ رہی...... وہ بیٹھی بیٹھی ہنس پڑتی تھی......''

اور مرتے وقت بھی اس کے ہونٹوں پر یہ ہنسی موجود تھی۔ گویا ماں نے کبھی تصور بھی

نہیں کیا ہوگا، کہ باپ جیسا آدمی ایک دن مر سکتا ہے۔ بڑی کاتیائن کے لہجے میں سنجیدگی تھی...... مگر آخر یہ سب میں تمہیں کیوں یاد دلا رہی ہوں؟ کیوں؟ تو سنو ریتا کاتیائن!'' بڑی کاتیائن کے الفاظ برف ہو رہے تھے...... ''سنو اور غور سے سنو۔ اس لئے کہ عورت اپنے آپ میں مکمل ہوتی ہے۔ ایک مکمل سماج۔ مرد کبھی مکمل نہیں ہوتا۔ جو مرد ایسا سمجھتے ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں...... مرد کو عورت کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن عورت کو مرد کی نہیں...... اس لئے، ابھی سے کچھ روز پہلے جو آدمی تمہاری زندگی میں آیا ہے......

چھوٹی کاتیائن نے بات بیچ میں ہی کاٹ دی...... ''آپ کی غلط فہمی ہے'' اس نے دوسرے ہی پل نظر جھکالی۔ ''میری زندگی میں کوئی مرد نہیں آیا ہے۔ میں نے کہا نا...... وہ محض ایک حادثہ......''

''ٹھیک ہے...... لیکن تم نے حادثوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ یاد رکھنا۔ وہ آدمی...... کیا نام بتایا تم نے...... ہاں بھوپیندر پر یہار۔ وہ دوبارہ بھی آ سکتا ہے...... اور اس کے لئے تمہارا جواب کیا ہوگا۔ کیا بتانا پڑے گا مجھے۔''

''نہیں'' چھوٹی کاتیائن مسکرائی۔ ''عورت اپنے آپ میں مکمل ہے۔ ایک مکمل سماج۔''

''اور اب میں یہ دکھانا چاہتی ہوں کہ اس مکمل سماج کے پاس کیسی کیسی فینٹاسی موجود ہے...... ٹھہرو، ہاں۔ ہو سکے تو وارڈ روب سے اپنی کھلی کھلی نائٹی نکال لو۔ سلیولیس (Sleevless)۔ تم اس عمر میں بھی آہ۔ اس عمر میں بھی'' ...... بڑی کاتیائن کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ ''سنا تم نے۔ میں بس ابھی آئی۔''

کاتیائن بہنوں کی فینٹاسی

رات دھیرے دھیرے خاموشی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ مگر یہاں...... اینا کی ڈالی والی دکان کے سامنے والے گھر میں رات ایک نئے 'ایڈونچر' سے آنکھیں

چار کررہی تھی......شاید! بہت ممکن ہے ہمارے ہندستانی معاشرے میں سوچا جائے، اس عمر میں تو آگ بہت پہلے کی کسی منزل میں بجھ چکی ہوتی ہے......اور کیسی آگ؟ کیسی راکھ___؟ مستی کے ساتویں آسمان پر پہنچانے والے نیے نشے براؤن شوگر اور ہیروئن بھی وہ ہیجان نہ پیدا کرپائیں جو اس خستہ اور سیلن زدہ کمرے میں پیدا ہورہا تھا......

''اس وقت میں تمام کائنات کی سوامی ہوں......سمجھا تم نے۔'' بڑی کاتیائن کے ہاتھوں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی، جیسے جاڑے کے دنوں میں صبح صبح منہ کھولنے سے اٹھتی ہے......اس کے ہاتھ میں ایک اسٹیل کی کٹوری تھی......کٹوری میں پگھلا ہوا اصلی گھی پڑا تھا۔ چھوٹی کا چہرہ قد آدم آئینے کی جانب تھا......اس نے سلیولیس سیاہ نائٹی پہن رکھی تھی......شاید نہیں۔ نائٹی نے اچانک اس کی عمر پہن لی تھی......اس چھوٹے سے کپڑے میں وہ ایک دم سے چھوٹی موٹی لگ رہی تھی۔ بڑھاپے اور جھریوں سے میلوں پیچھے۔ جہاں صرف ہنستا گاتا ڈھول بجاتا حسن ہوتا ہے۔ حسن کا ساز چھیڑنے والے جذبات ہوتے ہیں......اور جذبات کے پیچھے چھپی مجروح 'ہوسنا کی' ہوتی ہے...... ''ہاں اب ٹھیک ہے۔ لیٹ جاؤ اور کپڑے اتار دو......'' بڑی کاتیائن کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے ڈھیر ساری ''ماریجوانا'' پی لی ہو......اور وہ پوری طرح نشے میں آ گئی ہو......

چھوٹی کاتیائن لیٹ گئی......اندھیرے میں جلتی ٹیوب لائٹ میں اس کا جسم چمکا......بڑی نے اسٹیل کی کٹوری تھام لی۔ اس کا سخت جھریوں بھرا ہاتھ 'گھی' کے اندر گیا......جیسے کبھی میدے کی چھوٹی چھوٹی 'لوئیاں' بنتی ہیں اور انہیں ڈھیر سارے گھی میں ڈبویا جاتا ہے......گورے چٹے بدن پر بڑی کاتیائن گھی اس طرح ملنے لگیں گویا چھوٹی کا بدن اچانک میدے کی 'لوئیوں' میں تبدیل ہوگیا ہو......جھپ......

جھپ......

''آہ، تم اب بھی ویسی ہو......''بڑی کے ہاتھ میں حرکت ہوئی۔''بالکل ویسی...... سنوریتا کاتیائن...... دیکھو...... خود کو دیکھو____ غور سے۔ آہ...... اپنی عمر کو دیکھو____ نہیں، عمر کومت دیکھو____ مگر سنو____ غور سے سنو____ مرد اس تندور کو کب کا ٹھنڈا کر چکا ہوتا ہے____ ایک لاش گھر کی طرح____ مگر یہاں تم اپنے آپ کو دیکھو____ تم لاش گھر نہیں ہو____ برف گھر بھی نہیں ہو____ تم تندور ہو۔''

بڑی کاتیائن اپنے غیر مفتوح ہونے کے خیال سے زور سے ہنسی......

''اسے بتا دینا...... کیا نام بتایا تم نے۔ بھوپیندر پریہار...... اسے بتا دینا، عورت اپنے آپ میں مکمل ہوتی ہے...... اسے مرد کی ضرورت نہیں......''

پھر وہ اس پر جھک گئی۔ رات خاموشی سے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔

بھوپیندر پریہار اور عشق کی ڈگر

اتنی عمر گزر جانے کے بعد بھی بھوپیندر پریہار زندگی کے اسی فلسفے پر قائم تھے کہ ایک عمر گزر جانے کے بعد بھی ایک عمر بچی رہ جاتی ہے...... اور جو عمر باقی بچ جاتی ہے اسے اسی طرح گزارنے یا جینے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ مسز پریہار کے گزر جانے اور سمن کے کناڈا بھاگ جانے کے بعد اچانک ان پر بڑھاپا طاری ہونے لگا تھا...... حالانکہ انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جسم بوڑھا بھی ہو سکتا ہے...... وہ تو بقول رسول حمزہ توف۔ ''جسم تو بس عشق کے لئے ہے اور عشق کو زندہ رکھنا ہی انسان کا اولین فرض ہے......'' شاید بڑھاپے کی یہ شروعات انہیں کافی آگے لے گئی ہوتی، وہ تو اچھا ہوا جو اچانک چھوٹی کاتیائن ان سے آٹکرائیں...... مدتوں بعد اندر کہیں کوئی چنگاری سی لپکی تھی...... بڑھاپے کی تنہائی میں چہرے اور بالوں کو سنوارتے ہوئے وہ جیسے برسوں پرانے چہرے والے بھوپیندر پریہار کو واپس لانے کی کوشش کر رہے

تھے..... کتنی ہی بار قدم ''اینا کی ڈالی'' والی دکان کے سامنے والے گھر کی طرف اٹھے۔ ہر بار دروازہ کھلتا تھا اور بند ہو جاتا تھا۔

''کاتیائن بہنوں کی دنیا''...... بھوپیندر پر یہار کو لگتا، باہر کی دنیا میں ان کے بارے میں جتنی کہانیاں ہیں.....شاید وہ سب کی سب سچ ہیں...... یہاں تو کسی پریوں کی کہانی سے بھی زیادہ الجھا ہوا معاملہ تھا، لیکن انہوں نے ہار نہ ماننے کا فیصلہ کیا تھا اور شاید اسی لئے اس دن انہیں کامیابی مل گئی تھی۔

وہ ایک دستک کے بعد دروازہ کھلا تو سامنے چھوٹی کاتیائن کھڑی تھیں۔

''کیا بات ہے؟ بڑی کاتیائن سو رہی ہیں۔ جو بولنا ہے جلدی بولو۔''

''اندر آجاؤں؟''

چھوٹی کاتیائن نے کچھ سوچنے کے بعد کہا____ ''آسکتے ہو۔ ویسے بھی بڑی کو اٹھنے میں دو ایک گھنٹے تو لگیں گے ہی۔''

وہ اندر آ گئے۔ چندن کی لکڑی کے بنے محراب نما دروازے سے گزرتے ہوئے____ یہ وہی جگہ تھی جہاں آپ ہر موسم میں بڑی کاتیائن کو دیکھ سکتے ہیں...... ہاتھ میں تیلیاں تھامے، سر جھکائے سوئٹر بنتی ہوئی.....وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ سب کچھ ایسا تھا جیسا کالج کے دنوں میں لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا پیار کی پہلی بارش کی پہلی بوند پڑتے ہی یہ سب ان کی اداؤں میں شامل ہو جاتے ہیں......

چھوٹی کاتیائن کچھ دیر تک اسے گھورتی رہی۔

بھوپیندر پریہار نے نظریں جھکا لیں۔

ذرا دیر بعد چھوٹی کاتیائن کے لب ہلے..... ''تمہاری..... تمہاری بیوی____؟''

''نہیں ہے۔ گزر گئی۔''

''اوہ......''

''نہیں، اس میں افسوس کرنے جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ جی چکی تھی......''

''عمر سے زیادہ......؟'' چھوٹی کاتیائن نے حیرانی ظاہر کی۔

''ہاں، مرنے سے دس برس پہلے تک مجھے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ ہے...... یعنی گھر میں ہے۔''

''ایسا کیوں تھا؟'' چھوٹی کاتیائن کی ہرنی جیسی آنکھوں میں چمک جاگی۔

''پتہ نہیں ــــــ پر مجھ میں جیسے ایک نئے اور جوان بھوپیندر پریہار کی واپسی ہورہی تھی...... تم...... یعنی آپ سمجھ سکتی ہیں...... اس عمر میں...... یعنی مجھے دیکھ کر......'' ــــــ وہ کہتے کہتے لڑکھڑائے تھے۔

چھوٹی کاتیائن کھلکھلا کر ہنس پڑیں ــــــ ''وہی...... غلط فہمی کی روایت...... مرد سمجھتا ہے وہ ساٹھ کے بعد پھر سے بچہ بن گیا ہے...... اور عورت تو اپنی عمر سے زیادہ بوڑھی ہوگئی ہے...... ہے نا، ایسا ہی کچھ ــــــ'' وہ پھر زور سے ہنسی۔

''پتہ نہیں۔'' بھوپیندر پریہار کے کھوکھلے لفظوں یں ہلچل ہوئی۔ ''مگر میرا خیال ہے کہ مرد...... یعنی......''

''مرد۔ مرد کے نام پر اتنی رعونت کیوں بھر جاتی ہے مرد میں ــــــ بار بار اس لفظ کو دہراتے ہوئے، اپنی کسی کمزوری پر پردہ تو نہیں ڈالتے......'' چھوٹی کاتیائن نے الفاظ جیسے زہر میں ڈبو رکھے تھے۔ ''خیر! جو بھی کہنا ہے جلدی کہو۔ بڑی کاتیائن تمہارے اس طرح آنے کو پسند نہیں کرتیں۔''

''کیوں؟'' بھوپیندر پریہار اچانک ٹھہر سے گئے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں...... ''تمہاری اپنی زندگی ہے، ان کی اپنی......''

''نہیں، ہماری زندگیاں ایک ہیں۔''

بھوپیندر پریہار زور سے لڑکھڑائے...... ''کیا ــــــ؟''

''ہاں، ہم لسبین (Lesbian) ہیں...... لسبین۔'' وہ بڑے اطمینان سے ناخن چباتے ہوئے بولی۔

''لسبین۔''...... بھوپیندر پریہار اچھل پڑے ...... جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''ہاں، میں لسبین ہوں...... لیکن تم تو ایسے ڈر رہے ہو جیسے میں کوئی کوڑھی ہوں، یا مجھے ایڈس ہو گیا ہے۔''

''لیکن تم......'' ان کی آنکھیں اب بھی پھٹی پھٹی تھیں۔

''کیوں آتے ہو میرے پاس، اچھی طرح جانتی ہوں۔'' چھوٹی کاتیائن کے لہجے میں شدید نفرت تھی ...... ''اپنے باپ کو بھی جانتی تھی۔ تمہیں بھی ...... تمہارے اس پورے مردانہ سماج کو —— حیران مت ہو۔ بس وہی غلط فہمی پر مبنی روایتیں —— مرد ہونے کی خوش خیالی —— یہ احساس ہی اچانک تمہیں ایک بے وقوف راکشش میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تم سمجھتے ہو سب تمہاری طاقت کے ماتحت ہیں۔ تو یہ تمہاری ناسمجھی ہے...... سنو بھوپیندر پریہار...... تمہاری بیوی نہیں ہے، یہ بات ذہن کی گانٹھ کھول کر نکال کیوں نہیں دیتے کہ تمہاری بیوی، دس بر پہلے ہی کھوئی نہیں تھی —— بلکہ مر چکی تھی —— اور تم نے مارا تھا اسے......''

''میں نے؟'' بھوپیندر پریہار ایک دم سے چونکے۔

''ہاں تم نے۔ ہاں، اس لئے کہ دس برس پہلے ہی اس کے اندر کے لاوے کو بجھا چکے تھے تم ...... اور اسی لئے وہ تمہارے لئے نہیں تھی ...... یا مر گئی تھی ...... اور اس بڑھاپے میں بھی تمہارے اندر ایک گرم، دہکتا ہوا جسم ہے...... سنو پریہار...... تم نے اپنی تہذیب اور روایت کے وہ موتی چنے ہیں جہاں صرف ''ایک بیوی بس، یا لوگ کیا کہیں گے'' کی بندشیں ہوتی ہیں —— تم لاکھ ماڈرن بننے کی کوشش کرو مگر تم ہو وہی ...... ایک بزدل مرد ...... اگر اتنی ہی آگ تمہارے اندر ہے تو تم اپنا جسم کسی مرد سے کیوں نہیں بانٹتے —— ؟ جہاں تمہیں بند کمرے میں داخل ہونے کے لئے تم کو

بہت سے سوالوں کا جواب نہیں دینا ہوگا......''

''لیکن خود کو......'' بھوپیندر پر یہار کا جسم تھر تھرایا۔

''بھول کر رہے تو تم۔ خود کو ابھی دیکھا کہاں ہے۔ اسے تو تم نے Gay یا Homosexuality اور کئی دوسرے غلط ناموں میں باندھ رکھا ہے...... میں کہتی ہوں میں لسبین ہوں، تب بھی تمہارا سماج اچانک ہم پر بے رحم ہو جاتا ہے ــــ لسبین یعنی کسی ناجائز نظریے کی اولاد ــــ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم نے آپس میں سکھ، امن، شان وشوکت اور سرشاری کی انتہا ڈھونڈ لی ہے۔ اب تم چاہو تو جا سکتے ہو......''

آخری جملہ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر بولا گیا تھا کہ بھوپیندر پر یہار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اندھیرا دھیرے دھیرے چھٹ رہا تھا...... چھوٹی کاتیائن کے لفظ چیخ رہے تھے اور اس چھٹتے ہوئے اندھیرے میں وہ کئی پرچھائیوں کو سمٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے...... ماں، بابوجی، بیوی، سمن...... پرچھائیاں ایک دم سے ہٹ گئی تھیں...... گے (Gay)، لسبین اور کتنے ہی غیر فطری رشتے...... اب ایک سہما سا اُجالا تھا...... اور اس اُجالے میں وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنی عمر سے زیادہ جی چکے ہیں۔ زندگی، موت، سکھ...... کہنا چاہئے ایک پل کو چھوٹی کاتیائن کے الفاظ کے تیر سے گھبرا کر وہ کافی دور نکل آئے تھے...... اور اب...... بھوپیندر پر یہار کے ہونٹوں پر ایک تیکھی سی مسکراہٹ تھی......

''سنو رما کاتیائن...... وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولے...... ٹٹول ٹٹول کر اپنے لفظوں کو یکجا کرتے ہوئے بولے۔ ''سنو۔ ہم میں سے کوئی بھی کبھی بھی مر سکتا ہے...... سمجھ رہی ہونا ــــ کبھی بھی مر سکتا ہے ــــ کیوں کہ ہم اپنی عمر سے زیادہ جی چکے ہیں...... اس لئے......'' پتہ نہیں وہ اور کیا کیا کہہ رہے تھے لیکن چھوٹی کاتیائن...... انہیں کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ صرف ایک ٹک بھوپیندر

پر پیار کا چہرہ تکے جا رہی تھیں۔ ہاں، اس عمل کے دوران، ان کے اندر تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ جو اس سنسناہٹ سے مختلف تھی جیسی ساؤنڈ والے حادثے کے دن بڑی کاتیائن کی باہوں میں سمٹ کر اس نے محسوس کی تھی...... پتہ نہیں یہ کیا تھا، اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... یا۔ وہ سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

آخری مکالمہ چھوٹی کاتیائن کا

وہ اسی نائٹی میں تھیں۔ سلیولیس سیاہ نائٹی میں۔ آئینے کے سامنے...... لیکن آئینہ شانت تھا۔ آئینے میں کہیں کوئی آگ، کوئی بھڑکیلا پن، کوئی لگاؤ، کوئی کشش نہیں رہ گئی تھی۔ دھیرے دھیرے ریتا کاتیائن نے نائٹی کے تمام ہک کھول ڈالے۔ ذرا فاصلے پر بڑی کاتیائن کھڑی تھیں، اور انہیں گھورے جا رہی تھیں۔ لیکن ان کے اس طرح دیکھنے میں کوئی بزرگی، کوئی حکم یا کوئی خفگی شامل نہیں تھی۔

اچانک چھوٹی کاتیائن کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی۔ نائٹی کے تمام ہک انہوں نے کھول ڈالے تھے۔ آئینے میں ایک سہا، بے ڈھنگا جسم مردہ پڑا تھا۔ وہ بوکھلاہٹ میں چیختی ہوئی بڑی کاتیائن کی طرف جھپٹیں......

"آگ کہاں ہے؟ میرے جسم کی آگ کیا ہوئی؟"

بڑی کاتیائن ایسے چپ تھی، جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں ہو۔

"سنو، میرے اندر...... تم نے تو کہا تھا......" چھوٹی کاتیائن کی نظریں جیسے مدتوں بعد بڑی کاتیائن کی آنکھوں میں سمائی جا رہی تھیں...... یاد ہے......؟ سنو، تم نے ہی کہا تھا، آہ تم اب بھی ویسی ہو...... بالکل ویسی ریتا کاتیائن...... سنو ہم اس تندور کو کب کا ٹھنڈا کر چکا ہوتا ہے"...... وہ پھر چیخی...... "آگ کہاں ہے، میرے اندر کی آگ کہاں ہے......؟"

بڑی کاتیائن کا چہرہ ہر پل تیزی سے بدل رہا تھا۔

"تم...... تم سن رہی ہو۔ میں...... میں کیا پوچھ رہی ہوں......؟"

کافی دیر بعد بڑی کاتیائن کے بدن میں حرکت ہوئی......اس نے چھوٹی کی جلتی آنکھوں کی تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔

''آگ تو میرے پاس بھی نہیں ہے۔''

بڑی کاتیائن کے الفاظ سرد ہو چکے تھے۔ پھر وہ ٹھہری نہیں، تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

آئینے میں ابھی بھی چھوٹی کاتیائن کا سہما، بے ڈھنگا جسم پڑا تھا......اور شاید مردہ بھی۔

○○○

مرد

(الف)

مسز گروور اور تانیہ ایک منظر دیکھتی ہیں

"وہ ہنس رہے ہیں، باتیں کر رہے ہیں......"

ناگواری سے کہا گیا ــــــ "ہوتا ہے!"

"اب انہوں نے چھریاں سنبھال لی ہیں۔"

اِدھر ایک کپکپی طاری کر دینے والی کیفیت ــــــ جواب میں کہا گیا ــــــ "اور دیکھو"۔

اُدھر سے پھر ایک حیرت بھری آواز ــــــ "انہوں نے ڈونگرے سنبھال لئے ہیں۔"

"اُف! وہ کتنے اوجڈ، باتونی اور جلد باز ہیں۔"

"انہوں نے چھریاں سنبھال لی ہیں اور اب وہ اپنے بے ڈول ہاتھوں سے سبزیاں کاٹ رہے ہیں۔"

"کاٹنے دو۔" جواب میں کہا گیا۔ "اور ہاں اب نیچے اتر آؤ۔"

○○

سامنے ایک کھڑکی کھلتی تھی۔

بلند و بالا عمارتوں کے بیچ شہر پھر سے اندھیرے میں گم ہو گیا تھا ــــــ ایک بڑی عمارت، اس سے بالکل قریب ایک دوسری بڑی عمارت اور اس سے بالکل قریب ــــــ

ہوا کئی روز تک ان گلی کوچوں کے چکر لگانا بھول جاتی ۔ لوگوں کو اس بات کا احساس تک نہیں تھا۔ کوئی بھی نہیں پوچھتا، نہ ہی پوچھنے کا ان کے پاس وقت تھا۔

''سنو بھئی، تم نے ہوا کو دیکھا ہے؟ کیا آج ہوا نے ادھر کا رخ کیا تھا؟''

●●

ہنسئے مت، سچ تو یہ ہے کہ ادھر صرف بلند و بالا عمارتوں کا جنگل رہ گیا تھا۔ رہنے والے نظر نہیں آتے تھے۔ رنگ برنگی، گھومتی لہراتی، ڈولتی گاڑیاں نظر آتی تھیں جو کبھی ان عمارتوں میں داخل ہوتیں، کبھی باہر نکلتیں بس ـــــ اور اسے محض اتفاق ہی کہا جائے گا کہ 'مارٹن کرا'' میں بنی ان دو عظیم عمارتوں پانچویں منزل کی کھڑکیاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھلتی تھیں۔ ایک میں اکثر مسز گروور، اس بوڑھی کھوسٹ نک چڑھی لیڈی اور اس کی سولہ سالہ پوتی تانیہ کو دیکھا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف سے بند اس پانچویں منزل کے فلیٹ کو بس یہ سامنے کی جانب کھلنے والی کھڑکی ہی زندگی سے جوڑتی تھی۔ یعنی ایک ذرا سی ہوا۔ ایک ذرا سی سانس۔

سامنے والے فلیٹ کی کھڑکی ہمیشہ بند رہتی تھی۔

مسز گروور تانیہ سے اکثر پوچھتیں۔ ''دیکھ کر بتاؤ کوئی آیا؟''

سوال میں ہر بار ایک گہرا اضطراب آمیز تجسس ہوتا، گویا بجھے بجھے مکالموں کو جینے کے لئے کچھ اور جگہ مل جائے۔

تانیہ کے جواب میں ہر بار ایک مایوسی ہوتی۔

''کوئی امکان نہیں۔''

''کیوں؟''

''یہ فلیٹ کرائے پر نہیں لگے گا''۔

''کیوں نہیں لگے گا اُلو کی پٹھی۔''

عین ممکن تھا مسز گروور تانیہ کے ہلکے پھلکے مذاق سے مشتعل ہو کر گالی گلوچ پر اتر

آتیں مگر تانیہ کی شفاف ہنسی ان کے تیکھے مکالموں کی ہوا نکل دیتی۔ بس وہ دھیرے دھیرے بڑبڑاتیں...... ''کتیا، حرامزادی، دیکھ تو کیسے پورے وجود کے ساتھ ہنستی ہے......بن ماں باپ کی بچی۔'' دوسرے ہی لمحے ایک سردی لہر مسز گرووَر کو بھگوتی، گدگداتی چلی جاتی۔

••

لیکن اس دن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ بڑھیا مسز گرووَر نے کوئی گالی نہیں بکی۔ ماحول کے بوجھل پن کے درمیان تانیہ کی ہنسی کہیں کھو گئی تھی۔

''اماں! کھڑکی کھلی ہے......''

''اچھا......!''

مسز گرووَر بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔ ''کوئی ہے کیا، بتانا؟''

''ابھی تک تو کوئی نہیں......ہاں......ٹھہر......کوئی آ رہا ہے......وہ آ گئے ہیں۔ اماں......وہ تین ہیں......''

''تین......لیکن کون ہیں؟''

''وہ مرد ہیں اماں۔''

''ان کے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے......''

''شاید نہیں......کیونکہ ایک نے......''

''کیا ایک نے......؟''

''ویکیوم کلینر آن کر لیا ہے......شاید وہ کچن کی صفائی کرنے والے ہیں......''

''تم نے اچھی طرح دیکھا کہ وہ مرد ہیں؟''

''ہاں۔''

''اور یہ بھی کہ وہ اب کچن کی صفائی کرنے والے ہیں......''

''ہاں اماں۔''

''ٹھیک ہے۔اب اتر آؤ۔''

''اماں ذرا ہاتھ تو تھامو......''

''ٹھیک ہے کمبخت......لے پکڑ......لیکن مجھے گرا مت دینا۔''

لکڑی کا ایک چھوٹا سا اسٹول تھا، جس پر پاؤں رکھ کر ثانیہ بہ آسانی کھڑکی سے اس پار دیکھ سکتی تھی۔

''تو مرد آئے ہیں۔''......مسز گروور ابھی بڑبڑا رہی تھیں۔

''ہاں اماں، اس میں نیا کیا ہے؟ آج کل بہت سے مرد......''

ثانیہ ''اکیلے رہتے ہیں'' کہتے کہتے رک سی گئی تھی——

''تو نے دیکھا ہے نا۔ان کے ساتھ کوئی عورت......''

''عورت ہوتی تو ویکیوم کلینر سے......لو تم خود ہی آواز سن لو۔صفائی ہو رہی ہے۔''

''ہاں——''مسز گروور کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ تھی۔''مردوں کو صفائی کا کہاں دھیان رہتا ہے؟'' اب ان کی آواز میں ''چوری پکڑی جانے والی'' جھلاہٹ سوار تھی......''مرد تیری طرح نہیں ہوتے۔کام چور کہیں کی......''

''پھر کیسے ہوتے ہیں؟''

''مرد تو مرد ہوتے ہیں......بس کہہ دیا نا۔زیادہ بک بک مت کیا کر۔ان لڑکیوں کو ذرا سا موقع دے کر دیکھو بس شروع ہو جاتی ہیں، سر چڑھنے لگتی ہیں۔بیل کی طرح۔اب جا، کھڑی کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے؟''

''جاتی ہوں، تم بھی عجیب ہو اماں۔'' ثانیہ مسکراتی، اٹھلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

مسز گروور دھیرے سے بڑبڑائیں......''تو صفائی ہو رہی ہے......ہونہہ......مرد صفائی کیا جانیں......صفائی تو......''

وہ آدمی آچکا تھا جسے اپنا خاوند کہتے ہوئے اسے ہر بار شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

کہنا چاہیئے دل نے گوارہ تو کبھی نہیں کیا تھا مگر وہ شوہر تھا۔رسم و راج کے مطابق...... شوہر ــــــ اس لئے ان دکھ بھرے دنوں کا گواہ تو اسے بننا ہی تھا۔

تو وہ آدمی آچکا تھا اور وہ دیر سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ یہ اداس پت جھڑوں کے دن تھے۔باہر پتے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔اس نے، اس شخص کو غور سے دیکھا ۔وہ اپنی بنیان اتار رہا تھا۔ پسینے کی گھناؤنی بدبو میں ڈوبی ہوئی بنیان ۔اس نے بنیان ویسے ہی اتار کر بستر پر پھینک دی تھی جہاں وہ سوتی تھی ۔اس کا جی متلا رہا تھا...... وہ آدمی اچانک مڑ کر سامنے آ گیا تھا۔کالا بھیانک چہرہ، بڑی بڑی گول گھومتی آنکھیں، سینے اور کندھوں کے آس پاس اُگے بال۔

اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی...... ''ایسے کیا دیکھ رہی ہو جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو ۔چلو کھانا نکالو بڑی زور سے بھوک لگی ہے۔''

''نہاؤ گے نہیں......''

''نہیں......کیوں......'' وہ زور سے بے ہنگم طریقے سے ہنسا۔

''نہایا تو پسینے مر جائیں گے ۔ پسینے مر گئے تو بھوک بھی مر جائے گی ۔'' اس نے آہستہ سے اسے دھکا دیا۔ ''جاؤ دماغ مت چاٹو، کھانا نکالو۔''

ایک لمحے کو وہ لڑکھڑائی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل چکی تھی ۔ یہ آدمی...... وہ صوفے پر دونوں ٹانگیں پھیلائے لیٹ گیا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں ۔نیچے کے حصے میں اس نے صرف ٹاول باندھ رکھی تھی ۔جبکہ اوپر کا حصہ ننگا تھا...... یہ آدمی، اسی آدمی کے ساتھ اسے ساری عمر گزاری ہے ۔جب وہ کھانا لے کر آئی تو وہ خراٹے لے رہا تھا۔منہ بھدے انداز سے کھلتا اور پھر بند ہو جاتا۔خراٹوں کی عجیب سی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔اس نے روکھے لہجے میں تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''اٹھو......کھانا آ گیا ہے......''

''رکھ دو......'' اس نے آنکھیں کھول دیں ۔اب وہ بُرا سا منہ بنا کر پلیٹ میں

رکھے کھانے کو دیکھ رہا تھا...... وہی روٹی، سا، بھاجی، دال...... گفتگو کا دوسرا حصہ نرمی سے بھرا اور چونکانے والا تھا۔

"سنو...... تم نہیں کھاؤ گی؟"

اس نے اپنائیت سے بھری نظروں سے بچنے کی کوشش کی ——

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔"

(شیڈ-1 ختم)

وہ بھی پت جھڑ کے دنوں کی ایک اداس صبح تھی۔ تانیہ واپس آئی تو بوڑھی مسز گرو ور کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ ہونٹ ہل ہل کر خراٹوں جیسی آوازیں نکال رہے تھے۔ بدن پسینے سے بھیگ چکا تھا۔

تانیہ ہلکے سے چیخی...... "اٹھو اماں۔ نہا لو......"

جواب میں مسز گرو ور کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ "کوئی ضرورت نہیں۔"

"پھر تم کھانا کیسے کھاؤ گی؟ جسم تو دیکھو، پسینے سے شرابور ہو رہا ہے۔"

"باتونی لڑکی...... صرف بک بک کئے جاتی ہے۔ جا، کھانا لے کر آ۔ اور ہاں...... تو نہیں کھائے گی کیا؟ اچھا سن۔ اپنی بھی تھالی لے آنا۔ یہیں بیٹھیں گے۔ کھائیں گے اور باتیں کریں گے۔"

تانیہ نے عجیب معنی خیز نظروں سے مسز گرو ور کو دیکھا۔ پھر وہ تھالیاں لانے چلی گئی۔ مسز گرو ور جیسے ابھی بھی سوچ میں ڈوبی تھیں۔ تھالی اٹھا کر بھی ان کی پھیلی ہوئی آنکھیں کسی سوچ میں گم تھیں......

"مرد میں ایک عجیب سی خوشبو ہوتی ہے...... نہیں...... تُو کھا...... تو کیا سمجھے گی...... ہاں تو...... توبہ۔ بڑے بڑے بال، کالا چہرہ، بالوں سے بھری چھاتی...... کندھوں تک اُگے بال...... اور پسینے کی بدبو...... پاگل...... کتیا...... تو کھاتی کیوں نہیں...... لیکن مرد کے پورے وجود میں ایک عجیب سی خوشبو ہوتی ہے......"

ثانیہ نے چونک کر اماں کو دیکھا......اماں تھالی میں رکھے کھانے کو بھول چکی تھیں ۔ان کے چہرے پر بڑی عجیب سی مسکان سجی تھی اور اماں کی آنکھیں گہرے رنگوں میں ڈوب گئی تھیں۔

(ب)

پوجا......اور مرد

''اماں، کھڑکی کھل گئی ہے۔''

مسز گروور پھر چیخیں...... ''کمبخت، اسٹول پر ٹھیک سے کھڑی رہ، گر جائے گی...... ہاں،تو باوہاں کیا ہو رہا ہے؟''

ثانیہ مڑی، ہونٹوں پر انگلی رکھی...... ''شی! کوئی آرہا ہے......ارے وہی ہے اماں ۔کل والا آدمی۔''

''اکیلا ہے؟''

''ہاں۔''

''آج بھی کوئی عورت نہیں؟''

''نہیں۔''

''نوج! یہ مرد ہمیشہ سے اکیلے ہوتے ہیں ۔ بیوی بچے، پورا پریوار ہو تب بھی اکیلے ہوتے ہیں......اب ٹکر ٹکر میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے......کیا کر رہا ہے وہ......؟''

ثانیہ مسکرائی ''ہاتھ میں اگر بتی ہے...... شیوجی والی اگربتی...... پوجا کر رہا ہے......''

''پو......جا......''مسز گروور زور سے ہنسیں۔''اچھا چل۔ناس پیٹی۔اسٹول سے اتر آ......''وہ اب بھی ہنس رہی تھی۔

''یہ مرد پوجا وجا کیا جانیں......ضرور اپنے پاپ دھو رہا ہوگا۔''

(شیڈ-2)

اس کے لئے پوجا کیا ہے یہ تو وہ اسی رات جان گئی تھی ...... شادی والی رات شاید اس کے لئے زندگی کی سب سے بھیانک رات تھی ...... وہ آدمی ...... اس آدمی کو شوہر کے طور پر قبول کرنا بس اس کی مجبوری ہے ورنہ اسے تو پل دو پل ڈھنگ سے دیکھنا بھی خود پر ظلم کرنا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ اس گھر سے آئی تھی جہاں ہاتھ تنگ ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھاری۔ کسی بدنصیب لمحے میں اگر قسمت نے اسے اس آدمی کو سونپ دیا تھا تو اس میں کسی کی بھی غلطی نہیں تھی۔ ہاں! بدقسمتی سے یا شاید یہ عمر کا تقاضہ تھا کہ کچھ حسین سے سپنے پلّو میں بندھے رہ گئے تھے۔ ان سپنوں کی موت پر اسے ضرور رونا آیا تھا۔

شادی والی رات، وہ پو پھٹنے سے پہلے ہی بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھا ...... وہ جائزہ لیتی رہی ...... اس نے کوئی نوٹ بک نکالی تھی۔ لیمپ کی روشنی میں وہ کسی قسم کے حساب کتاب میں لگا ہوا تھا۔ ایک انتہائی حسین رات ——— وہ اس رات بھی اس قدر اکتادینے والا کام ———

''کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' اس کے جواب میں روکھاپن تھا۔ بزنس کا کچھ حساب کتاب رہ گیا تھا۔ تم سو جاؤ۔''

یہ آدمی۔ اسے اس آدمی کی جمالیاتی حس پر غصہ آرہا تھا۔ کم سے کم اس رات تو اسے اس عورت کو جی بھر کر دیکھنا چاہئے تھا، جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جیسے، وہ ان سب باتوں سے بے نیاز تھا ...... سپنے کرچیوں کی صورت اندر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے ...... ایسے آدمی کے ساتھ، ایسے آدمی کے ساتھ، جہاں خواہشیں نہیں ہوں، خواب نہیں ہوں۔ بس ایک روٹین لائف والا جانور ہو ہو ...... ایک چھوٹی سی زندگی کیسے کیسے سمجھوتوں کی نذر ہو جاتی ہے۔

شاید عورت بہت چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی خوشیوں کا جواز ڈھونڈ لیتی ہے۔ جیسے اسے بتایا جائے کہ اس نے جو پہن رکھا ہے وہ کیسا ہے۔یا وہ کیسی لگ رہی ہے ۔یا اس میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لی جائے۔اسے کریدا جائے۔مگر یہاں تو...... اس کا واسطہ ایک پتھر سے تھا......اور وہ بس کام سوتر کا کوئی مبہم سوتر بن کر رہ گئی تھی جسے کسی کسی رات، نئے طرح سے بوجھنے کی واتسیاین کی خواہش بڑھ جاتی تھی۔ بس......کام، بزنس اور پیسہ......اسے پوجا وغیرہ کے کاموں میں ذرا دلچسپی نہیں تھی ۔ہاں، تب اس دن...... جب سبودھ پیدا ہوا تھا۔وہ ہون کا سامان اور پنڈت کو لے کر آیا تھا اور حد سے زیادہ خوش تھا۔

اسے تعجب ہوا......''تم......تم یہ بھی کر سکتے ہو!''

''کیوں؟''

''نہیں، مجھے لگتا تھا......''

''ہر کام وقت پر اچھا لگتا ہے......''

''اگر ہوتی تو......؟''

''تو دیکھا جاتا......'' وہ ٹھہرا، پھر بولا...... ''تو کیا......تب بھی پوجا کرواتا۔اب میں اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہوں''...... دوسرے ہی لمحے وہ اپنے رنگ میں واپس آ چکا تھا......''اب زیادہ بک بک مت کرو۔پنڈت جی آئے ہیں، ان کی سیوا میں لگ جاؤ۔''

اس رات وہ کافی دیر سے آیا۔آدھی رات گئے دروازے پر دستک ہوئی۔دروازہ کھلا تو سامنے وہ نشے میں دھت کھڑا تھا۔

''پی کر آئے ہو؟''

''ہاں۔''

''کہاں گئے تھے؟''

وہ غصّے میں بے ہودہ انداز میں چیخا...... ''بتانا ضروری ہے کیا؟''

''ہاں، اس لئے کہ اب تم اکیلے نہیں ہو گھر میں......'' کہتے کہتے وہ رک گئی تھی۔

اس نے لڑکھڑاتے ہوئے ہاتھ اٹھایا تھا مارنے کے لئے ـــــ ''کمینی کہیں کی۔ جرح کرتی ہے۔ جیسے وہ صرف تیرا ہی بیٹا ہے۔ ارے میرا بھی ہے، تبھی تو جشن منا کر آیا ہوں......''

''جشن؟'' وہ سہم کر پیچھے ہٹی تھی۔

''ہاں جشن۔'' وہ لڑکھڑانے کے باوجود نارمل لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''دوست اس خوشی میں کھینچ کر لے گئے تھے...... ناچنے والی کے پاس...... لیکن دیکھو میں چلا آیا......''

وہ بستر پر اوندھا گر گیا۔ جوتے تک نہیں اتارے...... اس کے کپڑوں سے تیز بدبو اٹھ رہی تھی اور اس کا سر بری طرح جھنجھنا رہا تھا۔ ناچنے والی کے پاس؟ نہیں کم سے کم آج کی رات...... وہ اس آدمی کے ساتھ بیڈ شیئر نہیں کر سکتی...... وہ اس بستر پر اس کے پاس پاس نہیں لیٹ سکتی۔

تبھی بچے کے چیخ کر رونے کی آواز آئی۔ اس نے بچے کو گود میں اٹھایا اور تیزی سے دوسرے کمرے میں آ گئی۔

(شیڈ-2 ختم)

مسز گرووراچانک زور زور سے ہنسنے لگیں۔ تانیہ نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے اماں......؟''

''نہیں، کچھ نہیں۔ یہ مرد......'' وہ اب بھی زور زور سے ہنسے جا رہی تھی...... ''تجھے کیا معلوم، مرد کو کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ مرد...... مرد ہوتا ہے۔ اس کی ہر ادا میں سنگیت ہے۔ ہر سُر میں سادھنا۔''

تانیہ کو جھٹکا لگا تھا۔ ''اب یہ نئی بات کہہ رہی ہو تم اماں۔''

''پگلی۔'' اماں کو غصہ آیا۔ ''مرد کو سمجھنے کے لئے تجربہ چاہئے اور تجربے کو عمر۔ تو کیا جانے کمبخت۔''

مسز گروور چپ تھیں، جیسے پرانی کہانیوں کی بارش نے انہیں پوری طرح بھگو دیا ہو۔ ''سچی بات ہے...... مرد کے ہر انداز میں نشہ ہے لیکن یہ بات کتنی دیر بعد سمجھ میں آتی ہے......''

''وہ مارتا بھی تھا؟''

تانیہ کی بات پر مسز گروور غصے میں جھپٹیں...... ''حکومت کرنے والا بادشاہ ہوتا ہے۔ باقی لوگ رعایا۔ جو حکومت کرتے ہیں انہیں مارنے کا بھی حق ہوتا ہے۔ مرد فطرتاً حاکم ہوتے ہیں۔''

''اور چیخنا چلانا؟''

''یہ سب بادشاہوں کی طبیعت میں شامل ہے......''

''اور روکھا پن؟''

''یہ مرد کی فطری ادا ہے۔ ارے یہی خوشبوئیں تو......''

مسز گروور کہتے کہتے ٹھہریں، پھر چیخیں...... ''تو یہ سب کیوں پوچھ رہی ہے...... باؤلی ہوئی ہے؟ کمبخت کام کی نہ کاج کی...... چل بھاگ یہاں سے......''

وہ ابھی تک اس بے رحم جلاد کی خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

(ج)

مرد کی خوشبوؤں کے کچھ اور رنگ

''اب کیا ہے؟ بتاتی کیوں نہیں؟''

''ٹھہرو...... دیکھنے تو دو...... وہ تین ہیں۔''

''تین ہیں...... یہ کیا؟ کبھی گھٹ جاتے ہیں، کبھی بڑھ جاتے ہیں؟''

''شی......'' ثانیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھی...... وہ غصّے میں ہیں، اور آپس میں جھگڑ رہے ہیں ۔وہ تیز تیز باتیں کر رہے ہیں......''

''جھگڑ رہے ہیں......؟''

''ہاں، اور شاید ان میں سے ایک، جو کل پوجا کر رہا تھا اس کی......آنکھوں میں آنسو ہیں......''

''اے لڑکی ۔''......مسز گرووز گمبھیر لہجے میں مخاطب تھیں ۔''دوسروں کے پھٹے میں پاؤں نہیں ڈالتے ۔چلو اتر آؤ۔اورلڑکی......کیا دیکھا تم نے......وہ مرد......کیا کہا......رو رہا تھا؟ کمبخت ان مردوں کو تو ،کبھی ڈھنگ سے رونا بھی نہیں آیا......چلو اسٹول ٹھیک سے تھامو۔اور نیچے اتر آؤ۔''

(شیڈ-3)

وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، آخر اس آدمی میں کہیں تو محبت کی کوئی کونپل چھپی ہوگی، کہیں کسی گوشے میں۔کبھی تو وہ محبت کی اس کونپل کو باہر لانے کی کوشش کرے گا۔عورت کیلئے ماں بننا ایک عجیب سا تجربہ ہے۔۔۔۔ اپنے جسم سے اپنے ہی جیسے گوشت کے لوتھڑے کا باہر نکل آنا۔پھر اس کی اٹکھیلیوں کو دیکھنا......ایک خوشگوار حیرانی......کبھی کبھی وہ چھٹپٹا کر رہ جاتی ۔بہت ہوتا تو اس کے جنگلی پن سے واقف ہونے کے باوجود سوال کر بیٹھتی ۔

''کیسے آدمی ہو تم؟''

''کیوں؟''اس کے لبوں پر غصے کی پپڑیاں جمی ہوتیں۔

''بچہ بڑا ہو رہا ہے۔''

''سارے بچے بڑے ہوتے ہیں۔''

''لیکن یہ سارے بچوں میں سے نہیں ہے ۔یہ تمہارا......تمہارا اپنا خون ہے۔''وہ غصے میں چیختا......''تو کیا یہ کسی اور کا بھی خون ہو سکتا تھا......؟''

''نہیں...... میرا مطلب ہے...... شاید اپنے بچے کو اس طرح بڑے ہوتے دیکھنا...... اپنے آپ میں...... تم سمجھ رہے ہونا، میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟''

''ہاں! اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تمہارے پاس کام نہیں ہے۔ خالی دماغ پڑا ہے، دن بھر اوٹ پٹانگ باتیں سوچنے کے لئے......''

''زندگی کس لئے ہوتی ہے؟'' وہ اپنے آپ سے کہتے ہوئے ٹھہر جاتی۔ مگر زندگی اور زندگی سے جڑی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی اسے پرواہی کہاں تھی...... ایک بے حد اوجڈ اور وحشی انسان۔

سپنوں کے پت جھڑ کے دن جیسے اب دور ہو چکے تھے۔ اب ایک بچہ تھا اس کے پاس۔ اور بچہ بڑا ہو رہا تھا۔ بچے کے پاس اڑانیں تھیں۔ بچے کے پاس سپنے تھے...... اور اس بچے میں ایسا بہت کچھ تھا، جو صرف اسی کا تھا، جو اس کے شوہر کا نہیں تھا۔

پھر بچہ اسکول جانے لگا۔ بچے کے اسکول جانے کا مطلب اس کے نزدیک بس اتنا تھا...... کاپیاں، کتابیں لے آنا...... فیس جمع کر دینا۔ کبھی کبھی کتاب یا کاپی کھو جانے پر اسے ڈانٹ دینا یا تھپڑ مار دینا۔

ایک بار سمجھانے کے خیال سے وہ اس کے بہت پاس کھسک آئی۔

''سنو......؟''

''کیا ہے؟''

''بچہ کچھ اور بھی چاہتا ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں، کچھ اور...... مثلاً یہ کہ ہر اچھی بری بات اس سے شیئر کی جائے۔ اس کے بھولے بھالے معصوم سوالوں کا جواب دیا جائے...... اسے نظر انداز نہیں کیا جائے۔ اسے وقت دیا جائے۔ کبھی کبھی اسے پکنک پر بھی لے جایا جائے...... اور بھی

کبھی......''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں۔''

وہ دیر تک غور سے اس جنگلی آدمی کا چہرہ پڑھتی رہی......تو باپ کے پاس وقت نہیں تھا اور بیٹا اس سے ڈرتا تھا۔ بیٹے کو بہت زیادہ اس کی موجودگی پسند نہیں آتی تھی۔ بیٹا اپنے ایسے ہی باغی خیالات کو لے کر بڑا ہو رہا تھا اور ایک دن بڑے ہونے پر بیٹے کی حرکتوں سے لگا۔ اس میں چاہت کی کونپلیں پھوٹنے لگی ہیں...... بیٹے کی حرکتیں ہی کچھ ایسی تھیں، اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے وہ خیالوں میں گم ہو جاتا تھا۔ اسے بھوک نہیں لگتی تھی۔ وہ صبح سویرے ہی گھر سے نکل جاتا تھا اور ایک دن اس کی کتابوں سے ایک لڑکی کی تصویر بھی نکل آئی تھی۔

''کون ہے یہ؟'' اس کے لہجے میں اپنے پن کی مٹھاس تھی۔

''تمہیں کہاں سے ملی؟'' بیٹے کو چوری پکڑے جانے کا احساس تھا۔

''کہیں سے بھی۔ لیکن یہ ہے کون؟''

''کوئی ہے۔''

''لیکن کون ہے؟''

بیٹے کی آنکھوں کی چمک بجھ گئی تھی...... ''کوئی ہے، جو اس گھر میں نہیں آسکتی۔ سنا ماں! اس گھر میں نہیں آسکتی!''

''لیکن کیوں؟'' وہ ایک دم سے چونک گئی تھی۔

''کیونکہ......تم اچھی طرح جانتی ہو ماں!''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس کے رگ و پے میں ابھی بھی ہلکی ہلکی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔

''یہ گھر...... یہ گھر نہیں ہے۔ یہ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس گھر کا ماحول بوجھل ہے۔ یہاں......محبت نہیں ہے......''

بیٹا اس جملے کے بعد ٹھہرا نہیں۔

○○

شوہر کے آنے کے بعد وہ خود کو روک نہیں پائی۔

''سنا وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''کیا؟''

''وہ......اسے احساس ہے کہ اس گھر میں......''

شوہر کی آنکھیں غصے سے پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ چیخا تھا......کیا، یہ عشق کی عمر ہے اس کی......اسے وہی سب کچھ کرنا ہے جو میں......''

''وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا جو تم کر رہے ہو۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ اسے تمہاری طرح نہیں بننا ہے۔'' وہ پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیخی تھی...... ''وہ آدمی بننا چاہتا ہے اور آدمی آدمی ہوتا ہے، آدمی کے پاس وقت ہوتا ہے۔ آدمی کے پاس احساس اور جذبات ہوتے ہیں۔ آدمی عشق بھی کرتا ہے۔ آدمی عشق کو سمجھتا بھی ہے......اور مجھے کہہ لینے دو، تم یہ سب نہیں جانتے، بالکل نہیں جانتے۔''

وہ جانے کو مڑی تو دروازے کے پاس بیٹے سے ٹکرا گئی۔ بیٹے کا چہرہ پُرسکون تھا پتھر کی طرح۔

''آؤ ماں۔'' بیٹے نے اس کے کانپتے ہوئے وجود کو سنبھالا تھا۔ شوہر نے پلٹ کر دیکھا لیکن اس بار......وہ کچھ نہیں بولا۔ بس سوچتا رہا اور سوچتے سوچتے وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

دوسرے ہی روز رات میں اس نے اپنے شوہر کو دیکھا——وہ فکرمند لگ رہا تھا۔

وہ بار بار ٹہلنے لگتا تھا۔ اسے احساس تھا وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ٹھہرا۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے

ہوئے تھی۔ وہ اس کی جانب سے مڑا۔ اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

"سنو۔ اس سے کہہ دو۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرے۔ مگر ابھی نہیں۔"

"کیا؟"

"وہ لڑکی...... تم نے بتایا تھا نا...... کہہ دینا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ہر کام وقت پر ہونا چاہئے۔"

وہ واپس بستر پر آ گیا تھا۔ اس نے آنکھیں بھی نہیں ملائیں۔ اوندھے لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے خراٹے گونجنے لگے۔

"کیسا آدمی ہے یہ؟" وہ غور سے اس کے بدنما بالوں کے گچھوں کو دیکھتی رہی، شاید صرف اتنا کہنے کے لئے ہی اس نے اتنی محنت کی تھی۔ مگر یہ آدمی۔ آخر بیٹے کے لئے اتنا نرم کیسے ہو گیا؟

وہ آج تک نہیں سمجھی......

پھر جیسے دھوپ سرکتی ہے...... جیسے موسم بدلتے ہیں، جیسے برس پر برس گزرتے ہیں...... بیٹا بہو لے آیا۔ پھر تانیہ ہوئی۔ اس میں ابھی بھی کوئی فرق نہیں تھا...... وہ ویسا ہی جنگلی تھا۔ وحشی...... سرپھرا، روٹین لائف والا جانور...... پھر ایک دن...... تانیہ کو چھوڑ کر بہو بیٹا گاڑی سے جا رہے تھے...... کہ وہ حادثہ پیش آ گیا۔

○○

وہ بیتے دنوں کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جیسے دنیا ہی ایک دم سے پلٹ گئی ہو۔ کسی بھیانک سپنے کی طرح وہ اس منظر کو بھول جانا چاہتی تھی...... اسے بس اتنا یاد ہے...... اس کے چہرے کی سیاہی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ معصوم سی، ننھی سی تانیہ کو قصوروار مان کر چل رہا تھا...... لیکن لفظ باہر نہیں آ رہے تھے۔ گھر میں مزاج پرسی کے لئے آنے والوں کی بھیڑ بڑھنے لگی تھی۔

پھر رات ہوئی، باہر ضرور کتے رو رہے ہوں گے۔ ہلکی بارش بھی ہوئی ہو گی۔ اسے

احساس تھا۔ سڑک سنسان اور ڈھلی ہو گی۔ وہ بچوں سے اپنا دھیان ہٹانا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھا، اس کا شوہر اٹھا...... دھیرے سے...... اس رات...... وہ اس رات کو کبھی نہیں بھول سکی۔ وہ رات اسے اپنے بچوں کی موت کے لئے نہیں، بلکہ اس منظر کے لئے یاد رہ گئی تھی۔

کمرے میں تاریکی تھی۔ یقیناً اسے احساس تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ ننھی تانیہ کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا...... سوئی ہوئی تانیہ کو اس نے بڑے پیار سے اٹھا کر سینے سے لگالیا ہے۔ وہ سسکیاں لے رہا ہیمگر چوروں کی طرح سسکیوں کی آواز دھیرے دھیرے تیز ہو رہی ہے۔ حالانکہ وہ ان آوازوں کو اندر ہی روکے رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن کیوں؟

کچھ دیر تک تانیہ کو سینے سے لپٹائے رہنے کے بعد اس نے اپنے آنسو پونچھے...... تانیہ کو پھر وہیں سلایا اور دوبارہ اپنے بستر پر آگیا۔

اس کے بعد وہ زیادہ تر اداس رہا۔ لیکن اس کی فطرت نہیں بدلی تھی۔ اس کے بعد وہ زیادہ دن زندہ بھی نہیں رہا۔

(شیڈ-3 ختم)

تانیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی اماں؟"

مسز گروور اپنی نم آنکھوں کو پونچھتی ہوئی ہنس رہی تھی۔ "کمبخت! اتنا ساتھ رہنے پر بھی ایک مرد...... مرد کو نہیں سمجھ سکی......"

ان کے چہرے پر اب بھی مسکان پھیلی ہوئی تھی۔

"لوگ عورت کو پہلیاں کہتے ہیں۔ لیکن...... پہیلیاں تو مرد ہوتا ہے...... اس کے وجود کا کھردرا پن اپنے آپ میں ایک پہیلی ہے اور اس کھردرے پن میں جو نرمی ہے، وہ...... وہ عورت کہاں سے لائے......؟"

تانیہ حیرت زدہ ان کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

مسز گرو ور چلائیں ـــــ ''پاگل لڑکی، میرا منہ کیا دیکھ رہی ہے۔ جا جا کر کچھ کام کر؟''

تانیہ غصّے سے بولی۔ ''اماں تم نے ہی تو بلایا تھا......''

''ہاں ـــــ ''مسز گرو ور کے لفظوں میں ٹھہراؤ تھا ـــــ ''بلایا تھا تو جانے کو بھی تو میں ہی کہہ رہی ہوں۔ زبان دراز لڑکی......''

پھر وہ دیر تک گالیوں سے اسے نوازتی رہیں۔

(و)

آخری منظر

''ہاں، کیا ہے، بولتی کیوں نہیں؟''

''اماں......وہ سامنے......''

''ہاں، بتانا کیا ہے...... یہ گردن اُچکا اُچکا کر کیا دیکھ رہی ہے، ٹھیک سے کھڑی رہ۔ اسٹول گر جائے گا۔''

''شی......'' تانیہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

''وہی ہے کل والا آدمی...... جو رو رہا تھا......''

''اکیلا ہے؟''

''نہیں......''

''تو بول نا۔ وہی پہلے والے دو لوگ نہیں؟''

''نہیں اماں۔ تم ٹھیک سے دیکھنے بھی نہیں دیتیں......''

''تو دیکھ۔'' مسز گرو ور کو غصہ آ گیا تھا۔

''اس کے ساتھ ایک......؟ ایک عورت ہے۔''

''عورت؟''

''ہاں اماں، آج اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔''

مسز گروور کی آواز کہیں پھنسنے لگی تھی...... ''اور کیا ہو رہا ہے؟''

'وہ دونوں شاید جھگڑ رہے ہیں۔ مرد عورت کو ڈانٹ رہا ہے۔ غصّے میں تیز تیز بول رہا ہے

'۔

''نگوڑی۔ خیر تو اسٹول سے اتر آ۔ تیرا اور کوئی کام نہیں ہے کیا؟ جب تب تاک جھانک کرتی رہتی ہے۔ جا میرے لئے کھانا لے کر آ جا۔ بڑی زور سے بھوک لگ رہی ہے......''

تانیہ نے گھور کر مسز گروور دیکھا اور ایک جھٹکے سے اسٹول سے کود گئی۔

''ٹھیک ہے، سنبھل کر...... کمبخت ماری......''

تانیہ نے جیسے آگے کچھ سنا ہی نہیں۔ وہ اماں کے لئے کھانے کی تھالی لانے چل دی۔

ہاں، تھالی لے کر واپس آتے ہوئے ایک عجیب سا منظر سامنے تھا۔ اماں کسی طرح اسٹول پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئی تھیں اور گردن اُچکا اُچکا کر سامنے والے فلیٹ میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

○○○

صدی کو الوداع کہتے ہوئے ......

(1)

"لیکن اس کا حل کیا ہے؟"

پاپا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے، لہجے سے جذبات غائب ـــــ چہرہ ذرا سا سکڑ گیا تھا۔

ماں کے رویے میں کھوکھلے قسم کی سختی تھی ـــــ "آنے والے مہمان کو آنے ہی نہیں دیا جائے ...... یعنی ......"

یہ ایک دوٹوک فیصلہ تھا ـــــ

"لیکن کیا رِیا تیار ہو جائے گی ـــــ؟"

پاپا کے ماڈرن ہونے کی آزمائش ابھی بھی برقرار تھی ـــــ

اچانک پیدا ہونے والی اس کشیدہ صورت حال میں الگ الگ سطح پر تینوں ہی جکڑ گئے تھے۔ ماں، پاپا اور رِیا!

(2)

رِیا ان بچیوں میں سے نہیں ہے جو کچھ دنوں پہلے تک عصمت چغتائی تک کی کہانیوں میں موجود ہوا کرتی تھیں ـــــ الہڑ، شرارتی، گڈے گڑیوں کا کھیل کھیلتی ـــــ دھاگے سوئی سے انگلیاں چھید لینے والی ـــــ ہوا کے دوش پر لہراتی اڑتی ہوئی ـــــ شادی بیاہ میں مراثیوں کے بیچ ڈھولک پر تال دیتی ہوئی ـــــ کسی ننھے منے بچے کو گود میں لپکتی ہوئی، جس پر بڑی بوڑھیاں آواز بھی کستیں ـــــ

"ارے، ابھی تو تم خود ہی بچی ہو، بچہ ہاتھ سے چھوٹ گیا تو ـــــ'

مگر، اسی بات کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ رِیا ان بچیوں میں سے ایک ہے جو کچھ دنوں پہلے تک ہماری کہانیوں میں موجود ہوا کرتی تھیں۔ عصمت چغتائی تک کی کہانیوں میں —— شرم سے آنچل کا کونا دانتوں میں دابے ہوئے —— یا ہرنی کی طرح قلانچیں بھرنے والی —— خرگوش جیسی نرم اور پھدکنے والی —— ٹپ سے کسی بات پر آنکھوں میں آنسو لے آنے والی —— چھت پر پتنگوں کے موسم میں پیچ لڑانے والی اور کسی پسند آجانے والے لڑکے پر سو جان سے فدا ہونے والی —— اسے چپکے چپکے تنہائی میں خط لکھنے والی...... کسی کے آنے کی آہٹ سے ڈر جانے والی ——

کیا رِیا کے بارے میں ایسا کہا جانا صحیح ہے ——؟ شاید نہیں (یہاں ایک قلم کار کی حیثیت سے میں اپنا اعتراض درج کرانا چاہوں گا) —— رِیا، دادی نانی سے چپکی، طلسماتی کہانیاں سننے والی رِیا نہیں ہے۔ یہ رِیا آج میں جنمی ہے۔ اس بدلے ہوئے وقت میں (اور بطور قلم کار پھر میں مداخلت کے لئے معافی چاہوں گا) کوئی وقت آج کی طرح نہیں ہے —— اچھا برا کہنے والا میں کون ہوتا ہوں —— لیکن ان تین کروڑ برسوں میں یا شاید جیسا اب ہے، کوئی رِیا خرگوش جیسی نرم اور ہرنی کی طرح قلانچیں بھرنے والی نہیں ہو سکتی ——

(3)

تب رِیا چھوٹی تھی۔ ایک سپنا دیکھا تھا اس نے۔ بہت سے گھوڑے ہیں اور ایک اندھیری سرنگ، گھوڑوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہیں۔ گھوڑے بے تحاشہ بھاگ رہے ہیں۔

''میں نے ایسا کیوں دیکھا کہ گھوڑوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہیں؟'' رِیا کی آنکھوں میں سوال تھے۔

”کیا وہ گھوڑے اڑ رہے تھے؟“

”ہاں ہوا میں اڑ رہے تھے۔“

”خوب مضبوط تھے اور جوان تھے؟“

پاپا مسکراتے ہوئے اس کی طرف مڑے —— کیوں کہ یہ تم تھیں رِیا۔ اتنا تیز مت بھاگو۔ گھوڑوں کی آنکھوں پر پٹیاں اس لئے بندھی تھیں کہ وہ سرنگ کی دیواروں سے ٹکرا نہ جائیں۔“

(4)

وہ کالونیوں میں جنمے تھے اور اپنی تہذیب اپنے ساتھ لائے تھے۔ وہ 'برانڈوں' کی دنیا سے تھے یا پیدا ہوتے ہی وہ برانڈ بن جاتے تھے۔ وہ اپنی اپنی چہار دیواری میں قید تھے یا کہنا چاہئے اپنے اپنے بیڈ روم میں، اپنے اپنے ڈرائنگ روم میں، وہ M.T.V. کلچر کے ساتھ اپنا سفر شروع کر رہے تھے۔

مان لو کوئی کہتا ہے کہ.. (جرمن ادیب ہرمن ہیسے کے لفظوں میں) ایک چڑیا انڈے سے جنم لینے والی ہے۔ انڈا کائنات ہے جو جنم لینا چاہتا ہے، اسے ایک دنیا کو تباہ و برباد کرنا پڑے گا۔

قارئین! معافی چاہوں گا۔ اس کہانی کا انداز دوسری کہانیوں جیسا نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ جیسے ہم صرف اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکتے کہ یہ دنیا بدل رہی ہے۔ صرف بدل رہی ہے، کہنے سے چڑیا اور انڈے کا وہ تصور سامنے نہیں آتا۔ اس لئے کہ چڑیا انڈے سے باہر نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے اور انڈا دنیا ہے۔ جنم لینے والے کو، اس دنیا کو توڑنا ہوگا۔

اور جیسا کہ ہیسے نے ڈیمیان' میں سنکلیر' کو بتایا...... پرانی دنیا کا زوال نزدیک آ رہا ہے۔ یہ دنیا نئی شکل لے گی۔ اس میں سے موت کی مہک آ رہی ہے۔ موت کے بغیر کچھ بھی نیا نہیں ہوگا۔ جنگ ہوگی۔ تم دیکھو گے کہ چاروں طرف کیسا ہیجان بپا

ہے ۔لوگوں کو مزہ آئے گا۔ یکسانیت سے اوب کر لوگ مارکاٹ شروع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔دراصل نئی دنیا کی شروعات ہو چکی ہے اور یہ بات ان کے لئے بھیانک ہوگی جو پرانی دنیا سے چپکے ہوئے ہیں۔

تو قارئین! یہ کوئی بہت مسرت انگیز خبر نہیں ہے۔ 31/ دسمبر کی رات، جب ایک گھنا کہرا آسمان پر چھایا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔اپنے اپنے کمروں، ہوٹلوں، بار اور ڈسکوتھیک میں بند لوگ نئے سال کے استقبال کے لئے جشن کی تیاری کر رہے تھے ـــــ بیسوی صدی کے اختتام کے اس گھنے کہرے نے مسٹر ارجن دتیہ کار اور ان کی ماڈرن بیوی رما دتیہ کار کو یہ خبر سنائی تھی ــــــ کہ ان کی چودہ سالہ لڑکی ریا ایک بچے کی ماں بننے جارہی ہے۔

(5)

پہلے یہ 'دنیا' ویسی نہیں تھی۔ظاہر ہے، ہماری کہانی کی ہیروئن ریا کے پاپا ارجن دتیہ کار کو اس دنیا کے لئے جدوجہد کرنی پڑی تھی۔پہلے سب کچھ تھوڑا تھوڑا سا تھا ان کے پاس۔تھوڑی سی آرزو، تھوڑی سی خواہش، تھوڑی سی زمین، تھوڑا سا آسمان، تھوڑا سا مذہب اور تھوڑا سا سوشلزم۔پہلے تھوڑے سے سپنے تھے۔پھر یہ یکایک بڑے ہونے لگے۔ٹھیک ان کے نام کی طرح دتیہ کار۔کمپیوٹر کے چھوٹے چھوٹے پارٹ پرزوں سے اپنا کام شروع کیا تھا۔ہاں، شاید اس سے پہلے تک ماضی کی 'فلاپی' میں جو کچھ بھی تھا وہ 'ڈیلیٹ' کیا جا چکا تھا۔ہاں اس کے بعد نئے حالات اور نئے موسم نے جو فلاپیاں بنائی تھیں، مسٹر دتیہ کار نے انہیں ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔ ایسی ہی ایک 'فلاپی' میں مسٹر نیلامبر بھی قید ہیں ــــــ مسٹر نیلامبر جو پی سی ایل کمپنی کے 486 ماڈل کمپیوٹر ماہانہ قسطوں پر بیچنے والی کمپنی میں کسی اہم عہدے پر فائز تھے اور ریا کو ایک جگہ پارٹی میں دیکھ کر (ایسا دتیہ کار کا خیال تھا) دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا

کہنا چاہیے گھر میں بھی آنا جانا شروع کر دیا تھا ـــــ جو ابتدائی دنوں میں مسٹر دیتیہ کار کو پسند نہیں آیا تھا اور ان باتوں کو دیتیہ کار نے صرف اس لئے گوارا کیا تھا کہ نیلامبر کی دوستی سے انہیں اپنے بزنس میں فائدہ ملنے کی امید بندھ گئی تھی۔

نیلامبر کی دوستی نے چاہے کچھ اور نہ کیا ہو، لیکن ان کے اندر دبے ہوئے خوابوں کی پھلجھڑی میں ماچس کی ایک چھوٹی سی جلتی تیلی سلگا دی تھی۔

نیلامبر کی نودولتیہ لوگوں سے دوستی تھی۔ وہ ان سے مل کر آتا تو کافی نئی نئی معلومات فراہم کرتا۔ جیسے...... مصر کی سیر کرنا چاہیے، دریائے نیل میں کشتی بانی، جبل سینا پر چڑھائی۔ اسی سے معلوم ہوا کہ 'ہوانا' سگار پینے کا ایک الگ ہی مزا ہے۔ 'کوہبا' رومیو جولیٹ، بولیوا اینڈ پنچ جیسے برانڈ پیتے ہوئے کوئی بھی رئیس آپ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے ـــــ جیسے نیویارک میں 'بالتھ زار' میں لنچ یا ڈنر کرنا ـــــ یا پھر مین ہٹن کے مراقشی ریستوراں 'چہ زادہ' میں اپنی من پسند چیزیں کھانا ـــــ مثلاً آپ کے پاس پرانی شراب 'اسپرنگ بیک' ہو جو کسی بھی شوقین رئیس کو پسند ہو سکتی ہے اور پہناوے کے لئے ڈیزائنر ٹوم فورڈ کے ڈیزائن کئے گئے بیگ، جوتے، پوشاک یا بیلٹ آپ کے پاس ہوں۔ یعنی نیلامبر کے پاس آئیڈیل کے روپ میں ایک ایسی زندگی تھی جسے دولت کی گھن گرج سے ہی خوبصورت بنایا جا سکتا تھا۔ مثلاً برادری میں رعب جمانا ہو تو بچوں کو لیزلس کے ذریعے سوئزرلینڈ کے 'بروئے' میں چلائے جانے والے شیوروں میں چھٹیاں منانے بھیج دیجئے ـــــ ہو سکے تو اپنی بیوی کو بھی ـــــ اور یہاں اپنی من پسند چاہنے والی کے ساتھ کسی بی ایم ڈبلیو یا Luxes بہت تیز رفتار رنگا کیریئر پورش یا ایکس ایس فور ایکس اسٹن میں زندگی کے مزے لیجئے۔

دیتیہ کار کو ان دنوں شک ہوا تھا۔ 'کہیں تم نے بھی اپنی بیوی کو اپنے بچوں کے ساتھ......'

نیلامبر 'ہاہاہا' کر کے ہنسا ضرور لیکن دیتیہ کار کو نیلامبر کی آواز اتنی دبی دبی اور مرجھائی لگی جیسے اسی کے الفاظ میں، کسی نو دولتیہ کے 'بنکاک یا سولیس' میں رکھے کھاتوں کے بارے میں سی بی آئی کو جانکاری مل گئی ہو____ دوسرے الفاظ میں کرسٹل کا رابکارا (جواریوں کے ذریعے کھیلے جانے والے تاش کے پتوں کا کھیل) میں بازی ہاتھ سے نکل گئی ہو۔

شروع شروع میں دیتیہ کار کو احساس جرم سا ہوا تھا____ یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔ وہ بار بار یہاں کیوں آتا ہے؟

''تمہیں کیا الجھن ہے......؟ رما کسی ماہر نفسیات کی طرح مسکرائی تھی۔ اس کا ہر لفظ نپا تلا تھا۔''

''تمہیں بس مجھ پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ اگر بے وقوف ہے، تو اسے روکنے کی بے وقوفی تمہیں نہیں کرنی چاہئے۔ اب جو زندگی تمہارے حصے میں آ رہی ہے، وہ پہلے تمہارے پاس نہیں تھی____ میری بات سمجھ رہے ہو نا____ اور اس تبدیلی میں تھوڑا سا ہاتھ اس سن آف بچ نیلامبر کا بھی رہا ہے۔ وہ ہر بار کچھ نہ کچھ دے ہی جاتا ہے____ ہیرے، زیورات......اور بدلے میں اگر تمہاری بیوی کی تعریف کرتا ہے تو سنو دیتیہ کار! مکمل طور سے بزنس مین بنو۔ اِف یو وانٹ تو اچیوسم تھنگ ان لائف......کچھ باتوں کو در گذر کرنا سیکھو......''

اچھی یا بری، صحیح یا غلط، جو بھی ہو۔ اس حادثے کے بارے میں جو اندازے لگائے جا رہے تھے اس کی شروعات اسی 'منطق' سے ہوئی تھی یا نیلامبر کے لفظوں میں نیویارک کی کسی بھیڑ بھاڑ والی سڑک پر رش ڈرائیونگ کرتی اس کی گاڑی اچانک ایک ساتھ بہت سی گاڑیوں سے ٹکرا گئی تھی۔

بچپن میں وہ رِیا سے کسی بات پر ناراض ہو جاتا تو رما اسے خاموش کر دیتی ......

''بچوں کو ایک آزاد دنیا چاہئے ۔اس چھت کے نیچے۔''

دیتیہ کار خاموش ہو گیا۔لیکن رِیا کو دی جانے والی آزاد دنیا کے پیچھے اسے بار بار یہ احساس ہوتا رہا کہ اس کی اپنی دنیا چھن رہی ہے ـــــ یا یہ کہ سب کی الگ الگ دنیا بن رہی ہے ـــــ اس کی رِیا کی اور رَما کی ـــــ کبھی دیکھتا، ننھی منی رِیا تیز میوزک سسٹم پر ایروبکس کرنے میں مصروف ہے ۔یا کسی کمرے میں نیلامبر، رما کو گپ چپ کچھ سمجھانے میں لگا ہے اور ایک بہت سمجھ دار بیوی کی طرح رما، اسے روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

ہم آگے بڑھتے ہیں تو اس سے بھی آگے نکل جاتی ہیں ہماری خواہشات ۔

یہاں یک لامحدود کائنات تھی جو رما کی آنکھوں میں سمائی ہوئی تھی ۔گلیمر سے بھرپور، وہ رِیا کے سامنے ہوتی تو دیتیہ کار کو ڈر سا لگتا کہ وہ رِیا کو کچھ سپنے دکھا رہی ہو گی یا خود سپنے دیکھ رہی ہو گی ـــــ آنکھوں میں اتری ہوئی ایک اندھیری سرنگ اور ہنہناتے ، آنکھوں پر پٹی باندھے، دوڑتے گھوڑے ......

دیتیہ کار کو رِیا کا وہ سپنا ہمیشہ یاد رہا...... ہاں، گھوڑوں کے صرف تصور سے ہی وہ بار بار، جوناتھن سوفٹ، کے گھوڑوں سے موازنہ کرنے لگتا......تم ہو کیا انسان! یہ تمہارے دبلے پتلے ہاتھ پاؤں ...... مجھے دیکھو...... دیوتاؤں کی سواری...... گھوڑا کسی حکمراں کی طرح ۔غلام ومحکوم انسان کے سامنے فخر سے تن گیا تھا...... دیتیہ کار کو احساس ہے کہ گھوڑوں کے مقابلے میں انسان کچھ بھی نہیں ہے ۔ایک لاچار بدقسمت، سپنوں پر منحصر رہنے والا۔

نیلامبر ہنستا ہوا کہتا ہے ـــــ ''ہم ریموٹ کلچر کے لوگ ہیں ۔گھر میں بہت سے لوگ ہیں تو سب اپنے اپنے پروگرام الگ الگ چینلوں پر دیکھنا چاہتے ہیں ـــــ

سونی پر پروگرام پسند نہیں آیا تو ریموٹ کا بٹن دبا کر ZEE لگا دیا۔ زی پسند نہیں آیا تو M.T.V. 'اسپورٹ' □V.T.V. اور ـــــ ریموٹ تو ہے نا...... شوہر پسند نہیں آیا تو شوہر بدل دو...... بیوی پسند نہیں آئی تو......''

''بچوں کا کیا کریں...... ریموٹ سے بچے نہیں بدلے جا سکتے؟''

دیتیہ کار پوچھتا ہے۔ نیلامبر اچانک چپ ہو جاتا ہے......

(8)

مگر نہیں، ارجن دیتیہ کار کی یہی مجبوری ہے ـــــ وہ سسٹم کے ساتھ بھی رہتا ہے اور قدم قدم پر اسے رجیکٹ بھی کرتا رہتا ہے۔ سسٹم کا ساتھ نہ دے تو اندھیرا ہے اور سپنوں میں ہنہنانے والے گھوڑے کسی اندھی سرنگ میں کھو جاتے ہیں ـــــ ساتھ دینے پر مجبور ہے تو...... کچھ کچھ اندر سے ٹوٹتا ہے ـــــ یعنی ایک سطح پر یا جس سطح پر وہ سسٹم کو منظوری دیتا ہے وہیں اس کی مخالفت میں اپنے ضمیر کا قتل بھی کرتا ہے یا قتل کی کوشش۔ دراصل وہ ایک زندگی (ہم اسے اذیت سے بھرپور نہیں کہیں گے) گزارنے کے لئے مجبور ہے...... جدوجہد کی قوت اس میں نہیں ہے۔

جیسا کہ دیتیہ کار نے سوچا تھا، اپنی جدوجہد کے دنوں میں ایک رومانی دنیا ـــــ ایک خوبصورت زندگی...... اور اس لئے سوچا تھا، کہ تب تک بند بند سے قصباتی ماحول میں بھی، تنگی اور بندشوں کے باوجود، پوری طرح محبت کے لئے وقف ایک حسین کائنات ہوا کرتی تھی ـــــ دکھ سکھ کا سنگم اس کے والدین، پھر ان کے والدین پھر ان کے اڑوس پڑوس، چاچا چاچی، تاؤ۔ زندگی کے دامن میں رومانی نظمیں یوں پسری ہوتیں جیسے آسمان میں تارے......

تب سورج، سورج تھا۔ زمین، زمین تھی۔ آسمان، آسمان تھا۔ تب چاند کی چاندنی چھٹکی ہوتی تھی ـــــ تاروں ستاروں کی فسوں خیز کہانیاں ہوا کرتی تھیں ـــــ

پیڑوں کے نیچے فطرت یا فضا کی نرم آغوش ہوا کرتی تھی...... چھت پر پلنگیں بچھی ہوتی تھیں...... ان پلنگوں یا کھاٹوں سے قصوں داستانوں کا میل ہوتا تھا......

تب پھول تھے، خوشبو تھی...... تب جذبات بھی تھے...... تب دکھ اور سکھ کا فطری احساس تھا...... اور اب۔ اس کالونی کلچر میں، ایک دروازے سے ٹکراتے دوسرے دروازے ــــــ دوسرے سے تیسرے...... ان ہزاروں دروازوں میں سے کوئی چاند نہیں جھانکتا۔ کوئی چاندنی رات، تاروں بھرا قافلہ...... کھاٹوں پلنگوں سے جنم لینے والی بے باک داستانیں۔

دیتیہ کار کو لگتا ہے...... بچوں سے فطرت یا فضا نہیں، زندگی چھن گئی ہے۔ وہ بچے تھے تو بچوں جیسا سوچتے تھے۔ بچے جیسے نظر آتے تھے مگر کیا...... ریا کو آپ بچہ کہیں گے؟

''ریا ابھی بھی بچی جیسی نظر آتی ہے؟'' رما کی آنکھوں کے کنول مرجھا گئے تھے۔

''بچی ہے تو بچی جیسی ہی......'' لیکن دیتیہ کار 12 سالہ ریا کو دیکھتے ہوئے ڈر گئے تھے...... نہیں، ریا تو جوان ہو گئی ہے۔

''نہیں......'' رما کے لہجے میں کرختگی تھی...... ''میں یہی کہہ رہی ہوں کہ...... اسے بچی جیسی نہیں دکھنی چاہئے۔''

''لیکن کیوں؟'' دیتیہ کار کے لہجے میں ڈر کوند گیا تھا۔

''کیوں کہ بچی لگنے میں اس کا نقصان ہے۔ اس کا کیریر، اس کا مستقبل؟''

دیتیہ کار کے اندر بیٹھے باپ نے مورچہ سنبھالا......

''بارہ سال کی عمر کے بچے پڑھتے ہیں۔ بارہ سال میں مستقبل کہاں سے آ گیا؟''

''اس لئے کہ......'' رما کے ہونٹ جکڑ گئے تھے ــــــ ''جو غلطی ہم سے ہوئی ہمارے بچوں سے نہیں ہونی چاہئے...... اس لئے کہ یہی عمر ہے جب......''

دیتیہ کار ڈر گیا تھا۔

''ڈرومت۔ میں جو کروں گی، رِیا کی بھلائی کے لئے کروں گی۔''

''لیکن تم کرو گی کیا؟ کیا رِیا کو جوان کردوگی...... اس کے مستقبل کے نام پر......؟''

دیتیہ کار کو لگا تھا کہ رما کو اس طنز پر ہنسنا چاہئے مگر رما سنجیدہ تھی۔

''ہاں، میں اسے جوان کردوں گی......''

''پاگل ہوگئی ہو......؟''

''نہیں...... میں نے فیصلہ کرلیا ہے ـــــ میں رِیا کو ہارمونس کے انجکشن دلاؤں گی۔''

دیتیہ کار تبھی چونکا تھا۔ جب پہلی بار رما نے گلیمر ورلڈ کا نام لیا تھا۔ ماڈلنگ، کم عمر اداکاراؤں کی بے باک زندگیاں...... ایک بار نیلامبر نے ہنستے ہنستے پوچھا تھا۔ فلمی دنیا کی اکثر ہیروئنیں اپنے باپ اور باپ کا گھر کیوں چھوڑ دیتی ہیں؟ ہنستے ہنستے نیلامبر نے تازہ تازہ ممتا کلکرنی کی مثال پیش کی تھی۔ دیتیہ کار کو لگتا ہے باپ اپنی اپنی قوت برداشت کا امتحان دیتے دیتے ہار جاتے ہوں گے۔ پھر یہاں تو باڈی فٹ نیس، ذہانت اور کھلے پن کا ہر راستہ گلیمر ورلڈ تک جاتا تھا۔ بیوٹی کوئنز، مس انڈیا، مس ورلڈ، مس یونیورس...... دنیا کے سامنے بیٹی کا کھلا ہوا جسم اور ننگی ننگی پنڈلیوں پر نظر ڈالتے ہوئے ماں باپ کو یقیناً فخر ہوتا ہوگا۔

(9)

یہ انہی دنوں کا حادثہ ہے، جب نیلامبر کو اونچا اڑتے اڑتے اچانک ٹھوکر لگی تھی...... نیلامبر کی کمپنی اپنے پروڈکٹس کی مانگ گھٹنے سے پریشان ہورہی تھی۔ فیصلہ یہ لیا گیا کہ خسارے میں چلنے والی کمپنی ہی کیوں نہ بند کردی جائے۔ اس سے موٹی تنخواہ پانے والے نیلامبر جیسے ایگزیکیوٹیو اچانک ہی ریٹائر کردئے گئے۔

جیسے اچانک بلندی سے گر کر زمین پر آنے کا احساس ہوتا ہے۔ اس دن نیلامبر کے ہونٹوں پر ایک طرح کی کپکپی تھی......

''اسے روکو...... وہ بہت تیز اڑ رہی ہے......''

''لیکن اب...... شاید دیر ہو چکی ہے......'' یہ دیتیہ کارنہیں ایک لاچار باپ کا لہجہ تھا......''

''کچھ کرو...... نیلامبر کا لہجہ خوف زدہ تھا...... انجانے میں اس لڑکی نے اپنے لئے ایک گیس چیمبر چن لیا ہے —— تم سمجھ رہے ہو نا —— اس کا دم گھٹ جائے گا۔ پہلے ڈسکوتھیک، پھر بار، ہارمونز کے انجکشن...... رِیا کا اگلا پڑاؤ، کنڈوم بھی ہو سکتا ہے...... اسے روکو......''

دیتیہ کار کے اندر ایک ایسی بے کیف اداسی چھائی ہوئی تھی جسے توڑنے کے لئے یہ سخت لفظ 'کنڈوم' بھی کارگر نہیں تھا...... وہ دیکھ رہا تھا کہ اس لبرل ازم یا صارفیت نے تو رِیا کو ہارمونز کا انجکشن لینے سے پہلے ہی جوان بنا دیا تھا۔

وہ سب کچھ آنکھ موند کر دیکھنے کو مجبور تھا۔ یہ بھی کہ پرانی دنیا کا زوال ہو رہا ہے۔ چڑیا انڈے سے باہر نکلنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے...... اسے موت کی بو آ رہی تھی...... موت کے بغیر کچھ بھی نیا نہیں ہوگا...... لوگوں کو جنگ سے تحفے میں ملا ہیجان چاہئے۔ ہیجان...... سنسنی...... شاید نئی دنیا کی شروعات ہو چکی ہے...... اور یہ شروعات ان جیسوں کے لئے بھیانک ہے۔ جو اب تک پرانی دنیا سے چپکے ہوئے ہیں......

(9)

اس اثنا میں کئی معمولی قسم کے چھوٹے چھوٹے حادثات ہوتے رہے...... جیسے 'ماڈلنگ' کے لئے رما نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا...... جیسے نیلامبر نے دھیرے دھیرے گھر آنا بند کر دیا...... جیسے ریا چپ چاپ رہنے لگی۔ لمبی گہری اداسی، جو کسی

صدمے سے جنمی ہو یا جوڈپریشن کے مریضوں کے لئے عام بات ہے......اس لمبی گہری اداسی کے پیچھے وہ **مسلسل** رما کی شکست دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دنیا گول ہے لیکن یہ یقین نہیں تھا کہ رما عورت کی جون میں کبھی واپس بھی آسکتی ہے ــــــ یا تو یہ مکمل شکست تھی یا پھر اس حادثے کا وہ آخری ورق ــــــ جہاں نیند کی کئی گولیاں نگل کر ریا نے خودکشی کی کوشش کی تھی......

تو کیا چڑیا انڈا توڑ کر باہر نکل آئی تھی......؟

یہ ارجن دیتیہ کار کے لئے عرفان ذات کا وقت تھا۔ لیکن ابھی ایک لرزہ دینے والا منظر باقی تھا۔ ریا کو ہوش آچکا تھا تاہم اس کی میڈیکل رپورٹ ابھی آنا باقی تھی...... لیکن اس میں کیا نکل سکتا ہے، یہ رما کی آنکھوں میں پڑھا جاسکتا تھا ــــــ سارے گھر میں جیسے یکایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی تھی۔ ایک دھند تھی جس نے چہروں کے درمیان انجانے پن کی دیوار اٹھا دی تھی......ایک چیخ گونجی...... کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ دیتیہ کار اور رما بھاگتے ہوئے آئے تو......سامنے......اپنے دروازے پر ریا کھڑی تھی ــــــ کپڑے تار تار ــــــ آنکھیں انگاروں کی بارش کرتی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں آدھی ٹوٹی ہوئی سوڈا واٹر کی بوتل تھی...... چہرے پر ایک عجیب طرح کا تناؤ جو غصہ سے جما تھا۔ ریا بہت زور سے چلائی۔

’’کیا جاننا چاہتے ہیں آپ لوگ......زیادہ تنگ کریں گے تو......‘‘

دیتیہ کار جانتے تھے۔ فلمیں اور فلموں کا تشدد قدرتی انداز میں بچوں کے ذہن پر اپنا اثر ڈالتے رہے ہیں۔ سرد کہرے میں جیسے ان کے جذبات بھی سرد ہو رہے تھے۔ تب ایک دن بعد نئے دن کی شروعات ہونے والی تھی ــــــ یا پرانے سال کے آخری دن انہیں ایک چونکانے والی خبر ملنے والی تھی۔

یا......ایک نئی شروعات کی چڑیا کو انڈا توڑ کر باہر نکلنا تھا۔

(10)

کیسے ہوا یہ سب؟

دیتیہ کار سوالوں کے اندر جاتے جاتے ٹھہر جاتے۔ کیا یہ سب اس وقت کے اندھیرے کا سچ ہے، آزادی کے وقت کی آئیڈیلزم، لوہیا کا سوشلزم...... پھر یہ 'ازم' کتنے طبقاتی گروہوں میں بٹا تھا۔ مادہ پرستی، کنزیومر ازم، گھوٹالہ واد۔ کہیں ایک لبرازم کی اینٹ بھی رکھ دی گئی...... کیا کہیں گے ہم اس نسل کو...... M.T.V. کنڈوم نسل...... عدم تحفظ کے جذبات میں اسیر، باہر باہر آزادی کے لطف کا ناٹک کرتے ہوئے۔ اندر اندر گہری اداسی میں ڈوبے، تناؤ میں ـــــ ستم رسیدہ ـــــ جیسے کسی بھیانک دھوکہ دھڑی کے شکار ہوئے ہوں...... یا جیسے خود کو غیر محفوظ کر رہے ہوں۔ مگر کس سے...... ایک مفرور یا مہاجر کلچر میں رچے بسے بچے ـــــ اس تناؤ سے نجات پاتے ہیں تو اگلے قدم پر جرم راستہ روکے ہوئے ملتا ہے ـــــ ریا کی وہ خونی آنکھیں...... وہ مضبوط نہیں، وہ تو بہت کمزور ہیں ـــــ لمحے میں خودکشی جیسے فیصلوں میں زندگی کا مفہوم ڈھونڈنے والے۔ شخصی تشدد کے شکار...... آنکھوں میں جنون لئے، کسی بھی طرح کے ہیجان کے نام قربان ہو جانے والی نسل...... لیکن اس نسل کو، اس سمت میں لانے والا کون ہے؟ ہر نسل اپنے پہلے والی نسل سے کچھ نہ کچھ اثر لینے پر مجبور ہے، تو کیا دیتیہ کار کے باطن کا وہ سیکولر اور لبرل کردار والا شخص صرف ایک علامت اور متھ تھا، جس کا اثر لے کر ریا مجبوراً ان اوراق کو لکھنے پر مجبور ہوئی ہے...... گھوڑے ہنہنا رہے ہیں ـــــ گھوڑوں کی آنکھوں پر بندھی پٹیاں کھل رہی ہیں...... گھوڑے دور تک پھیلی اندھیری سرنگ کی دیواروں سے ٹکرا سکتے ہیں......

OO

۳۱ر دسمبر ـــــ گھر سے باہر دور تک کہرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی...... بہت کم

وقت بچا تھا، نئے سال کے آنے میں......لیکن کبھی کبھی باہر سے پٹاخوں کی آواز آجاتی۔ یہ ختم ہوتی ہوئی بیسویں صدی کو الوداع کرنے کی آوازتھیں......یا نئے سال کے استقبال کی تیاری۔ ایک صدی گھنے کہرے میں چھپ رہی تھی۔ ایک نئی صدی گھنے کہرے سے جنم لے رہی تھی......میڈیکل رپورٹ ایک نئے جنم کی کہانی لے کر آگئی تھی۔

——"وہ......ابھی بچی ہے۔"

——"تم نے اسے ہارمونز کے انجکشن لگائے تھے......"

——"لیکن......وہ......ابھی بچی ہے......"

سردی سے دانت کٹکٹائے......باہر کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ نئے سال کے آنے کے باوجود ایک لرزہ دینے والا سناٹا......

——"اب کیا ہوسکتا ہے؟" رما کے ہونٹ تھرتھرائے تھے......

——"اس سے پہلے بھی اس کے بارے میں ہر فیصلہ تم نے کیا ہے......اس لئے......"

——"تمہارے اندر فیصلہ لینے کی قوت نہیں تھی......"

——"یا......میں اپنی بچی کو ہارمونز کے انجکشن نہیں لگوا سکتا تھا۔"

——"میری آنکھوں میں سپنے پل رہے تھے۔ میرا بھی شوق تھا کہ دوسروں کی طرح اپنی بچی کو ٹیلی ویژن یا پردے پر دیکھوں۔"

——"پھر یہ خیال کیوں چھوڑ دیا؟"

—— ''کیونکہ......'' رما کا لہجہ برف ہو رہا تھا۔ ''وہ مجھے آدمی نہیں لگا......''

—— ''نہیں۔ وہ بھی آدمی تھا ہماری تمہاری طرح......'' دیتیہ کار کچھ سوچ کر اداس ہو گیا ہے...... اس کمپیوٹر کی طرح بے کار اور بے قیمت جس سے اچھا پروڈکٹ مارکیٹ میں آچکا تھا۔

(12)

باہر پٹاخے چھوٹنے شروع ہو گئے ہیں......شاید سال نو کی آمد قریب ہے......وہ جانتا ہے باہر کڑاکے کی سردی کے باوجود ہمیشہ کی طرح بچے، جوان مسرت اور گرمجوشی کے ساتھ سڑکوں پر نکل آئے ہوں گے—— یا اپنے اپنے گھروں میں گھڑی کی سوئیوں کے جڑنے کا انتظار کر رہے ہوں گے—— رما چپ ہے......وہ ایک عجیب سی سرگوشی سن رہے ہیں۔ ابھی اور بھی انقلاب باقی ہیں۔ آنے والے کچھ برسوں میں بایو ٹکنالوجی اور جینٹک انجینئرنگ کی سمت میں ہونے والے انقلاب......شاید اگلے پڑاؤ کے طور پر، ہم نینو ٹکنالوجی کے عہد میں داخل ہو جائیں۔ جراسک پارک کے ڈائنا سور سے بھی زیادہ بھیانک ایک نئے عہد کی شروعات......ہر قدرتی اور فطری چیز کی آپ ایک نقل بنا کر رکھ سکتے ہیں—— جیسے پیڑوں کی بایوٹک نقل......ایک مائیکرو درخت یا ماحولیاتی اثرات آپ اپنے کمرے میں لا سکتے ہیں۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس بھرتا ہے......لگاتار ہونے والے انقلاب نے ہمیں 'بونسائی' بنا دیا ہے......

''لیکن اس کا حل کیا ہے؟''

رما اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے—— ''رِیا کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا......؟''

مگر شاید اب وہ کچھ بھی سوچ پانے کی حالت میں نہیں ہے۔ گھڑی کی سوئی ایک دوسرے سے جڑ گئی ہے۔ باہر پٹاخے چھوٹنے کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کر گیٹ کی طرف بڑھتا ہے۔ دروازہ کھولتا ہے۔ شاید نئے سال کے خیر مقدم میں یا بیسویں صدی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہنے کے لئے ـــــ باہر کی کڑکڑاتی ہوئی ٹھنڈک □ ـــــ آنکھوں کے آگے دور تک بچھی ہوئی کہاسے کی چادر □ ـــــ دور تک دھواں ...... دھواں، کچھ بچوں کے ہنسنے، قہقہہ لگانے کی آوازیں بھی آرہی ہیں ـــــ شاید وہ آپس میں ناچ گا رہے ہوں۔ آتش بازیاں چھوڑ رہے ہوں۔

مگر دیتیہ کار ...... سردی نے جیسے اپنی جگہ پر انہیں جکڑ دیا ہے ...... چڑیا انڈا توڑ کر باہر نکل آئی ہے۔ یا پھر ......

بغیر پٹی کے ہر نگ میں دوڑنے والا گھوڑا دیواروں سے ٹکرا کر لہولہان پڑا ہے۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مادام ایلیا کو جاننا ضروری نہیں

فیروز اور مادام ایلیا کے درمیان ایک بے ربط مکالمہ

"دو نالی بندوق اور ڈریسنگ گاؤن" ـــــ اس نے حامی بھری۔ سر کو ایک ذرا سی جنبش دی۔ گو ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے کی جھریاں کچھ زیادہ ہی تن گئی تھیں اور گول گول چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی سرخیاں کچھ ایسے پھیل گئی تھیں، جیسے گرمی کے دنوں میں انڈے کی زردیاں پھیل جاتی ہیں۔

'ہاں، اتنا کافی ہے۔ زندہ رہنے کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے ـــــ' اس نے ہونٹ ہلائے اور سوکھے ہونٹوں پر جمی پپڑیوں کے درمیان شگاف بنتے چلے گئے۔

"مگر میرے پیارے بوڑھے فوجی تمہیں کچھ اور بھی چاہئے ـــــ بوڑھی مادام ایلیا کے لہجے میں دردمندی تھی ـــــ بہت زیادہ کچھ۔ میرے پیارے بوڑھے فوجی، اس عمر میں تو چاہنے کی طلب بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم......؟"

فیروز راہب، وہ معمر مرد جو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ دھیرے دھیرے بندوق گھماتا رہا۔ جیسے، ایسا کرتے ہوئے مادام ایلیا کے چبھتے الفاظ کی ناپ تول کر رہا ہو

۔

"آہ تم نے محبت بھی نہیں کی۔ جب کہ موقع تھا تمہارے پاس ـــــ مادام ایلیا کے لہجے میں ناراضگی تھی ـــــ اچھے بچوں کی طرح چپ چاپ بیٹھے رہو میرے پیارے بوڑھے فوجی۔ چپ چاپ۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ جبکہ محبت کے مواقع تھے تمہارے پاس ـــــ مگر تم نے وقت گنوا دیا۔ تمہیں محبت کرنی چاہئے تھی ـــــ اس

عمر میں پرانی محبت کا خیال ـــــ؟ تم نہیں جانتے۔ اس سے عمدہ تو وہ مشروب بھی نہیں ہوتی، جسے تم اب اپنی زندگی سے زیادہ پیار کرتے ہو۔ نہیں پیارے فوجی، ایسے مت دیکھو..... ایک سینڈوچ اور مل سکتا ہے؟''

''نہیں اب سینڈوچ نہیں ہے۔''

معمر عورت ٹھہا کا لگا کر ہنسی۔ ''میرے پیارے بوڑھے فوجی۔ مجھے پتہ ہے۔ سینڈوچ اور نہیں مل سکتا۔ ذرا ٹھہرو۔ ایک بار چیک تو کر لوں.....''

وہ بمشکل اپنی جگہ سے اٹھی۔ اٹھ کر، کیکرون، کی بنی الماری تک گئی۔ الماری کی خالی ریک میں کچھ دیر تک اپنی آنکھیں گھما گھما کر کچھ دیکھتی رہی۔ پھر بلاوجہ ہنسی۔

''افسوس۔ نہیں ہے۔ مگر کیا ہوا۔ سینڈوچ تو دوبارہ آسکتے ہیں۔ مگر میرے پیارے فیروز.....'' اس بار اس نے بوڑھے کو اس کے نام سے پکارا تھا..... 'مگر..... تم تو نہیں آسکتے اور سنو۔ مات کھانا تو مرنے سے بدتر ہے۔ کیا تم مر گئے ہو ـــــ؟ سینڈوچ کی طرح زندگی دوبارہ تو نہیں مل سکتی ـــــ!''

بوڑھے فیروز نے دونالی کا رخ اپنی طرف کیا۔ پھر نال اپنی پیشانی سے سٹالی۔

''بزدلی۔ آہ! حال سے بیزاری اور مستقبل کا نشہ ختم ہو جائے تو..... آہ تم سمجھ رہے ہو نا، زندہ رہنے کے لئے.....''

وہ اپنا مکالمہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

بچپن کے واقعات اور تذکرہ پہلی گولی کا

ان دنوں فیروز بہت چھوٹا تھا اور سچ پوچھئے تو بچپن میں ایسے خیالات پیدا نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ اس کے دل میں پیدا ہوتے تھے ـــــ ان دنوں زیادہ تر وہ ایک چرمی واسکٹ پہنتا تھا، جو اس کے باپ نے اسے امتحان پاس ہونے کی خوشی میں تحفے میں دیا تھا ـــــ اور وہ اسے پہن کر خوش ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ

خوبصورت شئے دنیا میں اور کوئی نہیں۔ جاڑا ہو، گرمی یا برسات، وہ اسے اتارنے کا نام نہیں لیتا۔ ہاں پہلی بار چرمی واسکٹ اس نے اپنے بدن سے تب الگ کیا جب اس نے سنا کہ.....

وہ جاڑے کے دنوں کی ایک رات تھی۔ روشنی کئی دنوں سے نہیں تھی۔ کمرے میں بھبھکتا ہوا ایک لالٹین جل رہا تھا۔ باہر کتے بھونک رہے تھے اور اس نے دیکھا، لالٹین کی دھیمی روشنی میں اس کے باپ کا چہرہ سیاہ پڑا ہوا تھا۔ باپ سہا سا ماں کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔

''تم سن رہی ہونا..... جنگ ہونے والی ہے۔ آہ! جنگ، جو ہمارے لئے تباہی لائیگی۔''

''شی.....'' اس نے ماں کی آواز سنی۔ دھیرے بولو۔ ماں کی آواز لڑکھڑا رہی تھی..... ''یہ جنگیں ختم نہیں ہو سکتیں؟''

''اس نے باپ کے خوفزدہ چہرے کا عکس دیکھا، جو گہرے سناٹے کی طرح شانت تھا—— نہیں۔ جنگیں ایک بار شروع ہو گئیں تو..... پھر نہیں رکتیں۔ ہاں بیچ بیچ میں سیز فائر..... مگر.....''

''سیز فائر''..... ماں چونک گئی تھی۔

''جنگیں ایک خاص مدت کے لئے بند کر دی جاتی ہیں۔'' باپ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا..... تم سمجھ رہی ہونا..... یہ ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے..... مگر جنگیں جاری رہتی ہیں..... سیز فائر اس لئے ہوتے ہیں کہ..... جنگ میں لذت پیدا کی جا سکے۔''

ایلیا اس سے دو برس بڑی تھی۔ صبح کھانے کی میز پر اس نے دیکھا، اس کا باپ کچھ زیادہ ہی رنجیدہ تھا۔ اس نے ایلیا کو قریب بیٹھنے کے لئے کہا۔ پھر باری باری سے سب کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے وہ ''لام'' پر جا رہا ہو۔ سب کو چھوڑ

کر ـــــ

پھر باپ نے نظر نیچی کرلی.....مگر.....وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا......"آہ! ایلیا.....تم جانتی ہونا، بلیاں کتے اپنی دیکھ بھال کرنا اچھی طرح جانتے ہیں مگر...... ہم انسان.....وہ اٹک رہا تھا..... مان لو.....کل سے اس میز پر ایک آدمی کم ہو جائے تو.....؟ وہ ٹھہرا اور اتنی دیر میں باپ نے اپنے حواس بحال کر لئے.....یعنی میں.....' وہ مسکرا رہا تھا..... 'گھر کی چھت سے سیاہ بادل لٹک رہے ہیں میرے جان ۔ یہ بادل کسی بھی وقت کمرے میں آسکتے ہیں۔"

فیروز نے ماں کو دیکھا ـــــ ماں کی آنکھوں میں نہ تعجب کا اظہار تھا نہ ہمدردی کا۔ اس کے برخلاف ماں نے چندھی آنکھوں سے باپ کو دیکھا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ـــــ بولی۔ "شی.....دیواروں نے سن لیا تو....."

"بلیاں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔ کتے اور دوسرے جانور بھی....."

فیروز نے اپنے چمڑے کی واسکٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا ـــــ اس نے ایلیا کو دیکھا جو اچانک باپ سے لپٹ گئی.....

"تو کیا یہ سیز فائر ہے؟"

"ہوسکتا ہے۔ جنگ ابھی رکی ہوئی ہے میری جان ۔ اس کے بعد.....کبھی بھی شروع ہوسکتی ہے....."

پھر سب خاموش ہو گئے۔

دوسرے دن جب باپ جانے کو ہوا تو سب نے مخالفت کی۔ مگر باپ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا....."جب بلیاں اپنی دیکھ بھال کرنا جانتی ہیں تو....."

اس پورے دن باپ نہیں آیا۔ ماں خاموشی کے ساتھ حجرے میں رہی ۔ ایلیا بار بار دروازہ کمرہ ایک کرتی رہی ۔ رات کے پچھلے پہر دروازے پر دستک گونجی ۔ اس نے

دیکھا۔ دو چار لوگ اس کے باپ کے مردہ جسم کو لئے کھڑے ہیں۔

''یہ باہر ملا ہمیں۔ باہر راستے میں۔ کسی نے اسے گولیوں سے......''

اس نے دیکھا، ماں سوگوار لباس پہن کر باپ کی لاش کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ایلیا نے روتے چیختے سارا گھر سر پر اٹھالیا____ اس کے کانوں میں باپ کی آواز آتی رہی...... یہ سیز فائر ہے......آہ، بلیاں، کتے اپنی دیکھ بھال کرنا......''

وہ باپ پر جھک گیا۔ باپ کے سینے کو گولیوں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ جہاں جہاں گولیاں لگی تھیں، وہاں خون کے فوارے جم گئے تھے...... سارا جسم خون سے سنا تھا اور جسم سے عجیب سی بدبو اٹھ رہی تھی۔ اس نے اچانک اپنی انگلیوں میں حرکت محسوس کی اور اس کی متحرک انگلیاں باپ کے جسم میں ان جگہوں پر پیوست ہونے لگیں جہاں گولیاں داغی گئی تھیں۔

ایلیا روتے ہوئے چیخی____ ''فیروز! یہ کیا کر رہے ہو؟''

وہ سرد لہجے میں بولا____ دیکھتی نہیں۔ گولیاں نکال رہا ہوں۔

''خدا را بس کرو۔ بس کرو فیروز۔''

ماں دھیرے سے بولی____ ''باپ پر بیٹے کا حق ہوتا ہے۔''

ایلیا پھر چیخی____ مگر...... ''تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟''

''میں اس واقعہ کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ سمجھی تم ایلیا۔ زندہ رکھنا چاہتا ہوں____ وہ حلق پھاڑ کر چیخا____ صرف باپ کی موت مجھے یاد نہیں رہ سکتی____ صرف یہ، کہ ایک رات یہ گولیوں سے چھلنی ہوا تھا۔ میں اس کے جسم سے ساری گولیاں نکالتے ہوئے اس واقعہ سے جڑنا چاہتا ہوں____ ڈراونے خواب کی طرح۔''

''نہیں ایسا مت کرو۔ ایسا مت کرو فیروز......''

ایلیا زور زور سے چلانے لگی۔ ماں اسی طرح باپ کی لاش کے پاس بیٹھی تھی۔ جیسے کچھ بھی اس کے لئے عجوبہ نہ ہو۔

سیز فائر

(کسی کہانی کے لئے یہ تعین کرنا ضروری نہیں ہے کہ وہ واقعہ کب ظہور میں آیا...... یا وہ حادثہ کب سرزد ہوا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ دن تاریخ، مہینے حقیقت سے پوری طرح واقف کرانے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ معزز قارئین! یہ سب کچھ ان دنوں ہوا۔ یا یہ مان لیا جائے کہ ان ہی دنوں ہوا ہوگا یا انہی دنوں ہوسکتا ہے...... ماننے اور فرض کر لینے سے سچ زیادہ شفاف ہوکر ہمارے سامنے آتا ہے ____

(ہاں تو مان لیتے ہیں، یہ سب کچھ ان ہی دنوں ہوا ہوگا جب ایک انسانی نسل پرانی ہورہی تھی اور دوسری نسل جوان ہورہی تھی۔ ایک صدی وقت کے سرد وگرم کی کہانیاں سمیٹے رخصت ہورہی تھی اور...... ایک صدی آرہی تھی)

اور سچ یہ ہے کہ ہمارے ہیرو، یعنی فیروز راہب نے اس واقعہ کے بعد چرمی واسکٹ اتار پھینکا۔ اسے بہت ساری باتوں کا جواب نہیں ملا ____ مثلاً اس کے باپ کو کیوں مارا گیا۔ مثلاً اس قتل سے کسی کا کیا فائدہ ہوسکتا تھا۔ مثلاً...... اس کی ماں روئی کیوں نہیں۔ جس دن اس نے چرمی واسکٹ اتارا، اس دن ایک واقعہ اور ہوا۔ اس دن ایلیا اسے بدلی بدلی سی نظر آئی...... اس نے ایلیا کو غور سے دیکھا...... ایلیا کی آنکھوں میں ایک نئی دنیا آباد ہورہی تھی ____

پھر کافی عرصہ گزر گیا۔

باپ، حادثہ اور گولی...... گو، بہت زیادہ وقت گزر جانے کے بعد بھی یہ حادثہ سے کل کا لگتا تھا۔ جبکہ اس درمیان یعنی باپ کی موت کے ٹھیک دو سال بعد ماں بھی باپ کے پاس چلی گئی۔ مگر سچ تو یہ تھا کہ وہ ماں کو بھول بھی گیا۔ مگر باپ کا حادثہ اس

کے ذہن میں ابھی بھی جیوں کا تیوں محفوظ تھا۔ یعنی وہ خوفناک رات...... نصف شب ہونے والی دستک اور باپ کے مردہ جسم سے گولیاں نکالنے کا عمل...... اسے یقین تھا، باپ اس کے اندر زندہ ہے اور باپ اس کے اندر زندہ رہا تھا......

اس بیچ، جیسا کہ باپ نے کہا تھا...... جنگیں لگاتار ہوتی رہیں۔ یا جیسا کہ آگے باپ نے سیز فائر کے بارے میں بتایا تھا...... جنگیں رک رک کر پھر شروع ہو جاتیں۔

اس بیچ صرف ایک بات ہوئی ــــ نہ چاہنے کے باوجود وہ فوج میں چلا گیا۔

ایک دن۔ کافی دنوں بعد اس نے ایلیا کو چہچہاتے ہوئے دیکھا تو چونک پڑا۔ ایلیا کی آنکھوں میں چمکتے رنگوں والی چڑیا کی شوخی اتر آئی تھی۔

"کیا بات ہے ایلیا......"

"سیز فائر...... ایلیا ہنسی...... میرے پیارے فوجی...... میں محبت کر رہی ہوں ــــ وہ ذرا سا ہنسی...... 'کیوں محبت میں ہنسنا جرم تو نہیں ہے اور میرے پیارے فوجی۔ یہ بات تمہارے لئے بھی ہے۔ تم بھی محبت کرنا شروع کر دو۔"

وہ اس کے قریب آ گئی۔ "جنگ میں ہم ایک دوسرے سے دور چلے جاتے ہیں...... نہیں؟"

"تمہیں باپ کے جسم سے نکلنے والی گولیاں یاد ہیں؟"

"آہ...... تم بالکل نہیں بدلے۔ سنو، باپ نہیں ہے۔ میرے پیارے فوجی۔ باپ بہت دور چلا گیا ہے۔ وہ کھلکھلائی...... محبت جنگ کو بھلا دیتی ہے...... تم سمجھ رہے ہو نا میرے پیارے......"

ان دنوں آسمان پر گدھوں کی طرح جنگی طیاروں نے منڈرانا شروع کر دیا تھا۔

اس کے پاس بھی جنگ میں شامل ہونے کا پروانہ آ گیا...... اس رات دونوں نے جشن منایا...... ایلیا نے اپنا وائلن نکالا جو اس کے باپ نے اس کی بارہویں سالگرہ پر دیا تھا۔ فیروز نے اپنا ڈریسنگ گاؤن نکالا، جو چرمی واسکٹ کی طرح اسے پسند تھا۔

کمرے میں مدھم اندھیرا تھا۔ ایلیا دیر تک وائلن بجاتی رہی۔ وہ تادیر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا۔ شاید لام پر جانے سے قبل وہ ہر طرح کے احساس سے بے خبر ہو جانا چاہتا تھا۔

''محبت''...... ایلیا نے وائلن سے ہاتھ روک کر کہا...... ''جنگ میں کوئی عورت مل جائے تو اس سے محبت ضرور کر لینا۔''

ایلیا اور محبت

جنگ بند ہو چکی تھی۔ وہ جنگ سے واپس لوٹ آیا۔ پھر وہ جنگ میں شامل نہیں ہوا ـــــ پھر بہت کچھ نہیں ہوا۔ پھر جیسے وقت کا پرندہ ایک لمبی چھلانگ لگا گیا۔ صدی...... ایک صدی، دوسری صدی میں گم ہونے والی تھی اور نئی صدی گم ہونے والی صدی کے بطن سے جنم لینے والی تھی...... اچانک اس نے پلٹ کر دیکھا ـــــ ایلیا ایک معمر عورت میں تبدیل ہو کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں وہی وائلن تھا۔

''آہ'' سب ختم ہو گیا۔ وہ دھیرے سے بڑبڑایا ـــــ ڈریسنگ گاؤن کافی پرانا پڑ چکا تھا۔ بٹن ٹوٹ گئے تھے۔ کپڑا بوسیدہ ہو چکا تھا اور وہ دونالی بندوق ـــــ زندہ رہنے کے لئے......''

''آہ'' اس نے لمبا سانس کھینچا۔

''بالآخر وہ آدمی بھی...... کیوں ایلیا۔ وہ آدمی بھی فریبی نکلا نا...... کیا ملا، اس پر ایک عمر لٹا کر......؟''

ایلیا کے لہجے میں ہنسی تھی ـــــ ''تم نہیں سمجھو گے میرے پیارے بوڑھے فوجی۔ اس کی آواز میں کہیں بھی تھکن نہیں تھی...... وہ وائلن تب بھی بجتا تھا...... وہ اس لمحے کا سچ تھا۔ وہ سچ آج بھی ہے۔ یہ میرا سچ ہے...... محبت، محبت ہوتی ہے میرے پیارے فوجی۔''

آنکھیں موند کر وہ وائلن بجانے میں مصروف تھی ـــــ

''کیا تمہیں اس کی یاد آتی ہے ایلیا؟''

ایلیا بے ساختہ مسکرائی...... ''تمہیں باپ یاد ہے ـــــ؟ بلیوں کو اپنے راستوں کا پتہ ہوتا ہے......''

وہ دیر تک کمرے میں چپ چاپ ٹہلتا رہا اور اس درمیان ایلیا برابر وائلن بجاتی رہی۔

محبت اور مادام ایلیا کا نظریہ

جنگ کے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں...... جیسے...... ایک رات، اس کے شراب کے گلاس میں ایک کاکروچ گر گیا تھا ـــــ جیسے کاکروچ کی موت کا جشن منایا گیا تھا ـــــ مگر وہ آدمی...... نہیں، اسے کاکروچ کو یاد رکھنا ہے اور اس آدمی کو بھول جانا ہے۔''

''وہ آدمی...... اس کی انگلیوں کے پور پور میں جیسے ایک مدت تک باپ کے جسم میں لگی گولیوں کا درد موجود تھا ـــــ ویسے ہی وہ آدمی......''

فیروز دھیرے سے کھانسا ـــــ وہ آدمی اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ بس ایک گولی چلی تھی۔ دشمن کے دفاع میں چلنے والی محض ایک گولی ـــــ اپنی حفاظت کے لئے...... باپ کے الفاظ جیسے مدھم پڑ گئے تھے......

اس نے گولی چلا دی۔ سرحد کے اس پار، اس نے کسی کو گرتے، چھٹپٹاتے اور دم

توڑتے ہوئے دیکھا ـــــ بہت ساری چیخوں کے بیچ وہ چیخ واحد تھی، جو اس کی جنم دی ہوئی تھی ـــــ اس نے دیکھا، اس کی بندوق کی نال سے ابھی بھی دھواں اٹھ رہا تھا اور وہاں......سرحد کے اس طرف۔

وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹ رہا تھا ـــــ خوفزدہ ہوکر۔ یہ......یہ آدمی......فوج میں شامل ہونے سے قبل بھی اسے معلوم تھا کہ......وہ کسی پیس مشن میں نہیں جا رہا ہے......وہاں گولے برسیں گے......بارود پھٹیں گے......آگ کے آسمان چھوتے شعلے ہوں گے......اور......آدمیوں کی چیخ ہوگی......اسے سب کچھ پہلے سے پتہ تھا۔ پھر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ اس کی بندوق سے ـــــ وہ آدمی......ایک آدمی۔ بس ایک آدمی۔ بس ایک آدمی......اس براعظم سے کم ہونے والا وہ ایک آدمی اس کی گولی کا نشانہ بنے گا ـــــ اس کی گولی کا۔ ایک اذیت ناک حقیقت۔

''آہ......تم نے وقت گنوادیا......، ایلیا اس کے پاس آکر ٹھہر گئی۔ زندہ رہنے کے لئے......''

اس نے بندوق کو جنبش دی جیسے گہرے سناٹے سے باہر نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہو۔

اس کے بعد جو ہوا وہ بہت عجیب تھا ـــــ اپنے لہجے میں سختی پیدا کرتے ہوئے ایلیا نے اس کے ہاتھوں سے بندوق چھین لی۔

''یہ وہی بندوق ہے نا جس کی گولی سے......''

''ہاں......اس نے گہرا سانس کھینچا۔ تاہم یہ اعتراف کرنے میں اسے ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی۔

ایلیا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا......'مجھے پتہ ہے۔ تم کیا چاہتے ہو۔ ٹھیک اپنے باپ کی طرح......اس بندوق کو بھی اپنی زندگی سے لگا کر رکھنا چاہتے ہو......''

اس کا لہجہ تیکھا تھا ـــــ ''یادوں کو اپنے دل سے نکال کیوں نہیں دیتے۔''

وہ ایک دم ایسے چونک پڑا، جیسے شراب کے گلاس میں کاکروچ کو دیکھ لیا ہو......

''تم۔ایلیا تم......بھی تو......یہ وائلن......''

ایلیا نے اس کے ڈریسنگ گاؤن پر ایک نظر ڈالی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''میرے پیارے''_____برسوں بعد وہی چمکتے رنگوں والی چڑیا کی شوخی اس کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی......

''زندہ رہنے کے لئے......ایک......ایک محبت بھی کافی ہوتی ہے میرے پیارے فوجی۔''

○○

-----------------اختتام---------